جواہرِ حکمت و معرفت

(ذاتی ڈائری کے اوراق سے)

جدید افراد کے دل کو نورِ بصیرت فراہم کرنے اور دماغ
کو فہم و حکمت سے آشنا کرنے والی، صلحائے امت کے
تحریروں سے ماخوذ کتاب

محمد موسیٰ بھٹو

سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ
۴۰۰ - بی لطیف آباد نمبر ۴ - حیدرآباد

تعارف

علمائے ربانی کی تعلیمات کا حاصل

''جواہر حکمت ومعرفت'' کتاب امت کی صالح شخصیتوں، اکابر بزرگوں اور ممتاز اہل دانش کی تعلیمات اور فکر کے مجموعہ پر مشتمل ہے، جو ہماری تیس سالہ ذاتی ڈائریوں میں تحریر شدہ مواد سے ماخوذ ہے۔

اس مواد کو ازسرنو ترتیب دینے اور ذیلی سرخیاں لگانے اور بزرگوں کے بیان کردہ نکات کی تشریح کی بھی ضرورت تھی، تاکہ قارئین کے لئے کتاب سے پوری طرح استفادہ کی صورت پیدا ہو سکے، ہم نے کوشش کی ہے کہ بزرگوں کے بیان کردہ مشکل نکات، سہل زبان میں اس طرح پیش ہوں کہ الفاظ کی مشکل ان کی تعلیمات کے فہم کی راہ میں حائل نہ ہو سکے۔ جدید نسل کے افراد، عام طور پر بزرگان دین کی اسلوب فکر کی مشکلات کی وجہ سے ان کی فکر سے استفادہ سے محروم رہتے ہیں۔ ہمیں اس کا تجربہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تعلیمات کو سہل کرکے پیش کرنے کے وقت ہوا کہ ملک کے بعض ممتاز اہل علم نے کہا کہ ہم زندگی بھر مولانا تھانویؒ کی کتابوں کے فیوض سے اس لئے بے بہرہ رہے کہ ان کی زبان کا فہم ہمارے لئے مشکل تھا، اب پہلی بار آپ کی تسہیل کردہ ان کی ملفوظات کی کتابوں کے مسلسل مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ ان کی فکر کتنی بڑی نعمت ہے اور وہ ہمارے اس دور کی کتنی سخت ضرورت ہے۔

آج مادی زندگی اور مادی حسن کے عمومی مناظر ومظاہر کی وجہ سے ہماری زندگی کی بیشتر جدوجہد، بلکہ ہماری ساری ذہنی وعملی توانائیاں مادی زندگی کو بہتر، کامیاب اور خوشحال سے خوشحال تر بنانے میں صرف ہونے لگی ہیں۔ اس میں جدید دور کے مادہ پرست سرمائیدار کی طرف سے زندگی کو مشکل اور حسین سے حسین تر

بنانے کی کاوشوں کو بھی یقیناً عمل دخل حاصل ہے، لیکن آخرت کی زندگی پر مادی زندگی کو ترجیح دینے کا عمل فرد وافراد کا خالص اپنا انفرادی عمل ہے، اس سلسلہ میں دوسروں کو ذمہ دار بنا کر، فرد وافراد کے لئے آخرت میں بچاؤ کی صورت پیدا نہیں ہوسکتی۔

انسانی زندگی ایک بحر بے کراں ہے، وہ ختم ہونے والی نہیں ہے۔ موت کے بعد ایک نئی زندگی شروع ہے، جو ابد الاباد تک جاری رہے گی، دنیا کی اس زندگی کی کل حیثیت اس بحر بے کراں میں سمندر کے قطرے سے زیادہ نہیں۔

مادی زندگی کی اس اصلیت اور حقیقت کا اگر استحضار قائم ہوجائے تو جدوجہد کا رخ دائمی زندگی کی تیاری کی فکر وجدوجہد میں آسانی سے صرف ہوسکتا ہے۔

یہی وہ قیمتی نکتہ ہے، جس پر قرآن وحدیث کا سب سے زیادہ زور ہے اور رسول اللہﷺ، صحابہ کرام اور صلحائے امت کی زندگیوں کا ایک ایک ورق اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس زندگی کی کل حیثیت مسافر خانہ سے زیادہ نہیں ہے۔ آقائے دو جہاں حضورﷺ نے ہمارے سامنے زندگی کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے، وہ سادگی درویشی، دنیا سے آخری حد تک استغنا، صبر، شکر اور قناعت سے زندگی کے لمحات گذارنے، ہر وقت آخرت کی تیاری کی فکر، دنیا کے کاموں کی سرانجامی کے وقت محبوب حقیقی کی رضامندی کی فکر، اللہ کی مخلوق کو اللہ کی اطاعت کے ذریعہ دین ودنیا کی سعادتوں سے بہرہ ور کرنے کی فکر، دولت ومال کو اہمیت نہ دینے، دنیاوی آسائشوں سے استفادہ نہ کرنے کی روش، دوسروں کو نوازنے کی ادائیں وغیرہ شامل ہیں، آپﷺ کی زندگی میں دنیا کا حصہ سب سے معمولی نظر آتا ہے۔ صحابہ کرام، بزرگان دین اور صلحائے امت کی زندگیاں حضورﷺ کی زندگی کے نقوش سے عبارت تھی اور ان کی زندگیوں میں بھی دنیا کا حصہ برائے نام نظر آتا ہے، اس لئے کہ مومنوں کے لئے اسوہ حسنہ رسول اللہﷺ کی زندگی ہی ہے **لقد کان لکم فی رسول الله اسوه حسنه**۔

مسلم امت کی تاریخ میں یہ پہلا دور ہے، جب افرادِ امت میں مادی زندگی

کی نہ ختم ہونے والی دوڑ شروع ہے، غریب ہو، یا امیر، عالم ہو یا جاہل، پیر ہو یا مرید، سب کی زندگی میں دولت ومال نے فیصلہ کن حیثیت اختیار کرلی ہے، آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کی فکر غالب تر ہوگئی ہے۔ بہت قلیل افراد کو چھوڑ کر لگ بھگ سب کی زندگی کا ہدف دنیا بن کر رہ گئی ہے۔ اور دل ہمہ وقت انہی جذبات سے سرشار ہے اور ذہن میں ہمہ وقت یہی فکر سوار ہے۔

دنیا دار افراد خالص دنیا کے روپ میں دنیا کو طلب کررہے ہیں تو دیندار افراد اور پیر صاحبان دینداری اور بزرگی کے روپ میں دنیا کے طلبگار ہیں، یہی دوڑ اور یہی کشمکش ہے، جو اس وقت عروج پر ہے اور دنیا سے والہانہ محبت کا ایک طوفان ہے، جس میں افرادِ ملت کی زندگی زیرو زبر ہے اور ہماری تہذیبی اور اخلاقی قدریں مادیت کی ان طوفانی لہروں کی نذر ہیں۔

قرآن،دنیاوی زندگی کی بے وقعتی اور اس کے بے وزن ہونے اور اسے اہمیت نہ دینے کی تاکید سے بھرا ہوا ہے كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ. (اورتم بس دنیا ہی چاہتے ہو اور آخرت کو بالکل چھوڑ دیتے ہو)۔

يَعْلَمُونَ ظَاهِراً مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ. (وہ صرف اس دنیوی زندگی کی ظاہری حقیقتوں ہی کو جانتے ہیں اور ان ہی کی فکر کرتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں)۔

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: دنیا کی حیثیت سمندر کے قطرے کے مثال ہے، آپ ﷺ کی مشہور دعا ہے کہ یا اللہ، مجھے مسکینوں کے ساتھ زندہ رکھ، مسکینوں کے ساتھ مار اور مسکینوں کے ساتھ اٹھا۔

امت کی اکابر ہستیاں بڑی شدومد کے ساتھ دولت،ودنیا ومالداروں کو اہمیت نہ دینے کی تاکید کرتی رہی ہیں، حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں، مالداروں کی صحبت سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ، اس لئے کہ شیر کاٹ کھائے گا تو اس دنیاوی زندگی کا نقصان ہوگا، جب کہ مالدار کی صحبت ابدی زندگی کے خسارہ کا موجب ہوگی۔

قرآن وسنت اور بزرگان دین کی یہ تعلیمات اکثر ہمارے لاشعور میں موجود حب دنیا کے جذبات سے ٹکرا کر، ہمارے مزاج کو مکدر کردیتی ہیں، اور ان تعلیمات پر غور وفکر کرکے زندگی کے رنگ وڈھب کو بدلنے کی فکر کی بجائے مادی سرگرمیوں میں مزید منہمک ہونے اور دنیا سے زیادہ سے زیادہ متمتع ہونے کا ذریعہ بنتی ہیں، یہ بہت المناک صورت ہے، جو اس وقت امت میں پیدا ہوگئی ہے۔ ہمارے موجودہ زوال میں سب سے زیادہ اسی چیز کوعمل دخل حاصل ہے، اس وقت دین کے حوالے سے ہونے والے بیشتر کام بھی مالداروں کے زیر سایہ اور ان کی سرپرستی میں ہی ہورہے ہیں۔ دینی مدارس ہوں یا خانقاہیں، وہ مالداروں کے زیر سایہ ہی چل رہی ہیں۔ اس کے اثرات ہیں کہ دینی کاموں میں خیر وبرکت کم ہوگئی ہے اور آخرت کی فکر سے زیادہ دنیاوی رونق، خانقاہوں، مکانوں،عمارتوں اور گاڑیوں کی زیب وزینت فیصلہ حیثیت کی حامل ہوگئی ہے اور اللہ کی بجائے مالداروں سے توقعات وابستہ ہوگئے ہیں،جب کہ علمائے ربانین کی ساری تاریخ بتاتی ہے کہ انہوں نے دعوت دین اور وفروغ دین کا کام توکل، وسائل کی تہی دامنی اور حالت فقر کے ساتھ کیا ہے۔ مالداروں سے بے نیازی ان کا ورثہ رہی ہے اور ان کی سیرت کا سب سے تابناک پہلو یہی ہے۔

''جواہر حکمت ومعرفت'' کتاب بزرگان دین کی تعلیمات کے حوالے سے ہمیں جھنجھوڑنے، بیدار ہونے اور مادی زندگی سے بلند ہوکر قناعت، سادگی، صبر وشکر، اور زہد کے ساتھ زندگی گذارنے اور دینی خدمت کا کام کرنے پر ابھارنے میں کردار ادا کرسکتی ہے اور اس سلسلہ میں فکر ونظر کے صحیح خطوط متعین کرسکتی ہے۔

کتاب میں محبوب حقیقی سے محبت، حکمت ودانائی، معرفت، انسانی نفسیات کی گہرائیوں، قیمتی زندگی کے بہتر استعمال، اسلام کے صحیح تصور، نفس کی بے پناہ قوتوں کی نشاندہی، تعلق مع اللہ، راہ سلوک کے مسائل، زندگی کے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے نکات، انسانیت اور آداب زندگی اور سلیقہ زندگی جیسے بے شمار موضوعات پر قیمتی مواد شامل ہے اور ملت کی ممتاز شخصیتوں کے زندگی بھر کے تجربات

ومشاہدات کا نچوڑ موجود ہے۔

اس عاجز نے پچھلے تیس سال میں اپنی ڈائریوں میں جو مواد جمع کیا تھا، اس سے مقصود صرف اپنی اصلاح تھی، لیکن اب ضرورت محسوس ہوئی اور بعض دوستوں نے توجہ بھی دلائی کہ اسے عام استفادہ کے لئے ازسرنو ترتیب دے کر کتابی صورت دی جائے۔ کتابی صورت دیتے وقت بعض نئی چیزیں بھی شامل کی گئی ہیں۔

علمائے ربانی کی تعلیمات وافکار (جو زیر نظر کتاب کا موضوع ہے) اس کا اصل ہدف انسانی شخصیت کی تعمیر اور اس کا استحکام ہے،دین ودنیا کے سارے کاموں کا تعلق دراصل شخصیت کے اسی استحکام ہی سے وابستہ ہے۔ شخصیت کی مستحکم بنیادوں پر تعمیر کے بغیر معاشرہ سے خیروبرکت رخصت ہوگی، رواداری ومحبت کی فضا معدوم ہوگی،باہم دست وگریبان ہونے سے بچاؤ مشکل ہوگا، حقیقی حمیت دین کی صورت کا پیدا ہونا دشوار ہوگا،انسانیت وانسانی آداب کے بجائے حیوانیت ودرندگی کے مظاہر ومناظر عام ہوں گے۔ خدمت دین کے نام پر فساد فی الارض کی فضا پیدا ہوگی۔

اور شخصیت کی تعمیر کی سب سے بہتر صورت اللہ کا ذکر، اس کی مخلصانہ عبادت، اللہ کے دوستوں کی صحبت اور روح اور دل کی خوابیدہ صلاحیتوں کی بیداری اور خوداحتسابی کے مسلسل عمل کے ذریعہ نفسی قوتوں کو پامال کرتے رہنے کی ہے۔اسی سے افراد معاشرہ میں وہ ساری صفات وخوبیاں پیدا ہوں گی، جن سے مسلم معاشرہ مستحکم ہوگا، جسے کفر اور باطل کی بڑی سی بڑی قوت بھی مضمحل نہ کر سکے گی۔

علمائے ربانی کی فکر کا ماحاصل یہ ہے کہ اسلام کی عمارت اللہ پر ایمان، رسولوں پر ایمان اور آخرت پر ایمان پر قائم ہے، اس ایمان کے بغیر اعمال صالحہ اور ذکر وفکر لاحاصل ہیں۔ اسلام کی عمارت کا ڈھانچہ شریعت کے احکام وتعلیمات سے وابستہ ہے، شریعت کے احکامات پر عمل کے بغیر قرب الٰہی کا حصول ممکن نہیں اور اسلام کی روح ان تعبداللہ کانک تراہ (یعنی اللہ کی بندگی اس طرح کر گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو) ان تینوں چیزوں کے مجموعہ سے ہی اسلام کی عمارت قائم ہوتی اور مستحکم

ہوتی ہے۔

علمائے ربانی کا تصوف واحسان پر زور اس لئے ہے کہ اس سے ایمانی عقائد اور توحید کی بنیاد مستحکم ہوتی ہے، اسلامی شریعت کی عمارت کی تکمیل کی صورت پیدا ہوتی ہے اور وہ سارے اوصاف حمیدہ پیدا ہوتے ہیں،جو اللہ کو مطلوب ہیں۔

کتاب کی شروعات میں کچھ اہم تفسیری نکات اور کچھ احادیث شامل کی گئی ہیں۔ ڈائریوں میں کافی تفسیری نکات واہم احادیث کا ذخیرہ موجود ہے۔ کتاب کی ضخامت سے بچنے کی خاطر اس کا کچھ حصہ شامل کیا گیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو خود اس عاجز اور پڑھنے والوں کے لئے زیادہ سے زیادہ نافع بنائے۔ (آمین)

۸، فروری ۲۰۱۵ء | محمد موسیٰ بھٹو

پیش لفظ

ڈاکٹر محمد طاہر صاحب
(ایلوپیتھ، ہوپیتھ ڈاکٹر اور یونانی معالج)

حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب کی زیر نظر کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ''جواہر حکمت ومعرفت'' کے موضوع پر ہے، جس میں بزرگان دین اور ممتاز اسلامی فلاسفروں ودانشوروں کی تحریروں سے ماخوذ بیش بہا معلومات شامل ہے، جو ہمارے لئے زندگی کے صحیح خطوط متعین کرنے اور ان کے رخ کو درست کرنے میں معاون ثابت ہوسکتی ہے۔

جہاں تک حکمت ومعرفت کا تعلق ہے تو یہ علمائے ربانی اور حقیقی اہل اللہ ہی کو حاصل ہوتی ہے، یہ حکمت ومعرفت، نفس کو مکمل طور پر اللہ ورسول کے تابع بنانے اور دنیاوی زندگی کی نعمتوں، راحتوں اور دولت ودنیا کی فکر سے دست بردار ہوکر، آخرت کی فکر کو غالب کرنے اور توحید کے رنگ کو مستحکم کرکے، اللہ کی محبت میں رچ بس جانے کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوتی ہے۔

جب یہ حکمت ومعرفت عطا ہوتی ہے تو قرآن وسنت میں موجود نور تک رسائی بھی حاصل ہونے لگتی ہے۔ اہل اللہ اور علمائے ربانی کو اللہ تعالٰی اس نور کا وافر حصہ عطا فرماتا ہے۔ وہ علمائے دین جو معرفت کے اجزا سے بہرہ ور نہیں ہوتے، وہ قرآن کی گہرائیوں تک رسائی حاصل کرنے اور قرآن سے حقیقی فیض حاصل کرکے اس فیض کو عام کرنے میں اکثر کامیاب نہیں ہوتے اور ان کے بیان کردہ نکات میں گہرائی وگیرائی اور تاثیری صلاحیت موجود نہیں ہوتی، سبب یہی ہے کہ علمائے ربانی، صحبت اہل اللہ اور ذکر وفکر کے غیر معمولی

مجاہدوں کے ذریعہ نفس کو مہذب بنانے اور اللہ اور بندہ کے درمیاں موجود حجابات کو دور کرنے اور اخلاص ویقین کی کیفیات کو مستحکم کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ جب زندگی کا مقصود محض اللہ کی رضامندی ہوجاتی ہے اور اللہ کے لئے فداکارانہ رنگ غالب ہونے لگتا ہے تو اس کے نتیجہ کے طور پر انہیں اللہ کی طرف سے حکمت کی نعمت عظمٰی عطا ہوتی ہے۔ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (جسے حکمت عطا کی گئی اسے بہت زیادہ خیر دیا گیا) اس حکمت اور نور بصیرت کی وجہ سے علمائے ربانی اور اہل اللہ ہر دور میں قرآن وسنت کے صحیح خطوط متعین کرنے، مشکل سے مشکل حالات ومسائل میں صحیح دینی رہنمائی کرنے، اپنے دور کے حالات سے متاثر نہ ہوکر قرآن وسنت کے رسول اللہ ﷺ کے مفہوم کو پیش کرنے اور لوگوں کی اصلاح کے لئے اپنی زندگیاں صرف کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں اور وہ زندگی بھر صراط مستقیم سے ہٹ کر ادھر ادھر دیکھنے کے روادار نہیں ہوتے، زیر نظر کتاب میں اس طرح کے علمائے ربانی واہل اللہ کے (جو امت کا سرمایہ ہیں) ان کی تعلیمات کا نچوڑ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

علمائے ربانی، نور بصیرت کے ذریعہ مشکل مسائل میں کس طرح صحیح رہنمائی فرماتے ہیں۔ اس کی ایک ہلکی مثال قرآن کی وہ دو آیتیں ہیں۔ جن میں سے ایک آیت میں انسان کی تخلیق کو بہترین تخلیق کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے پھر بتایا گیا ہے کہ لیکن ہم نے اسے اسفل سافلین میں گرادیا۔ دوسری آیت میں انسان کو ظلوما جھولا قرار دیا گیا ہے۔

ان دونوں آیات کا جو مفہوم عام طور پر پیش کیا جاتا ہے، اس پر عقل مطمئن نہیں ہوتی، لیکن ایک ممتاز عالم ربانی نے نور بصیرت سے اس کا جو مفہوم

بیان فرمایا ہے، وہ ایسا ہے، جس سے سارے اشکالات دور ہوجاتے ہیں اور طمانیت حاصل ہونے لگتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات میں ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ میں روح اورنفس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''انسان کے اس پیکر جسمانی کے ساتھ تعلق قائم ہونے سے پہلے روح کی ترقی وعروج کی راہ بندتھی، لیکن اس جوہرنفس کی فطرت وسرشت میں جسم میں آنے کے بعد عروج کی استعداد موجودتھی اور اس استعداد کی بنا پر ہی انسان کی فضیلت فرشتہ پر ثابت ہوتی ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے اس نورانی جوہرکو اس جسم کے ظلماتی پیکر کے ساتھ جمع کردیا۔ تو پاک ہے وہ ذات جس نے نور اور ظلمت اور امر اور خلق کو ایک جگہ جمع کردیا۔ جبکہ حقیقت میں یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی نقیض واقع ہوئی تھیں۔ تو حکیم مطلق جل سلطانہ نے اس اجتماع کو برقرار رکھنے اور اس انتظام کو موجود رکھنے کیلئے روح کی نفس کے ساتھ عشق وگرفتاری کی نسبت قائم کردی اور اس گرفتاری کو اس انتظام کا سبب بنا دیا اور سورۃ التین ۴تا۶ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ترجمہ: ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا اور پھر اسے گرے ہوؤں سے گرا ہوا کردیا، سوائے ان کے جو ایمان لائے اور اعمال صالح کئے۔)

مکتوب ۲۸۷ میں انسان کی عارفانہ صلاحیت کے بارے قرآنی انکشاف ظلوما جھولا کی تشریح میں لکھتے ہیں ''ظلوما تو یوں کہ انسان اپنے نفس پر بہت ظلم کرنے والا ہے۔ اس قدر کہ اپنے وجود اور وجود کے توابع میں سے کوئی بھی اثر اور حکم نہیں رکھتا اور جب تک اپنے اوپر اس قدر ظلم نہ کرلے، امانت کا

بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں ہوتا اور جھولا یوں کہ کثیر الجہل ہے۔ اسے اپنے مقصود کے متعلق (یعنی جس کا بار امانت اٹھانے کیلئے اپنی ذات پرظلم کرتا ہے) کچھ ادراک نہیں اور نہ ہی علم رکھتا ہے۔ بلکہ نہ صرف ادراک سے عاجز ہے، بلکہ اپنے مقصود کے علم سے بھی جاہل ہوتا ہے اور یہی عجز وجہل اس کمال کے مقام میں معرفت ہے۔ گویا جو یہاں سب سے زیادہ جاہل ہے، سب سے بڑا عارف ہے۔ اور اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جو سب سے بڑا عارف ہو، وہی بار امانت اٹھانے کا زیادہ حق دار ہے۔ انسان کے اندر یہ دونوں صفتیں یعنی ظلوما جھولا گویا بار امانت کے اٹھانے کا سبب ہیں۔''

زیرنظر کتاب میں بزرگان دین کے اس طرح کے بہت سارے نکات موجود ہیں، جس سے دل وذہن کی تشفی کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

یہ کتاب اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ ہم جس اخلاقی اور روحانی بحران سے دوچار ہیں اور ہمارا اجتماعی نظام جس شدید خلفشار سے دوچار ہے اور ہم سمجھ نہیں پارہے ہیں کہ اس بحران کے عوامل کیا ہیں اور اس سے نکلنے کی صورت کیا ہے۔ امت کی تاریخ کے ممتاز اکابر بزرگان دین کی تعلیمات اور ان کے افکار کی روشنی میں ہمیں اپنے بگاڑ وفساد کی نوعیت کو سمجھنے اور اس بگاڑ سے نکلنے کے لئے غوروفکر کرنے کی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔

حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب ایک عرصہ سے جس جفاکشی سے مسلسل علمی کام کے ذریعہ ہمیں جو مواد فراہم کر رہے ہیں اور عصر حاضر کے انسان کو متوازن فکری خطوط دے رہے ہیں، ان کا یہ کام بڑی دینی خدمت ہے، ان کی کتابوں میں جس خوبصورتی سے دور جدید کی ذہنی وعلمی سطح کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، وہ ان پر اللہ کا خاص کرم ہے، اگرچہ مسلسل کام کی وجہ سے ان کی ذہنی توانائیاں

بُری طرح متاثر ہیں، تاہم وہ ہمیں مسلسل نئی نئی قیمتی علمی کتابیں دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جسمانی وروحانی صحت عطا فرمائے اور ان کے اس سارے کام کو اپنے ہاں قبولیت کا شرف عطا فرمائے۔ اور ہمیں اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

۱۳ فروری ۲۰۱۵

کچھ تفسیری نکات

اسلام
تسلیم ورضا اور فرمانبرداری کا نام ہونا

إِنَّ الدِّيْنَ عِندَ اللّٰهِ الإِسْلَامُ ۔ (اللہ کے ہاں اسلام ہی (قابل قبول) دین ہے۔)

اسلام کے اصل معنیٰ سونپ دینے کے ہیں۔ مذہب اسلام کو بھی اسی لحاظ سے اسلام کہا جاتا ہے کہ ایک مسلم اپنے کو ہمہ تن خدائے واحد کے سپرد کردینے اور اس کے احکام کے سامنے گردن ڈال دینے کا اقرار کرتا ہے، گویا اسلام انقیا دوتسلیم کا اور مسلمانی حکمبرداری (فرمانبرداری) کا دوسرا نام ہوا، یوں تو شروع سے آخر تک تمام پیغمبر یہی مذہب اسلام لے کر آئے، اور اپنے اپنے زمانہ میں اپنی اپنی قوم کو مناسب وقت احکام پہنچا کر اطاعت وفرمانبرداری اور خالص خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلاتے رہے۔ لیکن اس سلسلہ میں خاتم الانبیاء محمد ﷺ نے تمام دنیا کو جو اکمل، جامع ترین، عالمگیر اور ناقابل تنسیخ ہدایات دیں، وہ تمام شرائع سابقہ حقہ پر شے زائد محسوس ہونے کی وجہ سے خصوص رنگ میں اسلام کے نام سے موسوم وملقب ہوئیں۔

بہرحال اس آیت میں نصاریٰ نجران کے سامنے خصوصا اور تمام اقوام وملل کے سامنے عموما اعلان کیا گیا ہے کہ دین ومذہب صرف ایک ہی چیز کا نام ہوسکتا ہے، وہ یہ کہ بندہ دل وجان سے اپنے آپ کو خداوند قدوس کے سامنے سپرد کردے اور جس وقت جو حکم اس کی طرف سے پائے۔ بلا چوں چراں گردن تسلیم جھادے، اب جو لوگ خدا کے بیٹے، پوتے تجویز کریں مسیح مریم کی تصویروں اور صلیب کی لکڑی کو پوجیں، خنزیر کھائیں، آدمی کو خدا اور خدا کو آدمی بنادیں انبیاء و اولیاء کو قتل کر ڈالنا معمولی بات سمجھیں، دین حق کو مٹانے کی ناپاک کوششوں میں لگے رہیں۔ موسیٰ ومسیح کی بشارات کے موافق، جو پیغمبر ان دونوں سے بڑھکر شان ونشان دکھاتا ہو، جان بوجھ کر اس کی تکذیب اور اس کے لائے ہوئے کلام واحکام سے ٹھٹھا کریں، یا جو بے وقوف پتھروں، درختوں، ستاروں چاند سورج کے آگے سجدہ کریں

اور حلال وحرام کا معیار محض ہوائے نفس کو ٹھرائیں، کیا ان میں کوئی جماعت اس لائق ہے کہ اپنے کو مسلم اور ملت ابراہیمی کا پیرو کہہ سکے۔ (تفسیر عثمانی صفحہ۱۶۶)

حق کی طلب سے محرومی کی سزا

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْراً لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُم مُّعْرِضُون. (اور اگر اللہ جانتا کہ ان میں بھلائی (موجود ہے) تو ان کو سنا دیتا، اور اگر ان کو اب سنادے تو ضرور بھاگیں، منہ پھیر کر) یعنی اصلی یہ ہے کہ ان لوگوں میں بھلائی کی جڑ ہی نہیں، کیونکہ حقیقی بھلائی انسان کو اس وقت ملتی ہے، جب اس کے دل میں طلب حق کی سچی تڑپ اور نور ہدایت قبول کرنے کی لیاقت (موجود) ہو، جو قوم، طلب حق کی روح سے یکسر خالی ہو چکی ہو، اس طرح خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو اپنے ہاتھوں برباد کر چکی ہو، رفتہ رفتہ اس میں قبول حق کی لیاقت واستعداد بھی نہیں رہتی، اس کو فرمایا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں قبول خیر وہدایت کی لیاقت نہیں دیکھی، اگر ان میں کچھ بھی لیاقت دیکھتا تو اپنی عادت کے موافق ضرور ان کو آیتیں سنا کر سمجھا دیتا، باقی بحالت موجودہ اگر انہیں آیات سنا اور سمجھا دی جائیں تو یہ ضدی اور معاند لوگ سمجھ کر بھی تسلیم وقبول کرنے والے نہیں۔ (تفسیر عثمانی، صفحہ۲۳۸)

انسانی اور اس کے دل کے درمیاں
اللہ کا حائل ہوجانا

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ. (اور جان لو کہ اللہ روک دیتا ہے آدمی سے اس کے دل کو) (یعنی اللہ، انسان اور اس کے دل کے درمیاں حائل ہوجاتا ہے۔ (مرتب)

یعنی حکم بجالانے میں دیر نہ کرو، شاید تھوڑی دیر بعد دل ایسا نہ رہے۔ اپنے دل پر آدمی کا قبضہ نہیں، بلکہ دل خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جدھر چاہے پھیردے۔ بیشک وہ اپنی رحمت سے کسی کا دل ابتداء نہیں روکتا، نہ اس پر مہر کرتا ہے، ہاں جب بندہ امتثال احکام میں سستی وکاہلی کرتا رہے تو اس کی جزا میں روک دیتا ہے۔ یا حق پرستی چھوڑ کر، ضد وعناد کو شیوہ بنالے تو مہر کردیتا ہے، کذا فی الوضح بعض نے يَحُوْلُ

بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ کو بیان قرب کے لئے لیا ہے، یعنی حق تعالیٰ سے بندہ اتنا قریب ہے کہ اس کا دل بھی اتنا قریب نہیں۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ تو خدا کی حکمبرداری سچے دل سے کرو خدا تم سے بڑھکر تمہارے دلوں کے احوال وسرائر پر مطلع ہے۔ (تفسیر عثمانی، صفحہ۲۳۸)

ظلم وعصیان پر خاموشی پر ملنے والی سزا

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَاب. (اور بچتے رہو اس فساد سے جو نہیں پڑے گا تم میں سے خاص ظالموں ہی پر اور جان لو کہ اللہ کا عذاب شدید ہے۔)

یعنی فرض کرو، ایک قوم کے اکثر افراد نے ظلم وعصیان کا وتیرہ اختیار کر لیا، کچھ لوگ جو اس سے علحیدہ رہے، انہوں نے مداہنت برتی، نہ نصیحت کی، نہ اظہار نفرت کیا تو یہ فتنہ ہے، اس کی لپیٹ میں یہ ظالم اور یہ خاموش مداہن سب آجائیں گے۔ جب عذاب آئے گا تو حسب مراتب سب اس میں شامل ہوں گے، کوئی نہ بچے گا۔

اس تفسیر کے مطابق آیت سے یہ مقصود ہوگا کہ خدا ورسول کی حکمبرداری (اطاعت) کے لئے خود (بھی) تیار رہو اور نافرمانوں کو نصیحت وفہمائش کرو، نہ مانیں تو بیزاری کا اظہار کرو، باقی حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ مسلمانوں کو ایسے فساد (گناہ) سے بالخصوص بچنا چاہئے، جس کا خراب اثر گناہ کرنے والے کی ذات سے متعدی ہوکر دوسروں تک پہنچتا ہے۔ پہلے فرمایا تھا کہ خدا ورسول کا حکم ماننے میں ادنیٰ تاخیر وکاہلی نہ کرے، کہیں دیر کرنے کی وجہ سے دل ہٹ نہ جائے، اب تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر نیک لوگ کاہلی کریں گے تو عام لوگ بالکل چھوڑ دیں گے تو رسم بد پھیلے گی، اس کا وبال سب پر پڑے گا۔ جیسے جنگ میں دلیر سستی کریں تو نامرد بھاگ ہی جائیں، پھر شکست پڑے تو دلیر بھی نہ تھام سکیں۔ (تفسیر عثمانی، صفحہ۲۳۸)

ایمان واحسان کے باوجود
اللہ سے لرزاں وترساں رہنا

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ. (البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں) یعنی باوجود ایمان واحسان کے کفار مغرورین کی طرح مکر اللہ سے مامون نہیں، ہمہ وقت خوف خدا سے لرزاساں وترساں رہتے ہیں کہ نہ معلوم دنیا میں جو انعامات ہو رہے ہیں، استدراج (ڈھیل ومہلت) تو نہیں، حسن بصری کا مقولہ ہے کہ مومن نیکی کرتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے اور منافق بدی کر کے بھی بے فکر ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی صفحہ۴۶۰)

ذکر کا ساری
عبادتوں کا روح ہونا

وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی (چیز ہے) یعنی نماز بُرائیوں سے کیوں نہ روکے، جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد کی سب سے بہتر صورت ہے۔ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (نماز قائم کرو میرے ذکر کے لئے) اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے یہ وہ چیز ہے جسے نماز اور جہاد وغیرہ تمام عبادات کی روح کہہ سکتے ہیں۔ یہ نہ ہو تو عبادت کیا، ایک جسد بے روح اور لفظ بے معنیٰ ہے، حضرت ابو دردا وغیرہ کی احادیث کو دیکھکر علماء نے یہی فصلہ کیا ہے کہ ذکر اللہ سے بڑھکر کوئی عبادت نہیں۔ اصلی فضیلت اسی کو (حاصل) ہے، یوں عارضی اور وقتی طور پر کوئی عمل ذکر اللہ پر سبقت لے جائے (ذکر اللہ سے آگے بڑھ جائے) وہ دوسری بات ہے، لیکن غور کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ اس عمل میں بھی فضیلت اسی ذکر اللہ کی بدولت آئی ہے، بہرحال ذکر اللہ تمام اعمال سے افضل ہے، جب وہ نماز کے ضمن میں ہو تو افضل تر ہوگا۔ پس بندہ کو چاہئے کہ کسی وقت خدا کے ذکر سے غافل نہ ہو، خصوصا جس وقت بُرائی کی طرف میلان ہو، اس وقت خدا تعالیٰ کی عظمت وجلال کو یاد کر کے اس سے باز آجائے۔ (تفسیر عثمانی، صفحہ۵۳۵)

مشرکوں کی خاصیت۔ اللہ کے ذکر سے انقباض
پیر وفقیر کے ذکر سے مسرت وانبساط کا ہونا

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ. کی تشریح:

مشرک کا خاصہ ہے کہ اگرچہ بعض اوقات زبان سے اللہ کی عظمت ومحبت کا اعتراف کرتا ہے، لیکن اس کا دل اکیلے خدا کے ذکر اور حمد وثنا سے خوش نہیں ہوتا، ہاں، دوسرے دیوتاؤں یا جھوٹے معبودوں کی تعریف کی جائے تو مارے خوشی کے اچھلنے لگتا ہے، جس کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں۔ افسوس، یہی حال آج بہت سے نام نہاد مسلمانوں کا دیکھا جاتا ہے کہ خدائے واحد کی قدرت وعظمت اور اس کے علم کی لامحدود وسعت کا بیان ہو تو ان کے چہروں پر انقباض (بے چینی) کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر کسی پیر فقیر کا ذکر آجائے اور جھوٹی سچی کرامات اناپ شناپ بیان کردی جائیں تو ان کے چہرے کِھل پڑتے ہیں اور دلوں میں جذبات مسرت وانبساط جوش مارنے لگتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات توحید خالص کا بیان کرنے والا ان کے نزدیک منکر اولیاء سمجھا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی، صفحہ۶۱۷)

عقل کو خواہشات کے
تابع بنانے کی سزا

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ (کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے اللہ نے اس کے علم کے باوجود اس کو گمراہی میں ڈال دیا ہے اس کے کان اور دل پر مہر لگادی، اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے ایسے شخص کو کون ہدایت دے سکتا ہے۔)

خواہش کو اپنا معبود بنانے کا مطلب خواہش کو اپنی زندگی میں سب سے برتر مقام دینا ہے، جو شخص اپنی خواہش کے تحت سوچے اور اپنی خواہش کے تحت عمل کرے، وہ گویا اپنی خواہش ہی کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے۔ آدمی کی عقل، صحیح اور غلط کو پہنچاننے کی کامل صلاحیت رکھتی ہے۔ مگر جو شخص اپنی عقل کو اپنی خواہش کا تابع

بنالے، اس کا حال یہ ہوجاتا ہے کہ اس کے سامنے حق کے دلائل آتے ہیں، مگر وہ ان کے وزن کو محسوس نہیں کر پاتا۔ وہ ہر بات کے جواب میں ایک جھوٹی توجیہ پیش کرکے اسے رد کر دیتا ہے، آدمی کی یہ روش آخرکار اس کی عقلی قوتوں کو مسخ کردیتی ہے۔ ان کے کان الفاظ سنتے ہیں، مگر ان کے معانی تک ان کی پہنچ نہیں ہوتی۔ اس کی آنکھ حقیقت کو دیکھتی ہے، مگر وہ اس سے سبق نہیں لے پاتی۔ اس کے دل تک ایک بات پہنچتی ہے، مگر وہ اس کے دل کو تڑپانے والی نہیں بنتی، عقلی قوتوں کو خدا نے ہدایت کے داخلہ کا دروازہ بنایا ہے، مگر جو شخص اپنی خواہش پرستی میں ان دروازوں کو بند کرے، اس کے اندر ہدایت داخل ہوگی تو کس راستہ سے ہوگی۔ (تذکیر القرآن)

سب سے بڑے روحانی
روگ کی نشاندہی

روحانی طور پر سب سے بڑا روگ اور سب سے زیادہ خطرناک بیماری عجبِ نفس اور غرور کی ہے۔ جس کی وجہ سے فرد سمجھتا ہے کہ میرا محدود دماغ اس قابل ہے کہ تمام مصالح وحکمتوں کا بیک وقت احاطہ کر سکے۔ ازبس کہ مجھے کسی دوسرے کی اطاعت کی قطعا ضرورت نہیں، میں خود دانا اور سمجھدار ہوں، معاملات میں بصیرت تامہ رکھتا ہوں اور خیر وشر میں جو فرق ہے اس کو بخوبی محسوس کرتا ہوں، اس لئے مذہب اور دین اگر میرے عندیے کے موافق ہے تو درست ہے، اگر میرے عندیے اور اس میں توافق نہیں ہے تو پھر درست نہیں۔ کیونکہ میرے افکار وتصورات میں قطعیت وصحت کی پوری استعداد موجود ہے، ان میں کسی غلطی کا امکان نہیں۔ مکہ والوں کی بالکل یہی ذہنیت تھی، وہ اسی روحانی روگ میں مبتلا تھے کہ ہمارے خرافاتِ دینی ہی قرین عقل ودانش ہیں۔ اپنی خواہشات وخیالات کو انہوں نے خدا سمجھ رکھا تھا۔ ان کا احترام اسی طرح کرتے تھے، جس طرح خدا کے احکام کا احترام کیا جاتا ہے، اس لئے فرمایا کہ یہ لوگ باوجود جاننے اور علم رکھنے کے بھی گمراہ ہیں۔ کیونکہ ازراہ کبر وغرور یہ حق کی آواز کو سننے کیلئے ہی تیار نہیں۔ (تفسیر سراج البیان، مولانا

محمد حنیف ندوی)

تقویٰ کی بدولت
فرقان کی صلاحیت کا عطا ہونا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا. (سورۃ انفال آیت۳۰)

مومنو، اگر تم اللہ سے ڈرتے رہوگے تو وہ تمہارے لئے فرقان بہم پہنچائیگا اور تم سے تمہارے گناہوں کو دور کریگا۔

اگر اللہ تعالیٰ کی تقویٰ اختیار کروگے تو اللہ تعالیٰ تم میں اور تمہارے مخالفین میں فیصلہ فرمائیگا، دوسری بات یہ ہے کہ تقویٰ کی برکت سے حق تعالیٰ تمہارے دل میں ایک نور ڈالدیگا، جس سے تم ذوقا ووجدانا حق وباطل اور نیک وبد میں فیصلہ کر سکوگے۔ (تفسیر عثمانی، مولانا شبیر احمد عثمانی)

''فرقان کے معنیٰ ہیں فرق کرنے والی چیز۔ یہاں فرقان سے مراد حق وباطل کے درمیاں فرق کرنے کی صلاحیت ہے۔ آدمی اگر اللہ سے ڈرے وہی کرے، جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اس سے بچے، جس سے اللہ نے منع کیا ہے تو اس کو اس بات کی توفیق ملتی ہے کہ وہ حق وباطل کو ایک دوسرے سے الگ کرکے دیکھ سکے۔

یہ فرقان تقریبا وہی چیز ہے، جس کو معرفت یا بصیرت کہا جاتا ہے۔ بصیرت آدمی میں وہ اندرونی روشنی پیدا کردیتی ہے کہ وہ ظاہری پہلوؤں سے دھوکہ کھائے بغیر ہر بات کو اس کے اصل روپ میں دیکھ سکے۔ جب بھی کوئی آدمی کسی معاملہ میں اپنے آپ کو اتنا زیادہ شامل کرتا ہے کہ وہ اس کی پرواہ کرنے لگے، وہ اس کے بارے میں اندیشناک رہتا ہو تو اس کے بعد اس کے اندر ایک خاص طرح کی حساسیت پیدا ہوجاتی ہے، جو اس کو اس معاملہ کے موافق ومخالف پہلوؤں کی پہچان کرادیتی ہے۔ یہ فرقانی معاملہ ہر ایک کے ساتھ پیش آتا ہے۔ خواہ ایک مذہبی آدمی ہو یا ایک تاجر اور ڈاکٹر اور اور انجینیر، کوئی بھی آدمی جب اپنے کام سے تقویٰ (کھٹک) کی حد تک وابستہ کرتا ہے تو اس کو اس معاملہ کی ایسی معرفت حاصل ہوجاتی

ہے کہ ادھر اُدھر کے مغالطوں میں الجھے بغیر وہ اس کی حقیقت تک پہنچ جائے۔

کسی آدمی کے اندر یہ خدائی بصیرت (فرقان) پیدا ہونا، اس بات کی سب سے بڑی ضمانت ہے کہ وہ بُرائیوں سے بچے، یہ فرقان (حق وباطل کی نفسیاتی تمیز) پیدا ہوجانا، اس بات کا ثبوت ہے کہ آدمی اپنے آپ کو حق کے ساتھ اتنا زیادہ وابستہ کرچکا ہے کہ اس میں اور حق میں کوئی فرق نہیں رہا۔ (تذکیر القرآن)

محبین کے ساتھ اللہ کا معاملہ

اپنے محبین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ جب ان سے کوئی امر، ان کے مقام کے منافی صادر ہوجاتا ہے تو ایک طرح کے حجاب سے ان کی تادیب کی جاتی ہے اور جب وہ اس کی تلخی چکھ چکے ہوتے ہیں تو پھر ان پر کرم کی بارش کی جاتی ہے۔ (تفسیر ماجدی، مولانا عبدالماجد دریابادی)

رسوخ میں تاخیر کا سبب

اور کافر یہ کہتے ہیں کہ اس شخص پر قرآن اکبارگی (پورا) کیوں نہیں نازل کر دیا گیا، اس طرح اس لئے کہ ہم اس کے ذریعہ سے آپ کے دل کو قوی رکھیں اور ہم نے اسے ٹھرا ٹھرا کر اتارا ہے۔ (سورۃ الفرقان، آیت ۳۲)

مشائخ نے کہا ہے کہ ثمرات ومقامات میں جو تاخیر وتدریج ہوتی ہے، اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ ثبات ورسوخ حاصل ہوتا جائے۔ جو چیز جلدی آتی ہے، وہ جلدی نکل بھی جاتی ہے۔ سالک کو دیر ہونے سے تنگ نہ ہونا چاہئے، بلکہ صبر کرنا چاہئے۔ علماء کے ہاں تعلیم کا سبقا سبقا ہونا، اور مشائخ کے ہاں افادہ واضافہ میں تدریج اس آیت کی سراپا حکمت کی ماتحتی میں ہے۔ نیت کا مستحکم ہونا، قلب کا تحمل پر قادر ہونا اور ملکہ علمی کا راسخ ہونا سب اسی کے برکات ہیں۔

مرشد تھانوی نے فرمایا ہے کہ جو سلوک میں غیر اختیاری احوال باطنی کا منتظر رہتا ہے، اس کے انتظار کا منشا یہی تکبر ہوتا ہے، گویا وہ اپنے اعمال ومجاہدات کو استحقاق کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

قلبی اعمال کا جسمانی اعمال سے مقدم ہونا

بے شک جو تیرے پروردگار کے قریب ہیں، وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے، اور اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔(القرآن سورۃ انفال ۲۔۶)

مرشد تھانوی نے فرمایا ہے کہ لایستکبرون یعنی تکبر سے بری ہونے کو دوسری طاعیوں پر مقدم رکھنے سے یہ (نتیجہ) نکلتا ہے کہ کبر کا زوال اصلاح کی باقی صورتوں کیلئے بہ منزلہ شرط ہے۔ اور امام رازی نے الفاظ آیت کی ترتیب سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قلبی اعمال جسمانی اعمال پر مقدم ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

مرشد تھانوی نے فرمایا ہے کہ ولاتکن من الغافلین سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ غفلت نہ ہو یعنی فکر ہو اگرچہ اس میں زبان کی حرکت نہ ہو، نہ جلی نہ خفی۔ (تفسیر ماجدی)

جدوجہد کے نتیجہ میں
نور بصیرت کے حاصل ہونے کا وعدہ

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا. (الروم آیت ۶۹)

جو لوگ ہمارے راستے میں جدوجہد کرتے ہیں ہم ان کو ضرور راستہ دکھاتے ہیں۔

یعنی جو لوگ اللہ کے واسطے محنت اٹھاتے اور سختیاں جھیلتے ہیں، اور طرح طرح کے مجاہدات میں سرگرم رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ایک خاص نور بصیرت عطا فرماتا ہے اور اپنے قرب ورضا کی راہیں سجھاتا ہے۔ جوں جوں ریاضات ومجاہدات میں ترقی کرتے ہیں، اسی قدر ان کی معرفت میں درجہ بلند ہوجاتا ہے اور وہ باتیں سوجھنے لگتی ہیں کہ دوسروں کو ان کا احساس تک نہیں ہوتا۔ (تفسیر عثمانی، مولانا شبیر احمد عثمانی)

قرب کی مناسبت سے
نظروں میں وسعت کا پیدا ہونا

عرفان وسلوک کی وسعیں بے انتہا ہیں۔ جس قدر اس کا قرب حاصل ہوگا، اسی تناسب سے نظروں میں وسعت پیدا ہوگی اور معلوم ہوگا کہ ہزار دوہزار پردے درمیاں میں حائل ہیں۔ اور مقامات واحوال کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ان سب پر کسی شخص کا احاطہ ناممکن ہے۔ ہاں، یہ ضرور ہے کہ جدوجہد کرنے والوں کیلئے اللہ کی طرف سے توفیق ہے اور سالک ایک قسم کی اعانت اور شفقت محسوس کرتا ہے، یعنی ہمت اور خلوص شرط ہے۔ (تفسیر سراج البیان، مولانا محمد حنیف ندوی)

نماز میں بُرائیوں کی
روک تھام کی استعداد کا ہونا

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ.

نماز کا بُرائیوں سے روکنا دومعنی میں ہوسکتا ہے۔ ایک بطریق سبب۔ یعنی نماز میں اللہ تعالٰی نے خاصیت وتاثیر یہ رکھی ہے کہ نمازی کو گناہوں سے روک دے۔ جیسے دوا کا استعمال کرنا بخار وغیرہ امراض کو روک دیتا ہے۔ اس صورت میں یاد رکھنا چاہئے کہ دوا کیلئے ضروری نہیں کہ اس کی ایک ہی خوراک بیماری کو روکنے کیلئے کافی ہوجائے۔ بعض دوائیں خاص مقدار میں مدت تک التزام کے ساتھ کھائی جاتی ہے، اس وقت ان کا نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے۔ بشرطیکہ مریض ایسی چیز کا استعمال نہ کرے، جو اس دوا کی خاصیت کے منافی ہو۔ نماز بھی بلاشبہ قوی التاثیر دوا ہے، جو روحانی بیماریوں کو روکتی ہے اور اکیسر کا حکم رکھتی ہے، ہاں، ضرورت اس کی ہے کہ ٹھیک مقدار میں اس احتیاط اور مقدار کے ساتھ جو اطبائے روحانی نے تجویز کیا ہو، خاصی مدت تک اس پر مواظبت کی جائے،اس کے بعد مریض خودمحسوس کریگا کہ نماز کس طرح اس کی پرانی بیماریوں اور برسوں کے روگ کو دور کرتی ہے۔ (سراج البیان، مولانا حنیف ندوی)

قیامت کے دن ہر سینہ کا
اللہ کی محبت سے لبریز ہونا

لایکلمہ اللہ کی دھمکی سے یہ امر صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر کسی کے دل میں محبت الٰہی خوب راسخ ہے۔ اگرچہ سر دست محسوس نہ ہو، قیامت کو جب ساری رکاوٹیں دور ہونگی تو اس کا یعنی محبت کا ظہور کامل ہوگا۔ کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو کفار کو یہ دھمکی ایسی ہوگی کہ کوئی اپنے دشمن کو ناخوشی اور اعراض سے ڈرانے لگے، جو بالکل بے سود ہے۔ محبان جان نثار، اعراض محبوب کو دردجانگداز سمجھتے ہیں نہ اعدا، بس معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ہر سینہ،اللہ کی محبت سے ایسا لبریز ہوگا کہ اللہ کی یہ بے التفاتی عذاب دوزخ سے بھی بدرجہا زیادہ ان کو جانکاہ معلوم ہوگی۔ (تفسیر عثمانی، مولانا شبیر احمد عثمانی)

روحانی واخلاقی مریضوں کے بارے میں
اللہ کی سنت

أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۔ (سورۃ المائدہ آیت ۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں، جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہ چاہا، ان کیلئے دنیا میں بھی ذلت ہے تو آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔

جو لوگ روحانی واخلاقی مریض ہوجائیں، ان کی مثال ایسے مریض کی سمجھو، جو نہ دوئی استعمال کرے اور نہ مہلک اور مضر چیزوں سے پرہیز قائم رکھ سکے۔ اطباء اور ڈاکٹروں کا مذاق اڑائے۔نسخہ پھاڑ کر پھینک دے یا اپنی رائے سے اس کے اجزاء بدل ڈالے۔

ان حالات کی موجودگی میں کوئی ڈاکٹر یا طبیب خود، اس کا باپ ہی کیوں ہو، اگر معالجہ سے دست بردار ہوکر، یہ ارادہ کر لے کہ ایسے مریض کو اب اس کی بے اعتدالیوں اور ضد کا خمیارہ بھگتنے دو تو کیا یہ طبیب کا بے رحمی یا بے اعتنائی کا ثبوت ہوگا یا خود مریض

کی خودکشی سمجھی جائیگی، اگر مریض اس بیماری سے ہلاک ہوگیا تو طبیب کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے کہ اس نے علاج نہ کیا۔ اور تندرست کرنا نہ چاہا۔ بلکہ بیمار خود ملزم ہے کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے کو تباہ کیا۔ اور طبیب کو موقعہ نہ دیا کہ اس کی صحت واپس لانے کی کوشش ہو۔ ٹھیک اسی طرح یہاں فرمایا گیا ہے۔ یعنی اللہ نے ان کی استعداد اور بدکاریوں کی وجہ سے ان پر سے اپنی نظر لطف وعنایت اٹھالی، جس کے بعد ان کے راہ پر آنے اور پاکی قبول کرنے کی توقع نہیں رہی۔

باقی رہی یہ بات کہ ان کی سرکشی کے باوجود اللہ تعالیٰ تو اس بات پر قادر تھا کہ ان کو سرکشی کرنے نہ دیتا اور ان کو مجبور کرتا کہ وہ ضد کرہی نہ سکیں۔ خدا کی قدرت کے سامنے یقیناً یہ چیز کچھ مشکل نہ تھی۔ لیکن اس دنیا کا سارا نظام ہی ایسا رکھا گیا ہے کہ بندوں کو خیر وشر کے قبول کرنے میں مجبور نہ کیا جائے۔ اگر صرف خیر کے اختیار پر سب کو مجبور کر دیا جاتا تو تخلیق عالم کی حکمت ومصلحت پوری نہ ہوتی اور حق تعالیٰ کی بہت سی صفات ایسی رہ جاتی کہ ان کے ظاہر ہونے کی کوئی جگہ نہ ہوتی۔ جیسے عفو، غفور، مالک یوم الدین۔ قائم بالقسط، حالانکہ عالم کے پیدا کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی تمام صفات کمالیہ کا مظاہرہ ہو۔ (تفسیر عثمانی، مولانا شبیر احمد عثمانی)

تخلیق انسانی کی غرض وغایت

یہ مسئلہ ابتدا سے بہت اہم رہا ہے کہ انسانی تخلیق سے مقصود کیا ہے۔ فلسفہ لے کر مذاہب تک نے اس پر یکساں طبع آزمائی کی ہے اور بالآخر دونوں نے اعتراف کیا ہے کہ وہ اس کا کوئی تسلی بخش حل دریافت نہیں کر سکے اور یہ جواب نہیں دے سکے کہ انسان کے پیدا ہونے کا مقصد کیا ہے۔ البتہ قرآن حکیم، اپنی زبان میں کہتا ہے کہ میں سوال کا جواب دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ انسان کو خلعت وجود سے اس لئے نوازا گیا ہے کہ تاکہ وہ اللہ کی عبادت کرے۔ مگر عبادت کا ایسا مفہوم جو اپنے اندر اتنی وسعت رکھتا ہو کہ اسے زندگی کا نصب العین قرار دیا جا سکے، یہ چیز قابل غور ہے۔

جہاں تک قرآنی محاورات کا تعلق ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے عبادت کے لفظ کو صرف مخصوص اور متعین نوع کی حرکات کے لئے استعمال نہیں کیا، بلکہ عبادت کا لفظ اس کے نزدیک اس سے زیادہ وسعت رکھتا ہے، چنانچہ جہاں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ ہم اس معاملہ کو زبور میں لکھ چکے ہیں کہ زمین کی وراثت ہمارے نیک بندوں کے ہاتھ میں رہے گی، وہاں فرمایا ہے کہ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ. (اس واقع میں خدا کے پرستاروں کے لئے خوشخبری کا اعلان ہے) جس کے صاف معنیٰ یہ ہیں کہ عبادت کی حلاوت صرف دلوں تک محدود نہیں، بلکہ یہ حکمرانی کا بھی ذریعہ ہے۔ اور اس کے توسل سے زمین کے خزانے اور اقتدار بھی حاصل ہوتے ہیں، گویا خدا کے بندے وہ ہی نہیں ہیں، جو صرف دہلیز مسجد سے وابستہ ہوں، بلکہ وہ ہیں، جن کے زیرپا تخت سلطنت بھی ہوں اور جہاں سلطان ان کی پاکبازی سے ڈرے، وہاں طاغوتی قوتیں بھی ان کے سامنے دبی رہیں۔ (سراج البیان، صفحہ ۵۱، مولانا محمد حنیف ندوی)

عبادت کی تشریح

اسلامی نقطہ نگاہ سے عبادت تعبیر ہے زندگانی اور روحانی نشاۃ سے، اخلاق کی تعمیر سے اور ظاہر وباطن کی بالیدگی سے، کیونکہ اس کے دو پہلو ہیں، ایک کا تعلق خالق مطلق سے ہے اور دوسرے کا مخلوق سے، عابد وہ ہے، جو ایک طرف اللہ کی مخلوق کے حق میں نہایت شفیق، مہربان اور ہمدرد ہو، دوسری طرف اللہ کے مقابلہ میں نہایت عاجز اور منکسر، اور پھر کسب انوار میں یہ چیز اس کے پیش نظر ہو کہ اس کو تخلقوا باخلاق اللہ پر عمل پیرا ہونا ہے۔ یہی عبادت کی غرض وغایت ہے۔ اور جب وہ اس پیکر حسن وجمال اور کثرت قدرت وکمال کو اپنا مدنظر ٹھہرائے گا اور کوشش کرے گا کہ اپنے میں اس کی تنویرات اور تجلیات کو بقدر ظرف منعکس کرے اور پھر وہ واقعی اس مقصد کو پورا کرے گا، جس کی وجہ سے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ (تفسیر سراج البیان، صفحہ ۱۲۵۲، مولانا محمد حنیف ندوی)

مولانا تھانویؒ کی تفسیر ''بیان القرآن'' سے کچھ تفسیری نکات

(ذیل میں مولانا تھانوی کے تفسیری نکات جو ڈائری میں تحریر تھے، وہ شامل کئے جارہے ہیں، کہیں کہیں مشکل زبان کو آسان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کوشش میں غلطی کا امکان ہوسکتا ہے، اللہ معاف فرمائے۔ مرتب)

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ. (الحجر آیت ۳) (آپ ان کو ان کے حال پر رہنے دیجئے کہ وہ کھالیں اور چین اڑالیں اور خیالی منصوبے انہیں غفلت میں ڈالے رکھیں، ان کو ابھی حقیقت معلوم ہوہی جاتی ہے۔)

اس میں ایسے شخص کی مذمت کی طرف اشارہ ہے، جس کو بڑی فکر شکم پرسی اور شہرت رانی کی رہتی ہے۔ ایسا شخص حرم قرب میں پہنچنے سے محروم رہتا ہے۔

قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ. (یوسف آیت ۹۲) (یوسف نے کہا کہ نہیں آج تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف فرمائے۔)

روح میں شاہ کرمانی سے منقول ہے کہ جو شخص مخلوق کو نظر حق سے دیکھے گا، وہ ان کی مخالفت کی پرواہ نہ کرے گا اور جو شخص ان کو اپنی نظر سے دیکھے گا وہ اپنی عمر، ان کی بحث وتکرار میں ختم کردے گا۔ دیکھئے، یوسف علیہ السلام کو چونکہ مجازی قضا کا علم تھا، اس لئے انہوں نے اپنے بھائیوں کا کس طرح عذر قبول کیا۔

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم. (ابراہیم آیت ۲۲) (شیطان کہے گا۔ میرا تم پر اور تو کچھ زور نہ چلتا تھا، بجز اس کے کہ میں نے تمہیں بلایا تھا، سو تم نے میرا کہنا مان لیا، تو تم مجھ پر ملامت مت کرو، ملامت اپنے آپ کو کرو۔)

محمد ابن حامد نے کہا ہے کہ ہر ملامت کا اصل حقدار نفس ہے، جو شخص نفس پر ملامت نہ کرے اور اس سے ہمیشہ راضی رہے، اس نے اسے ہلاک کیا۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ. (ابراہیم آیت ۳۷) (اے ہمارے رب میں

اپنی اولاد کو آپ کے معظم گھر کے قریب ایک میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں، آباد کرتا ہوں۔)

حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ اپنے خاص مقبولین کے بڑے بڑے امتحان لیتا ہے، تاکہ اسے اپنی ساری مخلوق سے یکسو کر دے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کو یہ حکم کیا کہ اپنی اولاد کو ایسی وادی میں رکھے، جہاں پانی تک نہ ہو، تاکہ خالص اسی پر اعتماد ہو، کیونکہ وہاں اسباب ہی نہ تھے، جن پر نظر ہوتی۔

فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ. (ابراہیم آیت ۳۶) (تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب کو ان کی طرف مائل کردے)۔

ابن عطا نے فرمایا ہے کہ جو شخص مخلوق سے بالکل منقطع ہوجاتا ہے حق تعالیٰ لوگوں کے قلوب کو اس کی طرف متوجہ کردیتا ہے اور اس کی محبت ان کے قلوب میں ڈال دیتا ہے۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ. (الانفال آیت ۵)

آیت اول سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی نفع بصورت ضرر ہوتا ہے اور ثانی سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ضرر بصورت نفع ہوتا ہے اور عارفین اسے ہر وقت اپنے معاملات اور احوال میں مشاہدہ کرتے ہیں۔

اس میں وہ صورت بھی داخل ہوگئی کہ جب ایک سے کوئی گناہ صادر ہوجاتا ہے یا کوئی اطاعت ترک ہوجاتی ہے تو اس سے انوار وبرکات مقصودہ منقطع ہوجاتے ہیں۔ (الانفال ۵۳ آیت کی تشریح)

قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ. (سورۃ الشوریٰ آیت ۲۳)

آپ کہئے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا، سوائے رشتہ داری کے محبت کے، حدیث میں ہے کہ میں تم سے صرف یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے اہل بیت اور اہل قرابت سے محبت کرو، اس میں دلالت ہوتی ہے اس بات پر منجملہ حقوق شیخ کے، اس کے خاندان واقارب سے محبت کرنا بھی ہے۔ جب شیخ سے محبت ہوگی تو عادۃ لازم ہے کہ اس کے اقارب سے بھی ہوگی ترمذی کی حدیث مرفوع اس کی مؤید ہے۔

(صفحہ ۹۳۷)

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَى عِلْمٍ عِندِي. (القصص آیت ۷۸) قارون کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے اسی طرح ثمرات کو اپنی سعی اور مجاہدہ کی طرف منسوب کرنا مذموم ہے۔

جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا. (ابراہیم آیت ۹) ان کے پیغمبر ان کے پاس دلائل لے کر آئے، سو ان قوموں نے اپنے ہاتھ ان پیغمبر کے منہ میں دیدیئے اور کہنے لگے کہ جو حکم دے کر تم کو بھیجا گیا ہے ہم اس منکر ہیں۔

انہوں نے اپنے ہاتھوں کو پیغمبر کے منہ پر رکھدیا، اس کا قصدا ذکر کرنا، حالانکہ اصل مقصود کے لئے قالوا کفرنا کافی تھا، اس کی دلیل ہے کہ سوء ادب کفر کے علاوہ ایک مستقل جرم ہے، اسی واسطے اہل طریق سوء ادب سے سخت ممانعت کرتے ہیں۔ (صفحہ ۵۱۳)

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ. (الحجرہ آیت ۲۹) سو جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح ڈال دوں تو سب اس کو سجدہ کرنا۔ روح کو اپنی طرف اضافت کرنا، اس کا شرف وفضیلت ہے، اس لئے کہ وہ اسرار الٰہیہ میں سے ایک سرخفی ہے، اس لئے کہا گیا ہے۔ **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** (صفحہ ۵۲۶)

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ (ہود آیت ۱۱۲) پس جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے مستقیم رہئے اور وہ لوگ بھی توبہ کرکے آپ کی ہمراہی میں ہیں، حاصل استقامت یہ ہے کہ خلق وحق تعالیٰ کے حقوق کا ادا کرنا اور کثرت کا وحدت میں اور وحدت کا کثرت میں مشاہدہ کرنا۔

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (ہود آیت ۱۱۴) بے شک نیکیاں بُرے کاموں کو مٹا دیتے ہیں۔

یعنی نور اطاعت سے گناہوں کی ظلمات دور ہوجاتی ہیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اطاعت کے ملکہ کے غلبہ سے معصیت کا مادہ مضمحل ہوجائے۔ (صفحہ ۴۷۳)

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ (ہود آیت ۱۲۰) اور پیغمبروں کے قصوں

میں یہ سارے قصے آپ سے بیان کرتے ہیں، جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں۔

اس میں دلیل ہے کہ مقبولیت کے قصص کو قلوب کی تثبیت وتقویت میں خاص اثر داخل ہے، اسی لئے بزرگوں نے اولیاء کی حکایات کو جمع کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے۔

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ میں تو اصلاح چاہتا ہوں، جہاں تک میرے امکان میں ہے اور مجھے جو توفیق ملتی ہے وہ اللہ کی مدد سے ہے۔

اس میں شیخ کے وظائف (ومشاغل) جمع کئے گئے ہیں کہ خلوص کے ساتھ اصلاح کی سعی بھی کرے تو توکل سے بھی کام لے اور نہ توکل کے سبب سعی چھوڑ دے اور نہ ہی فقط سعی پر بھروسہ کرے۔ (صفحہ ۴۶۸)

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ (ہود آیت ۵۹) اور یہ قوم عاد تھی جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کا کہنا نہ مانا۔

ایک رسول کے عصیان کو سارے رسل کا عصیان اس لئے کہا گیا کہ مقصود سب کا واحد ہے اور اس میں اشارہ ہوگیا کہ بعض مقبولین کا انکار ایسا ہی ہے، جیسا سب مقبولین کا، کیونکہ ان سب کا مقصود ایک ہی ہے۔

رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ اے میرے رب میرا بیٹا گھر والوں میں سے ہے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا، اے نوح یہ شخص تمہارے گھر والوں میں نہیں یہ غیر صالح ہے۔

اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ جب شرف نسب کے ساتھ اصلاح نہ ہو تو وہ کالعدم ہے۔

أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ. (العنکبوت آیت ۲) کیا ان لوگوں نے خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے سے چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا۔

اس میں دلالت ہے کہ مجاہدہ، وصول الی المقصود کی شرائط (غاویہ) میں سے

ہے، گو اضراری ہی ہو۔

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ. (فاطر آیت ۸) (تو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔) اس میں طریق سے اعراض کرنے والے پر زیادہ غم کرنے سے ممانعت ہے۔ (صفحہ ۸۸۲)

فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ. (فاطر آیت ۴۲-۴۳) (پھر جب ان کے پاس ایک پیغمبر آ پہنچے تو بس ان کی نفرت ہی کو ترقی ہوئی) دنیا میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے اس میں وہی مذکور ہے جس کو صوفیہ کہا کرتے ہیں کہ اوراد واشغال سے فاسد الاستعداد کا مرض اور بڑھ جاتا ہے کہ وہ اپنے کو بزرگوں میں شمار کرنے لگتا ہے، اس آیت میں اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ اس طرف مشیر ہے۔ (صفحہ ۸۵۸)

فَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ. (یٰس آیت ۷۶) (تو ان لوگوں کی باتیں آپ کے لئے آزردگی کا باعث نہ ہونا چاہئے۔)

اشارہ ہے کہ مخالفین کی باتوں کی پرواہ نہ کرنا چاہے، اللہ تعالیٰ خود مطلع ہے مناسب انتقام لے لیگا۔ (صفحہ ۸۶۹)

فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ. (الصافات آیت ۷۶) (اور ہم نے ان کو اور ان کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی (حضرت نوح کے حوالے سے) اس سے معلوم ہوا کہ طبعی غم، کمال کے منافی نہیں، کیونکہ طبعی بشری تقاضے کامل میں بھی رہتے ہیں اور اس کے خلاف جو منقول ہے، وہ غلبۂ حال ہے۔

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ. (صافات آیت ۱۰۶) (حقیقت میں یہ تھا بھی بڑا امتحان (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے) اس میں دلالت ہے کہ کبھی خواص کا بھی امتحان ہوتا ہے، سو اس کو بُعد کا گمان نہ کرنا چاہئے۔

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ. (الشوریٰ آیت ۲۷) (اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کے لئے روزی فراخ کردیتا تو وہ دنیا میں شرارت کرنے لگتے۔)

اس میں بسط باطنی بھی بعض کے لئے نقصاندہ ہوتا ہے تو اس کے نہ ہونے سے مغموم نہ ہو۔

مَن كَانَ يَظُنُّ أَن لَّن يَنصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ. (الحج آیت ۱۵) (جو شخص یہ گمان کرتا ہو کہ خدا، دنیا و آخرت میں اس کی مدد نہیں کرے گا، اسے چاہئے کہ اوپر کی طرف (یعنی اپنے گھر کی چھت میں) ایک رسی باندھے، اس سے اپنا گلہ گھونٹ لے پھر دیکھے کہ آیا یہ تدبیر اس کے غصہ کو دور کردیتی ہے۔)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ. (التوبہ آیت ۱۳) (اے ایمان والو، اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو رفیق مت بناؤ۔)

اس میں حق تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ تعلق مع اللہ بمقابلہ تعلق مع الخلق کے زیادہ رعایت (واہمیت) کے قابل ہے۔

إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا ثُمَّ أَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ (جب تم کو اپنے مجمع کی کثرت کا غرہ ہوگیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اس کے بعد اللہ نے اپنے رسول پر اور دوسرے مومنین پر اپنی تسلی نازل فرمائی۔)

اس میں دلالت ہے کہ بندہ کو غیر اللہ پر نظر اور عجب نہ کرنا چاہئے اور اس پر بھی دلالت ہے کہ ترک عجب، نزول سکینت کا سبب ہوتا ہے۔ جس کی تقاسیر کا حاصل یہ ہے کہ قلب کا قرار پانا اور راضی رہنا اور احکام قضا اور فناء حظوظ کے ساتھ حق تعالیٰ کی معیت کا مقام ہوجانا۔ (صفحہ ۳۹۳)

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ. مشرک لوگ (نرے ناپاک ہیں، سو یہ لوگ مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں) اسی پر قیاس کر کے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جس شخص میں غیر اللہ کی طرف میلان کی گندگی موجود ہو، وہ حضرت حق کے لائق نہیں اور آیت میں جیسے مشرکین سے میلاپ کی ممانعت ہے، اسی پر قیاس کیا جاتا ہے کہ اہل دنیا اور منکرین صوفیہ کی صحبت سخت مضر ہے۔

قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ. (خدا ان کو غارت کرے یہ کدھر الٹے جارہے ہیں) یہ بددعا ہے ہلاکت کی، اور اس میں دلیل ہے کہ مستحق پر بددعا کرنا حلم وحسن خلق کے منافی نہیں۔

وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَى. اس میں اشارہ ہے کہ یہ لوگ لذت عبودیت سے محروم اور مشاہدہ جمال معبود سے محجوب ہیں۔ محمد بن فضل کا قول ہے کہ جس شخص کو آمر (حکم دینے والے) کی معرفت نہ ہوگی وہ امر کی طرف کسل کے ساتھ اٹھے گا۔ جس شخص کو آمر کی معرفت ہوگی وہ امر کی طرف غنیمت اور راحت سمجھ کر اٹھے گا۔

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ اس میں اہل ایمان کو اس سے تحذیر (بچنے) کی تاکید ہے کہ اہل دنیا کے اموال وزینت کو مستحسن سمجھیں اور اس کے سبب آخرت کے عمل اور اس پر نظر کرنے سے محجوب ہوجائیں۔

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا. اس میں تنبیہ ہے کہ محجوبین، جن چیزوں کو راحت کے لئے جمع کرتے ہیں، ان میں ان کو راحت نہیں، اس کے جمع کرنے اور حفاظت کرنے میں مصیبتیں جھیلتے ہیں، پھر اس میں ان کو ثواب کا اعتقاد اور تعلق مع اللہ بھی نہیں، جس سے ان کی مشقت سہل ہوجائے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ. (اور ان کے لئے بہتر ہوتا، اگر وہ لوگ اس پر راضی رہتے جو کچھ اللہ نے اور ان کے رسول نے دیا تھا) روح میں ہے کہ اس میں صادقین وعارفین ومریدین کے آداب کی تعلیم ہے اور اہل رضا کی علامت ہے کہ جو کچھ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو پیش آئے، اس پر شادان رہے اور بلا سے متلذذ رہے۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ. (النساء، آیت۸۳) اسی طرح دوران سلوک جو اسرار واحوال پیش آتے ہیں، ان کا عوام یا شیخ غیر محقق کے سامنے ظاہر کرنا باطنا مضر ہے اور یہ بھی نظیر ہے مدلول آیت کی۔

وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ. (النساء آیت۱۰۰) (جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہوا کہ اللہ ورسول کی طرف ہجرت کرونگا پھر اس کو موت آجائے تو اس کا ثواب ثابت ہوگیا اللہ کے ذمہ) اس پر دال ہے کہ جو سالک، سلوک طے کرنے سے قبل مرجائے، وہ رتبہ اور قبول میں اسی کے برابر ہے، جس کا سلوک تمام ہوجائے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ عقبہ گھاٹی کو کہتے ہیں۔ اس میں ترغیب ہے مجاہدہ کی، اگرچہ اس میں ایک طرح کی مشقت ہو۔

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اولیاء اللہ سے جو اپنے کمالات کا اظہار منقول ہے، وہ شکرا ہوتا ہے نہ کہ رعاء وافتخار، یہ آیت اس میں صریح ہے۔

الم نشرح قبل وصول، سالک کو تنگی، ثقل اور حیرت ہوتی ہے، جو اس کی کمر کو توڑ ڈالتی ہے۔ وہ وزر میں داخل ہے۔ پھر وصول کے بعد وسعت اور نشاط اور اطمینان نصیب ہوتا ہے، جس میں توجہ الی الخلق، توجہ الی اللہ سے بھی مانع نہیں ہوتی، وہ شرح صدر میں داخل ہے۔ پھر کبھی صلحت ارشاد سے اس کو شہرت عنایت ہوتی ہے، وہ رفع ذکر میں داخل ہے اور عادۃ مجاہدہ کرنے والا ان دونوں سے مشرف ہوتا ہے۔

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا میں اس طرف اشارہ ہے فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ اس میں اشارہ ہے کہ جب شیخ افادہ وارشاد سے فارغ ہوجائے تو خلوت میں اسے فکر ومناجات میں مشغول ہونا چاہئے۔ اپنے کو مجاہدہ سے مستغنی نہ سمجھے۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب اس میں اشارہ ہے تخشع جو روح ہے، سجدہ کی، جو قرب کا اصل مدار ہے۔ اور تخشع کا مدار فنا ہے، پس فنا کا مدار قرب ہونا ثابت ہوا۔

رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ (اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا وہ اللہ سے خوش رہیں گے۔ یہ اس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہے) روح میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے اقصیٰ مراتب آخرت کے کہ رضائے حق حاصل ہونے کے لئے خشیت کی، اور اس کے موقوف علیہ یعنی معرفت کی ضرورت ہے۔

والعصر۔ ابن عباسؓ نے دہر سے تفسیر فرمائی ہے پس اس میں تنبیہ ہے وقت عمر کے نعمت ہونے کی، اور اس پر اہل اللہ خوب متنبہ ہوئے ہیں کہ ایک لحہ ضایع نہیں کرتے، یا کمال حاصل کرتے ہیں، جس کا ذکر آمنوا میں ہے یا تکمیل میں مشغول رہتے ہیں۔ جس کا ذکر تواصوا میں ہے۔

جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ اس میں اشارہ ہے کہ جمع مال وہ مذموم ہے، جو محبت وشفقت

کے ساتھ ہو، جس کے آثار میں بار بار شمار کرنا ہے۔

وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ اس میں اشارہ ہے کہ متصرف حقیقی حق تعالیٰ ہے۔ اسباب مؤثر حقیقی نہیں۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ اِيْلٰفِهِمْ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو امر دینی کے سبب مال وجاہ نصیب ہو، جیسا کہ قریش کو بواسطہ تعلق بیت اللہ کے تھا، جس کا ذکر اس میں ہے، اس کا حق ہے کہ تفاخر ودعوائے استحقاق کے بجائے خدا تعالیٰ کا شکر اور اطاعت کا اہتمام کرے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو مردہ مت خیال مت کرو، بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں۔)

حاصل یہ کہ جن لوگوں کو شہداء کے مارے جانے پر حسرت تھی، ان کو سنایا جاتا ہے کہ تم اس کی تمنا مت کرو کہ وہ دنیا میں رہتے، بلکہ خود وہ شہداء تمہارے بارے میں یہ خوشی منا رہے ہیں کہ اگر تم بھی شہید ہوجاؤ تو تم بھی انہیں کی طرح نعیم سے فائز ہو۔ یہ اس کی نظیر ہے جو اہل جہاد اکبر اور مجوبین میں واقع ہورہا ہے کہ ہر ایک دوسرے کے لئے اپنی حالت پر ہونے کی تمنا کررہا ہے۔ (آل عمران ۱۶۹)

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا (النساء، آیت ۵) (اور تم کم عقلوں کو اپنے وہ مال مت دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔)

اس سے یہ فائدہ مستنبط ہوتا ہے کہ کوئی چیز غیر اہل کے سپرد نہ کی جائے اور اموال پر مناصب (عہدوں) کو بھی قیاس کریں گے اور جملہ مناصب کے طالبین کی تعلیم وتربیت کی خدمت ہے۔ سو کسی کو خلیفہ بنانے میں نہایت احتیاط چاہئے۔ جس طرح اموال کے بارے میں وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى (اور تم یتیموں کو آزمایا کرو) کا جانچ کرنے کا حکم ہے، اسی قیاس پر اس کے منصب کے بارے میں امتحان کرنا ضروری ہوگا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ (النساء ۱۱۳) (اور اگر آپ پر اللہ کا فضل ورحمت نہ ہوتی تو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے تو آپ کو غلطی میں ہی ڈال دینے کا ارادہ کرلیا تھا) باوجود اس کے کہ حضور ﷺ سے کوئی امر موجب

استغفار کا صدور نہیں ہوا، جیسا جملہ ثانیہ اس پر دال ہے، پھر استغفار کا حکم ہونا جملہ اولیٰ اس پر دال ہے، اصل ہے اس قول کی حسنات الابرار سیئات المقربین اور نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواہ کیسا ہی کمال حاصل ہوجائے، مگر تکالیف شرعیہ کسی حال میں ساقط نہیں ہوتیں، اس پر دال ہے کہ کسی کو اپنے علم یا عمل پر اعتماد جائز نہیں۔

کچھ منتخب احادیث

عبادت کے لئے فارغ ہونے سے سینے کو غنا سے بھرنے کی خوشخبری

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم، تو میری عبادت کیلئے فارغ ہوجا تو میرے تیرے سینے کو غنا سے بھر دونگا اور تیری محتاجی کو ختم کردونگا، اگر تو ایسا نہ کریگا تو پھر تیرے دونوں ہاتھوں میں مشاغل (مصروفیات اور تعلقات) سے بھر دونگا اور تیری محتاجی کو اتنا بڑھاؤنگا کہ وہ ختم ہونے کا نام نہ لیگی۔ (ترمذی شریف)

لوگوں کے حوالے کرنے کی تنبیہ

حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو لوگ اللہ کی رضا کے طالب ہوں اور اس سلسلہ میں لوگوں کی ناراضگی کی پرواہ نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی پوری مدد فرماتا ہے۔ ان کو لوگوں کی ناراضگی سے نقصان پہنچنے نہیں دیتا۔ جو لوگ اللہ کو ناراض کرکے لوگوں کی خوشنودی چاہتے ہیں تو اللہ، ان سے اپنی مدد کا ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور ان کو لوگوں کے حوالہ کردیتا ہے۔ جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی نصرت سے بھی محروم ہوجاتے ہیں۔ اور جن کی خوشنودی کیلئے اللہ کو ناراض کیا تھا ان کی مدد بھی نہیں ملتی۔ (ترمذی شریف)

دنیا کو نصب العین بنانے سے
لوگوں کے اطمینان کا سلب ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا کو نصب العین بنائیگا اللہ اس کے دل کا اطمینان وسکون چھین لیگا اور وہ ہر وقت مال جمع کرنے کی حرص واحتیاج میں مبتلا رہیگا۔ لیکن اسے دنیا کا اتنا ہی حصہ ملیگا، جتنا اس کے مقدر میں ہوگا اور جن لوگوں کا نصب العین آخرت ہوگی اللہ تعالٰی ان کو قلبی سکون عطا فرمائیگا اور ان کے قلب کو مال کی حرص سے محفوظ رکھیگا اور دنیا کا جتنا حصہ اس کے مقدر میں ہوگا، وہ ان کو ضرور ملیگا۔

کثرت ذکر کا حکم

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کیا کرو۔ ذکر کی مثال ایسی ہے جیسے کسی آدمی کے دشمن اس کا پیچھا کررہے ہوں۔ یہاں تک کہ اس آدمی نے بھاگ کر ایک مضبوط قلعہ میں پناہ لیلی ہو۔ اور دشمنوں کی زد سے بچ گیا ہو، اس طرح بندہ شیطان سے نجات نہیں حاصل کرسکتا، مگر ذکر کے سہارے۔ (ترمذی شریف)

آخری دور کے فتنوں کی نشاندہی
اور ان سے بچنے کی تاکید

فتنہ سویا ہوا ہے، جو اس کو جگائے، اس پر لعنت ہے۔ (کنزالاعمال)

ایسے فتنے، اختلافات اور افتراق ہوگا کہ اگر تم اس بات پر قدرت رکھو کہ تم قاتل بننے کی بجائے مقتول بن سکو تو بن جاؤ۔ (مستدرک حاکم)

تم فتنوں سے بچو کہ اس میں زبان کا اثر ایسا ہوتا ہے جیسے تلوار کا۔ (ابن ماجہ)

قیامت کے قریب قتل وقتال کا زمانہ ہوگا، جس میں کفار سے قتال نہ ہوگا، بلکہ امت آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرے گی، یہاں تک کہ ایک آدمی سے اس کا بھائی ملے گا اور وہ اس کو قتل کردے گا، اس زمانہ کے لوگوں کی عقلیں سلب کرلی

جائیں گی اور اس کے بعد ایسے کم عقل لوگ پیدا ہوں گے، جو اپنے آپ کو یہ سمجھیں گے کہ وہ بہت کچھ ہیں، حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں ہوں گے۔ (مسند احمد)

لوگوں کے اوپر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ انہیں اس بات کی کوئی فکر لاحق نہ ہوگی کہ ان کے پاس مال حلال طریقے سے آیا ہے یا حرام طریقے سے۔ (نسائی)

ایسا زمانہ آئے گا کہ اس میں آدمی اپنی بکری سے زیادہ ذلیل ہوجائے گا۔ (کنز الاعمال)

قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک دنیا کا سب سے نیک بخت شخص رذیل ابن رذیل نہ ہوجائے گا۔ (ترمذی شریف کتاب الفتن)

جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو آپ سے دریافت کیا گیا کہ امانت کا ضیاع کس طرح ہوگا؟ آپ نے جواب دیا کہ کسی نااہل کو معاملات سونپ دیئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ (بخاری شریف)

تمہارے بعد ایک صبر کا زمانہ ہے، جس میں صبر پر ڈٹے رہنا، یہ ایسا ہے جیسا تم (صحابہ کرام) میں سے پچاس شہداء کا ثواب حاصل کرنا۔ (طبرانی)

میں تمہارے بارے میں چھ چیزوں سے ڈرتا ہوں، ایک بیوقوفوں کو امیر بنانا، دوم انسانی خون بہانا، سوم عدالتی فیصلے کی خریدوفروخت، چہارم قطع رحمی کرنا۔ پنجم ایک نسل کا قرآن کو گانا بنانا، ششم سپاہیوں کا زیادہ ہونا۔ (کنز الاعمال)

زمانہ قریب قریب ہوگا (یعنی وقت تیزی سے گذرتا جائے گا) علم قبض کرلیا جائے گا۔ اور فتنے نمودار ہوں گے اور بخل پیدا ہوجائے گا اور ہرج بڑھ جائے گا۔ دریافت کیا گیا کہ ہرج کیا ہے، فرمایا قتل۔ (مشکواۃ شریف)

فتنہ کے زمانہ میں عبادت کرنے کا ثواب اتنا ہے جتنا میری طرف ہجرت کرنے کا۔ (رواہ مسلم)

میں اپنی امت میں گمراہ قائدین سے ڈرتا ہوں، جب تلوار میری امت پر رکھی جائے گی تو قیامت کے روز تک نہ اٹھائی جائے گی۔ (ابو داؤد ومشکواۃ)

قیامت سے پہلے فتنے تاریک رات کی طرح ہوں گے کہ آدمی صبح کو مومن ہوگا تو شام کو کافر ہوگا اور صبح کو کافر ہوگا، بیٹھا ہوا شخص ایسے میں کھڑے ہوئے سے

بہتر ہوگا اور چلتا ہوا دوڑتے ہوئے سے بہتر ہوگا۔ پس اس وقت تم اپنی تختی سخت کرو اور اپنی کمانوں کی تانتیں کاٹ ڈالو، اور اپنی تلواروں کو پتھر پردے مارو، پس تم میں سے جس نے بھی یہ کام کیا، وہ بنی آدم میں بہترین شخص ہوگا۔ (ابو داؤد مشکواۃ)

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اپنے دین پر صبر کرنا ایسا ہوگا، جیسے انگاروں کو ہاتھ میں لینا۔ (ترمذی شریف)

جواہر حکمت ومعرفت

سلامتی کے حصول کی راہیں

حضرت امام باقر: سلامتی کا حصول بڑا دشوار ہے، اس کی راہیں بھی مخفی ہیں، اگر سلامتی مل سکتی ہے تو گمنامی میں، اگر اس میں بھی نہ ملے تو خلوت میں اور خلوت گمنامی کی طرح نہیں، اور اگر اس میں بھی نہ ملے تو خاموشی میں اور خاموشی خلوت کی طرح نہیں اور سلامتی خاموشی میں نصیب نہ آئے تو بزرگوں اور نیک بندوں کے کلام میں ملیگی، نیک بخت وہ ہے، جسے اپنی ذات میں خلوت حاصل ہوجائے۔ (۲۰۲)

امام جعفر نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ جسے نعمت عطا فرمائے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ضروری ہے، اور جسے روزی کی تنگی ہو، اسے چاہئے کہ استغفار پڑھے اور جو کسی کام کی وجہ سے رنجیدہ وفکرمند ہو، اسے چاہئے کہ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** کا ورد کرے۔ (صفحہ۲۰۳)

معرفت سے بلاؤں پر صبر کی
توفیق کا عطا ہونا

ایک بزرگ کا قول: ترک نفس ہی وصال حق ہے اور وصال نفس ہی ترک حق ہے، ہجر آتش وصل جنت ہے، رب تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کو معرفت بخشی ہے، جسے معرفت کا جتنا حصہ ملا، اسی حساب سے بلاؤں پر صبر کی قوت عطا ہوئی۔

امام زین العابدین کے
بیان کردہ کچھ قیمتی نکات

حضرت امام زین العابدین فرمایا کرتے، فخر کرنے والے پر مجھے تعجب ہے، ابھی کل تک تو وہ ایک ناپاک نطفہ تھا، اور کل پھر ایک مردار لاش بن جائیگا اور اس سے زیادہ حیرت مجھے اس شخص پر ہے، جو فانی گھر کیلئے عمل کرتا ہے اور دارالبقا کے کام چھوڑ دیتا ہے۔

چارقسم کے آدمیوں
سے بچنے کی تلقین

امام باقر نے فرمایا، میرے والد امام زین العابدین نے مجھے چار قسم کے آدمیوں سے بچنے کی وصیت کی : فرمایا، نہ ان کے پاس بیٹھنا، نہ اس سے دوستی رکھنا اور نہ ان کے ہمراہ سفر کرنا۔

(۱) بدکار وفاسق، کیونکہ وہ تمہیں ایک لقمہ سے بھی کم میں بیچ دیگا، (۲) جھوٹا، کیونکہ وہ فریب نظر (سراب) کی طرح ہے، قریب کو دور کردیگا اور دور کو قریب بنادیگا (۳) احمق، جو تجھے فائدہ پہنچانا چاہیگا، مگر اپنی بے وقوفی سے تجھے نقصان پہنچا دیگا۔ کہا جاتا ہے کہ عقلمند دشمن بے وقوف دوست سے بہتر ہے (۴) قاطع رحم۔ رشتہ داروں سے تعلقات توڑنے والا۔ اسے اللہ نے قرآن مجید میں تین مقامات پر ملعون قرار دیا ہے۔

فنا اور اس کی مختلف منزلیں

(حضرت جنید بغدادی کی نظر میں)

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں: خدا بندے پر بندے کی حیثیت سے موت وارد کرکے پھر اپنی ذات میں دوبارہ اسے زندہ کردے یہی فنا ہے۔

موت وارد کرنے کے معنی۔

فنا کی تین منزلیں ہیں: پہلی منزل یہ ہے کہ سالک اپنی ذاتی اور نفسانی خواہشات کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور سچے مسلم کی حیثیت سے اللہ کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔ اس کیلئے اسے مسلسل مجاہدہ کرنا پڑتا ہے، تاکہ وہ زاہدانہ زندگی بسر کرسکے، فنا کی یہ منزل سالک کی اخلاقی اور ظاہری زندگی سے متعلق ہے۔

فنا کی دوسری منزل یہ ہے کہ سالک، لذات حسی سے بالکل کنارہ کش ہوجائے، بلکہ لذات جسمانی کی خواہش کو بھی فنا کردے، تاکہ وہ خالص اللہ کیلئے ہوجائے اور غیر سے کوئی تعلق باقی نہ رہے۔

فنا کی تیسری منزل یہ ہے کہ یہ شعور بھی فنا ہوجائے کہ مجھے خدا کی حضوری

حاصل ہے۔ اس حالت کے بعد بندہ صرف اللہ کیلئے زندگی بسر کرتا ہے۔ اس منزل میں سالک کی شخصیت خدا میں گم ہوجاتی ہے، خدا کی حضوری میں اپنا ظاہری وجود بھی فنا ہوجاتا ہے۔ اگرچہ وہ بظاہر لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے، مگر وہ عملاً خدا میں اور خدا کیلئے زندہ رہتا ہے اور اس کی کوئی انفرادی ہستی باقی نہیں رہتی۔ اللہ میں فنا ہوکر وہ ابدی زندگی سے ہمکنار ہوجاتا ہے۔

فنا کی آخری منزل میں سالک باقی باللہ کے مقام پر فائز ہوجاتا ہے۔

فنا کا مطلب یہ ہے کہ جب سالک اپنی صفات کو فنا کر دیتا ہے اور خدا کی صفات سے متصف ہوجاتا ہے تو وہ اپنی مرضی کے بجائے اللہ کی مرضی پر چلتا ہے۔ اور اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کردیتا ہے، موحد وہ ہے جو اپنی نفسی خواہشات کو بالکل خدا کی مرضی کے تابع کردے۔

عوام وخواص کے علم میں فرق

حضرت جنیدؒ، علم اور معرفت میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ لیکن وہ تسلیم کرتے ہیں کہ عوام وخواص کے علم باری تعالیٰ میں مدارج کا فرق ہے۔ اللہ کے متعلق عوام کا علم ادنیٰ درجہ کا ہے۔ خواص کا علم اعلیٰ درجہ کا۔ علماء کہتے ہیں عقل کے ذریعہ اللہ کا علم حاصل ہوسکتا ہے، صوفیہ کہتے ہیں یہ علم ناقص ہوتا ہے۔

صحیح علم یعنی معرفت، عقل کے ذریعہ سے نہیں، بلکہ قلب کے ذریعہ حاصل ہوسکتا ہے۔ جنیدؒ کی رائے میں علم حاصل کرنے کا ذریعہ عقل ہی ہے۔ لیکن عقول میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ اس لئے جو زیادہ عاقل ہے، وہ زیادہ عالم ہے۔

اللہ کے متعلق بندوں کا علم دوطرح کا ہے۔

پہلا علم استدلال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، دوسرا وجدان کے وسیلے۔

پہلی منزل میں سالک عقل کے ذریعہ سے علم حاصل کرتا ہے اور اعلیٰ سطح پر وجدان سے اس کی مزید تائید ہوجاتی ہے۔

لیکن جب وہ توحید کے مقام پر پہنچتا ہے تو اس کی شخصیت پر فنا طاری ہوجاتی ہے اور اس مقام پر عقل کا گذر نہیں ہوسکتا۔ عقل بے چاری سالک کی اس حالت کا

ادراک نہیں کر سکتی، جو اسے فنا فی اللہ ہوجانے سے حاصل ہوتی ہے۔ واضح ہو کہ غریق بحر وحدت ہو کر، سالک کی قلب ماہیت ہوجاتی ہے، جس طرح آگ میں پڑ کر لوہا بھی آگ ہوجاتا ہے۔ (تاریخ تصوف، صفحہ۴۲۴، تصنیف یوسف سلیم چشتی)

قول الست کی حلاوت کا روح میں رچ بس جانا

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سے سماع کے بارے میں سوالات کئے گئے۔

سوال: حضور کیا بات ہے کہ آدمی نہایت اطمینان وسکون سے ہوتا ہے، پھر جب سماع سنتا ہے تو بیقرار ہوجاتا ہے۔

جواب: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارواح کو مخاطب کرتے وقت الست بربکم کہا، میں تمہارا رب نہیں ہوں، ارشاد فرمایا تھا، جس کے جواب میں روحوں نے بلیٰ کہا تھا، اللہ تعالیٰ کے اس قول الست کی حلاوت ارواح میں رچ بس گئی، جب سماع سنتے ہیں، تو وہی حلاوت تازہ ہو کر بےچین وبیقرار کردیتی ہے۔

حضرت شیخ ابو اسحاق ابراہیم خواص رضی اللہ سے پوچھا گیا، کیا وجہ ہے کہ لوگوں کو قرآن مجید سن کر وجد نہیں آتا، اور قرآن کے علاوہ کلام سن کر وجد آجاتا ہے فرمایا: قرآن عظیم ہیبت کا کلام ہے، جس کی وجہ سے حرکت نہیں ہوتی، اور دوسرے کلام میں نشاط ولذت موجود ہے اور غلبہ ومغلوبیت نہیں ہے۔ یہی چیز وجد کا سبب ہے۔

حضرت ذالنون مصری فرماتے ہیں، سچا وجد دل کو ہلا دیتا ہے، سماع اگر کوئی حق کیلئے سنے تو صاحب حقیقت ہوجاتا ہے، اور اگر فسق کی خاطر سنے تو زندیق ہوجاتا ہے۔

(واضح ہو کہ جن بزرگوں کے ہاں سماع کی گنجائش موجود رہی ہے، وہ مشروط ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی نظر میں سماع چار شرطوں کے ساتھ مشروط ہے (۱) سننے والا اہل دل ہو، ہوس کا بندہ نہ ہو (۲) سننے والے سارے مرد ہوں، عورتیں اور نوعمر لڑکے نہ ہوں (۳) سماع کا مضمون یاوہ گوئی پر مشتمل نہ ہو (۴) سماع میں مزامیر کا استعمال نہ ہو۔

ان شرائط سے ہٹ کر مجلس سماع میں شرکت، طالبوں کے دلوں کو مکدر کرسکتی

ہے۔

موجودہ دور میں سماع کی اکثر مجلیس محبوب حقیقی کے ساتھ جذبات محبت کو فروغ دینے کی بجائے شہوانی جذبات کو فروغ دینے کا ذریعہ بنتی ہیں، اس طرح وہ گمراہی کا ذریعہ بن جاتی ہیں، عالمی کفر اور اس کی مقامی ہمنوا قوتیں اسی سماع کی قوت اور اس کے آلات کو استعمال کرکے نوجوان نسل کے جنسی جذبات کو مشتعل کرتے ہیں۔ اس طرح انہیں جنسی انارکی کی راہ پر گامزن کرکے دین ومذہب کی تعلیمات سے دور کرتی ہیں۔ مرتب)

تعلیمات غزالیؒ

(اسی نام سے مولانا محمد حنیف ندوی کی کتاب کے اقتباسات)

علم اور اس کے متعلقات

حدیث: جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ان علوم کا وارث ٹھہراتا ہے جن کو وہ نہیں جانتا۔

خواہشات کو ترجیح دینے سے ملنے والی سزا

حضرت داؤد علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کے معاملہ کو جو علماء کے ساتھ ہے، یوں حکایۃً بیان کرتے ہیں۔ ایک عالم جب میری محبت پر اپنی خواہشات کو ترجیح دیتا ہے تو میں اسے کم از کم اس کی یہ سزا دیتا ہوں کہ اس کو مناجات کی لذت سے محروم کر دیتا ہوں۔ اے داؤد، اس عالم کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کر، جس کو دنیا کی محبت نے مست کر رکھا ہے۔ وہ تم کو بھی میری محبت کی راہ سے روکے گا۔ ایسے لوگ میرے بندوں کے حق میں قطاع الطریق ہیں۔

پانچ صفات کے حامل عالم کی صحبت کی تاکید

حدیث: ہر عالم کے پاس نہ بیٹھو، سوا اس عالم کے، جو پانچ برائیوں سے ہٹ کر پانچ نیکیوں کی طرف رجوع ہونے کی طرف دعوت دے۔ جو شک سے یقین کی

طرف لے جائے۔ ریا سے اخلاص کی طرف لوٹے، رغبت دنیا کو چھوڑ کر، زہد کی طرف متوجہ ہو۔ کبر سے تواضع کی جانب پلٹے۔ اور عداوت سے منہ موڑ کر، تواضع کی طرف اپنا رخ پھیرے۔

محض الفاظ کے علم پر اکتفا کرنے کی سزا

عبادت اور ذکر وفکر سے علم وحکمت کے سوتے قلب سے پھوٹتے ہیں، اس طریق سے حقیقی علم حاصل ہوتا ہے، ورنہ کتنے ہی طالب ایسے ہیں، کہ ان کی عمریں اس دشت کی بادیہ پیمائی میں گذری ہیں اور سوا، الفاظ کی ظاہری سطح کو چھونے کے، ان کے علم نے اور کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔

علماء کے دل کا زمین شور
کی طرح ہونے کی پیشگوئی

عبداللہ بن مسعود کا قول ہے۔ لوگوں پر ایک دور ایسا بھی آیگا کہ اس دن نہ تو عالم اپنے علم سے فائدہ اٹھایگا اور نہ ہی متعلم، علماء کے دل زمینِ شور کی طرح ہوجائینگے کہ ان پر بارش ہوتی رہتی ہے، لیکن وہ مناسب زمین نہیں پاتی۔ یہ دور اس وقت آیگا، جب علماء کے دل حب دنیا کی طرف مائل ہوجائینگے۔ اور یہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے لگیں گے ۔ اس وقت اللہ تعالی دلوں کو حکمت کے سرچشموں سے محروم کردے گا۔ اور ہدایت کے چراغوں کو بجھادیگا۔ اس زمانہ میں زبانیں کتنی شاداب اور تروتازہ ہونگی اور دل کس درجہ خشک اور مردہ ہوں گی؟

علم سے محروم عالم کی مثال

عبداللہ بن مسعود کا مزید کہنا ہے: قرآن اس لئے اترا تھا، تاکہ اس پر عمل کیا جائے، مگر تم نے اس کے پڑھنے پڑھانے ہی کو عمل تصور کر لیا ہے۔ ایک دور ایسا آیگا، جب کہ لوگ قرآن کی تحسین ہی کو اپنا مشغلہ ٹھہرائینگے اور یہ تم میں اچھے اور بہتر نہیں۔ ایسا عالم جو عمل نہیں کرتا، ایسے مریض کی طرح ہے، جو دوا کی تعریف کرتا ہے اور ایسے بھوکے کی طرح ہے جو لذیذ کھانوں کو سراہتا ہے، مگر دوا اور کھانا اسے میسر نہیں۔

حدیث: امت میں بہترین لوگ وہ ہیں، جو دن کو تو اللہ کی رحمتوں پر کھلے بندوں اظہار مسرت کرتے ہیں اور راتوں کو اس کے خوف سے ڈرا کرتے ہیں۔ ان کے قالب جسمانی اگرچہ دنیا میں ہیں، لیکن ان کے دل آسمان پر ہیں۔ اسی طرح ان کی روحیں دنیا میں ہیں، لیکن ان کی عقل آخرت سے لگاؤ رکھتی ہے۔ ان کی چال میں سکینت ہوتی ہے۔

اس مضمون کو حق تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے، بندہ نوافل کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو چاہنے لگتا ہوں۔ تو پھر میں اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے۔

علمائے سوء کی مثال، نہر کے دھانے پر پتھر کی سی ہونا

حضرت مسیح کا قول ہے: علماء سوء اس پتھر کی طرح ہیں، جو عین نہر کے دہانہ پر گر پڑا ہو ، جو نہ تو خود پانی پیئے اور نہ ہی اس کو کھیت کی طرف آگے بڑھنے دے۔ علماء سوء باغ کی اس نالی کی طرح ہیں کہ جس کا ظاہر صاف ستھرا ہو ، اور اس کی تہہ میں بدبو اور عفونت ہو۔

حضرت حسن کا کہنا ہے: تمہیں ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ تم میں علماء کا علم اور حکماء کی پُراز دانش باتیں تو جمع ہوجائیں، لیکن عمل وہی جہلا کا ہو ۔

حدیث: آدمی اس وقت تک عالم نہیں ہوتا، جب تک اپنے علم پر عمل پیرا نہ ہو۔

علم کی دو قسمیں: ایک وہ علم ہے، جو صرف زبان تک محدود ہے، یہ تو خلق اللہ پر بمنزلہ دلیل وحجت کے ہے، دوسرا دل سے لگاء رکھتا ہے، یہی علم نافع ہے۔ جس نے علم میں ترقی کی، لیکن ہدایت میں ترقی نہیں کی، یہ گویا اللہ تعالیٰ سے دور ہوگیا۔

حضرت عمرؓ کا قول ہے، مجھے سب سے زیادہ ڈر جو اس امت کے بارے میں ہے، وہ پڑھے لکھے منافق سے ہے، کہا گیا پڑھا لکھا منافق کیونکر ہو سکتا ہے، فرمایا پڑھا لکھا تو زبان کے اعتبار سے ہے، قلب اور عمل کے اعتبار سے وہ منافق ہو۔

علمائے ظاہر کا قلبی احوال کو چھوڑ دینے کی روش

علماء ظاہر احوال قلب کو چھوڑ دیتے ہیں اور ان سے تعرض کرنا مناسب نہیں سمجھتے، جن سے کہ صبح وشام انہیں واسطہ پڑتا ہے اور جو ان کے تقرب کا باعث ہو سکتے ہیں۔ یہ ان مسائل وتحقیقات میں لگے رہتے ہیں، جن کا تعلق دوسروں سے ہے۔ سو ان لوگوں کی بدقسمتی کا کیا ٹھکانہ ہے، جو ان مسائل کے بدلے جو ذاتی طور پر ان کے لئے مفید ہیں، ایسے مسائل کو خریدتے ہیں، جن کا ان کی ذات سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

جو شخص علم اور اعمال کو چھوڑ کر، علم الجدال کی طرف ملتفت ہوتا ہے، اس کی مثال ایسے مریض کی سی ہے، جس کو مختلف ومتعدد امراض نے گھیر لیا ہو اور حسن اتفاق سے اس کو ایسا طبیب مل جائے، جو اس کے جملہ امراض کو دور کرسکتا ہو، مرض کی پیچیدگی اور نزاکت کا یہ عالم ہو کہ اگر فوراً علاج شروع نہ کیا جائے تو بیماری کے اور بڑھنے کا اندیشہ لاحق ہو۔ لیکن یہ بے وقوف بجائے اس کے کہ بلاتاخیر دوا اور پرہیز شروع کردے، اس طبیب سے دواؤں کی خصوصیات پر بحث کرنے لگے اور غرائب طب کا کھوج لگانے لگے۔ اس کی بے وقوفی کا کیا ٹھکانہ ہے۔

قلب کا سرچشمہ معرفت ونور ہونا

اگر یہ حقیقت اپنی جگہ صحیح ہوتی کہ قلب بھی سرچشمہ معرفت ونور ہے تو مندرجہ ذیل حدیث میں آنحضرتﷺ، ظواہر میں دل کو حکم ٹھہرانے کی تلقین نہ فرماتے۔ آپ کا ارشاد ہے، اپنے دل سے فتویٰ طلب کیا کرو، اگرچہ وہ اس کے خلاف فتویٰ دیں۔

راہ محبت

اس کے تقاضے اور ثمرات

(حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ)

حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانیؒ چوتھی صدی ہجری کے ممتاز بزرگ ہیں۔ ایران کے علاقہ بسطام میں پیدا ہوئے۔ اللہ نے علم وحکمت کے

ممتاز مقام پر فائز فرمایا تھا، ان کے حالات زندگی اور ملفوظات کو محترم محمد نظیر رانجھا صاحب نے مرتب کیا ہے اور ''تذکرہ شیخ ابو الحسن خرقانیؒ'' کے نام سے کتابی صورت دی ہے۔ ان کے ملفوظات میں طالبوں کے استفادہ کے لئے بہت سا قیمتی مواد موجود ہے، بلکہ ملفوظات کے مطالعہ سے طالبوں کا دل محبوب حقیقی کی محبت کے لئے مچلنے لگتا ہے، اور راہ سلوک کے ان کے سفر کو تیز کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ مذکورہ کتاب سے کچھ ملفوظات پیش کئے جاتے ہیں۔ ان ملفوظات میں ذیلی سرخیاں ہماری لگائی ہوئی ہیں اور بعض ملفوظات کی توضیح وتشریح بھی کی گئی ہے۔ مرتب)

خانقاہ کے دروازہ پر لکھا ہوا نکتہ

''جو شخص بھی اس سرا میں آئے، اسے روٹی دو، اور اس کے ایمان کے بارے میں مت پوچھو، کیونکہ اللہ نے جسے بھی جان عنایت فرمائی ہے، وہ ابوالحسن کے دسترخوان پر کھانے کے لائق ہے۔'' (صفحہ ۳۶)

سارے عالم کا دکھ میرا دکھ ہونا

''اگر ترکستان سے لے کر شام تک کسی انسان کی اُنگلی میں کانٹا چبھ جائے تو اس کا درد مجھے ہوتا ہے۔ اسی طرح ترکستان سے لے کر شام تک کسی انسان کے پاؤں پر پتھر لگے تو اس کا زخم مجھے لگتا ہے اور اگر کسی دل میں بھی کوئی دکھ موجود ہو تو وہ دُکھی دل میرا (ہوتا) ہے۔'' (صفحہ ۳۶)

انسانی خدمت کی اہمیت

خدمت خلق کے سوا کرامت کوئی چیز نہیں۔ جیسا کہ دو بھائی تھے، ان کی والدہ ضعیف تھی۔ ان دو میں سے ایک ہمیشہ دن رات ماں کی خدمت میں لگا رہتا اور دوسرا عبادت میں مشغول رہتا۔ کئی برس تک دونوں بھائی یونہی عمل پیرا رہے۔ ایک

رات عابد بھائی کو سجدہ کے دوران نیند آ گئی۔ اس نے خواب میں آواز سنی کہ ہم نے تیرے بھائی کی بخشش کردی ہے اور تجھے بھی اس کی بدولت بخش دیا ہے۔ عابد نے عرض کیا کہ اے اللہ! میں کئی سالوں سے تیری عبادت میں مشغول ہوں اور وہ ماں کی خدمت میں لگا ہے۔ تیرے کرم سے یہ بعید لگتا ہے کہ تو اُسے مجھ پر فوقیت بخشے۔ آواز آئی کہ تو نے جو کچھ کیا ہے، میں اس سے بے نیاز ہوں اور جو کچھ تیرے بھائی نے کیا ہے، ماں کو اس کی ضرورت تھی۔'' (صفحہ۳۷)

(واضح ہو کہ خدمت کی توفیق کا حاصل ہونا، بڑی سعادت کی بات ہے، تاہم خدمت میں اخلاص، ذکر وعبادت سے ہی آتا ہے، راہ سلوک کا آخری مقام خدمت ہوتا ہے یعنی صوفی جب قرب الٰہی اور اخلاص کے بلند مقام پر فائز ہوتا ہے تو اس کے بعد اس کی بیشتر ترقی بندوں کی خدمت وتربیت کے کاموں سے ہی ہوتی ہے۔ مرتب)

مخلوق سے محبت

آپ نے فرمایا: ''کاش تمام مخلوق کی بجائے صرف مجھے موت آجاتی اور تمام مخلوق کا حساب قیامت میں صرف مجھ سے لیا جاتا اور جو لوگ سزا کے مستحق ہوتے، ان کے بدلے میں صرف مجھے عذاب دیا جاتا۔ (صفحہ۳۸)

(اللہ کے بہت بڑے ولی کی دل سے یہ بات نکلنا،ہمیں حوصلہ دلاتی ہے کہ ان شاء اللہ، اللہ کے ہاں بندوں کے ساتھ فضل خاص کا معاملہ ہوگا، بالخصوص کلمہ گو افراد کی بخشش تو یقینی ہی ہے۔ اگرچہ گناہوں کی وجہ سے کچھ عتاب ہو۔ مرتب)

اللہ کے اسرار کو بیان
نہ کرنے کے باب میں

فرمایا، میں خاص بندوں سے اللہ تعالیٰ کی مخصوص باتیں اس لیے بیان نہیں کرتا کہ وہ اس کے رموز سے واقف نہیں اور اپنی ذات سے اس لیے بیان نہیں کرتا کہ تکبر پیدا ہونے کا خطرہ ہے اور خدا نے میری زبان کو وہ طاقت بھی عطا نہیں کی

جس کے ذریعہ میں اس کے بھیدوں کو ظاہر کرسکوں۔ (صفحہ۷۲)

(اس ملفوظ میں اللہ کے رازوں اور کشف وغیرہ کو چھپانے کی جو تاکید فرمائی گئی ہے، لگ بھگ سارے اکابر بزرگوں کی یہی تاکید ہے، لیکن موجودہ دور میں عام طور پر کشف وغیرہ ہی کو بزرگی کا اصل معیار سمجھا گیا ہے اور بزرگ صاحبان خود بھی اور ان کے مرید بھی اپنی کشفی صلاحیتوں کی تشہیر میں مصروف رہتے ہیں۔ مرتب)

اللہ کے محبوب بننے کی سعادت اور اس کا اجر

فرمایا، ہر عبادت کا ثواب معین ہے، لیکن اولیائے کرام کی عبادت کا ثواب نہ مقرر ہے نہ ظاہر، بلکہ خدا اجتنا اجر دینا چاہے گا، دے دے گا، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس عبادت کا اجر خدا کی دیں پر موقوف ہے، اس کے برابر کون سی عبادت ہوسکتی ہے، لہٰذا بندوں کو چاہیے کہ خدا کے محبوب بن کر، ہر وقت اس کی عبادت میں مشغول رہیں۔ (صفحہ۷۳)

(اللہ کے دوستوں کے بے حدوحساب ثواب کی بات ہمیں ذکر وفکر کی ریاضتوں کے سلسلہ میں متحرک کرنے کے لئے مہمیز کا کام دے سکتی ہے۔ اللہ کے دوستوں کی زندگیوں کا ہدف ایک ہی ہوتا ہے، اور وہ ہمہ وقت محبوب حقیقی کو راضی کرنے کا ہدف ہوتا ہے، اس مقصد کی خاطر پہلے وہ نفس کو مہذب بنانے کے لئے عرصہ تک ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدے کرتے ہیں۔ دنیا واہل دنیا اور لوگوں سے بے نیازی اور کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں، آخر میں وہ لوگوں کی خدمت اور ان کی تربیت کے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ زندگی کے قیمتی لمحات ضایع ہرگز نہیں کرتے۔ مرتب)

غم والم اور فقر ونیاز پر عطائے الٰہی

فرمایا، اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القاء فرمایا ہے کہ اگر تو غم والم لے کر میرے سامنے آئے گا تو میں تجھے خوش کردوں گا اور اگر فقر ونیاز کے ساتھ حاضر ہوگا تو تجھے مالدار بنادوں گا اور اگر تو خودی سے کنارہ کش ہو کر پہنچے گا تو تیرے نفس

کو تیرا فرمانبردار کردوں گا۔ (صفحہ۷۳)

(یہ تینوں چیزیں تصوف کا حاصل ہیں۔ غیرمعمولی مجاہدوں کے نتیجہ میں یہ تینوں سعادتیں حاصل ہوتی ہیں۔ کاش، ہمیں بھی اس کا کچھ حاصل ہوجائے۔ مرتب)

دوسروں پر بھروسہ کرنے سے اخلاص
کا پیدا نہ ہونا

فرمایا جب تک میں نے خدا کے سوا دوسروں پر بھروسہ کیا، میرے عمل میں اخلاص پیدا نہ ہوسکا اور جب میں نے مخلوق کو خیرباد کہہ کر، صرف خدا کی جانب دیکھا تو میری سعی کے بغیر ہی اخلاص پیدا ہوگیا اور اس کی بے نیازی کے مشاہدے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ اس کے نزدیک پوری مخلوق کا علم دانے کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتا اور اس کی رحمت کے مشاہدے سے معلوم ہوا کہ اتنا بڑا رحیم ہے کہ پوری مخلوق کے گناہ بھی اس کی رحمت کے آگے ہیچ ہیں۔ (صفحہ۷۶)

دنیا طلب کرنے والوں
پر دنیا کا حکمراں بن جانا

فرمایا، دنیا طلب کرنے والوں پر دنیا حکمران بن جاتی ہے اور تارک الدنیا دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ (صفحہ۸۷)

(اہل اللہ، دنیا واہل دنیا سے دور ہوتے ہیں، اس لئے کہ ان کے دل دنیا سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ مرتب)

فنا کی حیثیت

فرمایا، مخلوق کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دنیا سے عقبیٰ کے لائق کوئی چیز ساتھ لے جائیں لیکن فنائیت کے سوا عقبیٰ کے قابل کوئی شے نہیں۔ (صفحہ۸۹)

(فنائیت کا مطلب نفس کی صحیح وسالم صورت میں آنا، محبوب حقیقی کی مرضی کے علاوہ ساری خواہشوں کو پامال کرنا اور نفس کو اللہ ورسول کی مرضیات کے تابع بنانا

ہے۔ فنا کا یہ مقام بڑے مجاہدوں کے بعد حاصل ہوتا ہے، دوسرے الفاظ میں فنائیت، نفس سے آخری حد تک دستبردار ہوکر اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کے سپرد کرنے کا مقام ہے، جو غیرمعمولی مجاہدوں سے اہل اللہ کو عطا ہوتا ہے۔ مرتب)

کم از کم ذکر، علم، یقین اور زہد
کی صورت کا ہونا

فرمایا، بندوں کو کم از کم اتنا ذکر الٰہی ضرور کرنا چاہیے کہ تمام شرعی احکام کی مکمل تکمیل ہوتی رہے اور اتنا علم بہت کافی ہے کہ اوامرونواہی سے کماحقہ واقفیت حاصل ہوجائے اور اتنا یقین بہت کافی ہے، جس سے یہ علم ہوسکے کہ جتنا رزق مقدر ہوچکا ہے وہ ضرور مل کر رہے گا اور اتنا زہد بہت کافی ہے کہ اپنے مقرر کردہ رزق پر اکتفا کرتے ہوئے زیادہ کی تمنا باقی نہ رہے۔ (صفحہ۸۹)

نور یقین کے ذریعہ اس تک رسائی حاصل کرنا

فرمایا، اگر تم ارض وسما اور خدا کی ذات کے ذریعے خدا کو جاننا چاہوگے جب بھی نہیں پہچان سکتے۔ البتہ نور یقین کے ساتھ اگر اس کو جاننا چاہوگے تو اس کی رسائی حاصل کر لے گے۔ (صفحہ۸۹)

نور کی بینائی کا عطا ہونا

فرمایا، خدا تعالیٰ صوفیا کے قلوب کو نور کی بینائی عطا فرماتا ہے اور ان کی بینائی میں اس وقت تک اضافہ ہوتا جاتا ہے، جب تک وہ بینائی مکمل ذات الٰہی (کے مشاہدہ کی مظہر) نہیں بن جاتی۔ (صفحہ۹۲)

فنا فی اللہ والوں کے درجات

فرمایا، روزمحشر جب حضور اکرم ﷺ، مخلوق کے معائنہ کے لیے جنت میں تشریف لے جائیں گے تو ایک جماعت کو دیکھ کر باری تعالیٰ سے سوال کریں گے کہ یہ لوگ کون ہیں اور یہاں کیسے پہنچ گئے؟ کیونکہ اللہ کریم فنا فی اللہ ہونے

والی جماعت کو ایسی راہوں سے جنت میں پہنچائے گا کہ ان کو کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ (صفحہ ۹۲)

کرامت کے حامل صوفیاء کی کم ہمتی

فرمایا، اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لیے ایک ہزار منزلیں ہیں، جن میں سے سب سے پہلی منزل کرامت ہے اور کم ہمت افراد اس منزل سے آگے نہیں بڑھ سکتے اور اگلی منزل سے محروم رہ جاتے ہیں۔ (صفحہ ۹۲)

(کرامت اور کشف کی ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ انعام الٰہی ہے، لیکن جب فرد اسی کو مقصود اور ریاضتوں کا حاصل سمجھنے لگے تو یہ چیزیں بڑی آزمائش بن جاتی ہیں۔ مرتب)

اللہ کو پانے والے کا مقام

فرمایا، خدا کو پالینے والا خود باقی نہیں رہتا، لیکن وہ کبھی فنا بھی نہیں ہوتا۔ (صفحہ ۹۳)

مردہ قلوب

فرمایا، مردہ ہیں وہ قلوب جن میں خدا کے سوا کسی اور کی محبت جاگزیں ہو، خواہ وہ کتنے ہی عبادت گزار کیوں نہ ہو۔ (صفحہ ۹۳)

تین چیزوں کی حفاظت
کا مشکل ہونا

فرمایا، تین چیزوں کا تحفظ بہت دشوار ہے۔ اول مخلوق سے خدا کے رازوں کی حفاظت کرنا دوم مخلوق کی برائی سے زبان کی حفاظت ہونا سوم پاکیزگیٔ عمل کی حفاظت ہونا۔ (صفحہ ۹۳)

(ان تین چیزوں کا تحفظ فی الواقع سب سے زیادہ مشکل کام ہے، اکابر اہل اللہ، جو اپنی بیشتر توانائیاں اللہ کی عبادت وذکروفکر میں صرف کرکے نفس کو بڑی حد تک مفلوج کر چکے ہوتے ہیں، ان کے علاوہ دوسروں سے ان تین چیزوں کی

حفاظت ہوسکے، مشکل ہے۔ حالانکہ اسلامی نقطہ نگاہ سے ان تین چیزوں کی بنیادی اہمیت ہے۔ اسلام کی سلامتی میں بھی ایک حد تک ان چیزوں کو عمل دخل حاصل ہے۔ مرتب)

نیک لوگوں کو نفس سے شکایت کا ہونا

فرمایا، خدا اور بندے کے مابین سب سے بڑا حجاب نفس ہے اور جس قدر نیک لوگ گزر گئے ہیں، ان سب کو نفس سے شکایت رہی۔ (صفحہ ۹۳)

(نفس کی سب کی خطرناک ''خصوصیت'' یہ ہے کہ وہ ہرکام میں اللہ کے ساتھ اپنا حصہ بھی رکھنا چاہتا ہے، وہ نیت میں مسلسل بگاڑ پیدا کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے اور عبادت وذکر وفکر میں سستی وکاہلی کا مظاہرہ کرتا رہتا ہے۔ مرتب)

اہل دنیا کی نگاہوں سے بھاگنا

فرمایا، اگر تم اہل دنیا کی نگاہوں سے ایک ہزار میل دور بھاگنا چاہوگے تو یہ بھی بہت بڑی عبادت ہے اور اس میں بہت مفاد مضمر ہیں۔ (صفحہ ۹۴)

(اہل دنیا سے دور ہونے کی تاکید اس لئے کی گئی ہے کہ ان کی صحبت سے قلب میں ان کے اثرات آنا شروع ہوجاتے ہیں۔ اور پھر بزرگی کے نام پر دنیا آنے لگتی ہے۔ مرتب)

لوگ

فرمایا، ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرو، جو آتش محبت سے خاکستر ہو چکے ہوں اور بحرِ غم میں غرق ہوں۔ (صفحہ ۹۹)

(آتش عشق میں خاکستر شخصیتیں اس دور میں نایاب ہوگئی ہیں۔ بزرگی کے نام پر پیری مریدی کے سلسلہ کو جاری رکھنے والے شخصیتیں عام ہیں۔ تاہم تلاش کرنے سے ایسی شخصیتیں مل سکتی ہیں، اگر وہ مل جائیں تو ساری دولت نچھاور کرکے بھی ان کی صحبت ومعیت اختیار کرنا سستا سودا ہے۔ مرتب)

ذکر وعبادت کے ذریعہ اخلاص کا پیدا ہونا

فرمایا، سکوت اس طرح اختیار کرو کہ سوائے اللہ اللہ کے اور کچھ اندر سے نہ نکلے اور قلب میں سوائے فکر الٰہی کے اور کوئی فکر باقی نہ رہے اور تمام امور دنیاوی سے کنارہ کش ہو کر، اپنے اعضاء کو خدا کی جانب متوجہ رکھو، کہ تمہارا ہر معاملہ مبنی براخلاص ہو اور اس کی عبادت کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ (صفحہ۱۰۰)

(دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے بے نیاز ہونے کی استعداد کا حاصل ہونا، یہ اہل اللہ کی صحبت ہی کا خاصا ہے۔ مرتب)

فنا کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی زندگی

فرمایا، جب تم راہ خدا میں اپنی ہستی کو فنا کرلوگے، تب تمہیں ایسی ہستی مل جائے گی جو فنا ہونے والی نہیں۔ (صفحہ۱۰۱)

دوستوں کے لئے کرم کا ہونا

فرمایا، اللہ تعالیٰ اپنا کرم اپنے دوستوں کے لیے محفوظ رکھتا ہے اور امن وراحت اپنے گناہگار بندوں کے لیے وقف کردیتا ہے۔ (صفحہ۱۰۱)

اللہ سے وصال

کے نتیجہ میں سارے مصائب کو بھول جانا

فرمایا، خدا کی دوستی اس لیے ضروری ہے کہ جب مسافر اس مقام پر پہنچتا ہے، جہاں اس کا دوست موجود ہو تو وہ راہ کی تمام تکلیف بھول جاتا ہے اور اس کے قلب کو تقویت پہنچتی ہے۔ لہٰذا جب تم قیامت میں اس طرح مسافر بن کر پہنچو گے جہاں خدا تعالیٰ تمہارا دوست ہوگا، تو تمہیں مسرت حاصل ہوگی۔ (صفحہ۱۰۲)

اپنی زندگی کو

امور خداوندی میں صرف نہ کرنے کی سزا

فرمایا، جو لوگ مخلوق کے ساتھ شفقت سے پیش نہیں آتے، ان کے

قلوب میں مخلوق کی دوستی کی گنجائش باقی نہ رہتی اور جو لوگ اپنی زندگی کو امور خداوندی میں صرف نہیں کرتے، ان کی آسانی کے ساتھ پل صراط سے گزر نہیں ہوسکتی۔ (صفحہ۱۰۲)

مومن کے لئے مخلوق کی ہر چیز

کا دام وحجاب ہونا

فرمایا، کہ مخلوق کی ہرچیز مومن کے لیے ایک حجاب ہے اور نہ جانے مومن اس دام وحجاب میں کب پھنس جائے۔ (صفحہ۱۰۲)

حقیقی صوفی کی علامت

فرمایا، آدمی نان جویں کھانے اور ٹاٹ کا لباس پہن لینے سے ہی صوفی نہیں بن جاتا، کیونکہ صوفی بننے کا دارومدار اگر اس پر موقوف ہوتا تو تمام اُون والے اور جو کھانے والے جانور صوفی بن جایا کرتے، بلکہ صوفی وہ ہے، جس کے قلب میں صداقت اور عمل میں اخلاص ہو۔ (صفحہ۱۰۳)

(حقیقی صوفی بننا بہت دشوار گذار کام ہے، اس کے لئے ساری توانائیاں صرف کرنی پڑتی ہیں۔ دنیا کے اپنے حصے سے دستبردار ہونا پڑتا ہے، پیر بننے کی آرزوں کو بھی دل سے نکالنا پڑتا ہے، دوسروں سے خدمت لینے کی بجائے ان کی خدمت کرنے کی نفسیات کو پختہ کرنا پڑتا ہے۔ مرتب)

مرید کرنے کی خواہش کا نہ ہونا

فرمایا مرید کرنے کی خواہش نہیں، کیونکہ میں مرشد ہونے کا دعویدار نہیں، بلکہ میں تو ہر وقت اللہ کافی کہا کرتا ہوں۔ (صفحہ۱۰۳)

(آج کل معمولی مجاہدوں کے بعد پیر بن کر مرید بنانے کی روش غالب ہے حالانکہ درویشی کی لائین اپنے آپ کو مکمل طور پر فنا کرنے کی لائین ہے، اگر فرد کی اپنی اصلاح ہوجائے اور وہ زمانہ کے فتنوں سے بچ جائے تو یہ سب سے بڑی

کامیابی ہے۔ مرتب)

اللہ تعالیٰ کو ناراض
کرنے کی داغ حسرت کا ہونا

فرمایا، کہ اگر تم نے عمر میں ایک مرتبہ بھی خدا تعالیٰ کو آزردہ کیا ہو تو زندگی بھر اس سے معذرت چاہتے رہو، کیونکہ اگر وہ اپنی طرف سے معاف بھی کردے، جب بھی تمہارے قلب سے یہ داغ حسرت محو نہ ہونا چاہیے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کو آزردہ کیا ہے۔ (صفحہ۱۰۴)

(واضح ہو کہ یہ نکتہ منتہی صوفی کے لئے ہے، البتہ مبتدی ومتوسط سالک اگر گناہوں کو یاد کرتا رہے گا تو وہ جلد ہی یاس کا شکار ہوجائے گا اور شیطان اسے ماضی میں ہونے والے گناہوں کے استحضار کے ذریعہ راہ محبت سے دور کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے مبتدی ومتوسط طالب کو اللہ کی رحمت کو ہمہ وقت پیش نظر رکھنا چاہئے۔ مرتب)

آشیانہ سے نکل کر
آشیانے کو بھول جانا

فرمایا کہ افسوس ہے اس پرندے پر جو اپنے آشیانے سے دانے کی جستجو میں نکل کر آشیانے کا راستہ بھول جائے اور ہرسمت، بھٹکتا پھرے۔ (صفحہ۱۰۴)

(یعنی انسان کی اصل شخصیت جو روح سے عبارت ہے، جو اللہ کی طرف سے آئی ہے، جس کا اصل آشیانہ اللہ کی عبادت وذکر وفکر ہے، دنیا میں آکر یہ انسانی شخصیت دانہ پانی کی تلاش میں اتنی مستغرق ہوگئی کہ اپنی اصل غذا، (روح کی غذا کو) بھول گئی، اس سے بڑھکر انسان کی محرومی اور بدقسمتی اور کیا ہوسکتی ہے۔ مرتب)

حقیقی غریب کی علامت

فرمایا، حقیقت میں غریب وہی ہے، جس کا زمانے میں کوئی ہم نوا نہ ہو، لیکن

میں خود کو غریب اس لیے نہیں کہہ سکتا کہ نہ تو میں دنیا اور اہل دنیا کے موافق ہوں اور نہ دنیا میرے موافق ہے۔ (صفحہ۱۰۴)

اللہ کے بندوں کو
تین مراتب کا حاصل ہونا

فرمایا، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تین مراتب عطا فرماتا ہے: اول یہ کہ بندہ دیدار الٰہی سے مشرف ہوکر اللہ اللہ کہتا رہے، دوم بندہ عالم وجد میں اللہ کو پکارتا پھرے، سوم، بندہ اللہ کی زبان بن کر اللہ اللہ کہے۔ (صفحہ۱۰۵)

چار چیزوں کے بدلے میں
اللہ سے چار چیزیں طلب کرنا

فرمایا، بندہ چار چیزوں کے ساتھ خدا سے پیش آتا ہے: اول جسمانی طور پر، دوم قلبی طور پر، سوم زبان کے ذریعے، چہارم مال کے لحاظ سے، لیکن اگر بندہ صرف جسمانی طور پر خدا کی اطاعت اور زبان سے اس کا ذکر کرتا رہے تو اس کے لیے بے سود ہوگا۔ کیونکہ قلب کو اس کے سپرد کرنا اور مال کو اس کی راہ میں خرچ کرنا بہت ضروری ہے اور جب ان چار چیزوں کو اس کی راہ میں صرف کرے تو یہ چار چیزیں خدا سے طلب کرے: محبت، ہیبت، خدا کے ساتھ زندگانی گزارنا اور اس کے راستہ میں یگانگت وموافقت۔ (صفحہ۱۰۵)

(جب مجاہدوں کے ذریعہ کے ابتدائی چار چیزوں سے دستبرداری کی صورت پیدا ہوگی تو انشاء اللہ آخری چار چیزیں اس کے نتیجہ کے طور پر محبوب کی طرف سے ازخود حاصل ہوتی جائیں گی۔ مرتب)

محبوب کی آتش عشق سے
حضوری کا حاصل ہونا

فرمایا، جس آدمی کا قلب شوق آتش الٰہی سے جل جاتا ہے، اس کو محبت اٹھا کرلے جاتی ہے اور اس سے ارض وسما کو لبریز کردیتی ہے۔ لہٰذا اگر تم یہ چاہتے ہو

کہ دیکھنے سننے اور چکھنے والے بن جاؤ تو وہاں حاضر رہو، لیکن وہاں حضوری کے لیے تجرد اور بلند حوصلگی کی ضرورت ہے۔ (صفحہ۱۰۶)

(یہ وہ مقامات ہیں، جہاں اکابر اہل اللہ ہی پہنچ سکتے ہیں، ہم جیسے لوگوں کے لئے اتنی محبت کافی ہے، جس سے نفس کی تہذیب ہو سکے۔ مرتب)

قربت مع اللہ کے بغیر
نفس، قلب اور روح پر قابو کا نہ ہونا

فرمایا، جس کی زندگی خدا کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتی، وہ اپنے نفس اور قلب وروح پر قدرت نہیں رکھ سکتا۔ (صفحہ۱۰۷)

(یعنی ذکر وفکر کے مجاہدوں کے ذریعہ قربت مع اللہ کے بغیر نفس، دل وروح نہ تابع ہو سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں قرار مل سکتا ہے۔ مرتب)

ایک ہزار تمناؤں کی قربانی

فرمایا، دنیا میں ایک ہزار تمناؤں کو قربان کر دینے کے بعد آخرت میں صرف ایک تمنا پوری ہوتی ہے۔ ایک ہزار تلخ گھونٹ زہر پی لینے کے بعد شربت کا ایک گھونٹ نصیب ہوتا ہے۔ (صفحہ۱۰۸)

قلب کی اقسام

فرمایا، قلب بھی تین طرح کے ہوتے ہیں: اول قلب فانی، جو فقر کا مسکن ہے، دوم قلب طالب نعمت، جو امارت کی آمجگاہ ہے اور سوم قلب باقی، جو اللہ تعالی کی قیام گاہ ہے۔ (صفحہ۱۰۹)

عبادت کی حقیقت

فرمایا، عبادت گزار تو بہت سے ہیں، لیکن عبادت کو دنیا سے ساتھ لے جانے والے بہت قلیل ہیں اور ان سے بھی قلیل وہ ہیں، جو عبادت کر کے خدا کے حوالے کر دیتے ہیں، لیکن شجاعت یہ ہے کہ آدمی موت کے وقت دنیاوی عبادت کو اپنے

ہمراہ لے جائے۔ (صفحہ۱۰۹)

عشق میں مخلوق کا گذر نہ ہونا

فرمایا، بحر عشق میں مخلوق کا گزر نہیں اور ایسی درآمد وبرآمد بھی ہے، جس میں بندے کے علم وکمال کا گزر نہیں۔ (صفحہ۱۰۹)

فقر کی نشانی وعلامت

لوگوں نے پوچھا کہ فقر کی کیا علامت ہے؟ فرمایا کہ قلب پر ایسا رنگ چڑھ جائے، جس پر دوسرا کوئی رنگ نہ چڑھ سکے۔ (صفحہ۱۱۰)

اللہ کی معرفت کے لئے دلائل کا بے سود ہونا

فرمایا، وہ لوگ ناعاقبت اندیش ہیں، جو خدا کو دلیل کے ذریعہ شناخت کرنا چاہتے ہیں، جب کہ اس کو صرف اسی کے کرم سے بے دلیل پہنچانے کی ضرورت ہے، کیونکہ اس کی معرفت کے لیے تمام دلائل بے سود ہیں۔ (صفحہ۱۱۰)

دنیا میں گریہ وزاری کرتے رہنا

فرمایا، دنیا میں غم وآلام برداشت کرتے رہو، ممکن ہے کہ اس کے صلہ میں آخرت کی کامیابی حاصل ہو جائے اور دنیا میں گریہ وزاری کرتے رہو کہ آخرت میں مسکرا سکو اور وہاں تمہیں مخاطب کر کے فرمایا جائے کہ چونکہ تم دنیا میں روتے رہے، اس لیے آج تمہیں دائمی مسرت عطا کی جاتی ہے۔ (صفحہ۱۱۱)

(اہل اللہ کے حالات کے مطالعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ محبوب حقیقی کے سامنے اکثر گریہ زاری کرتے رہتے ہیں، اپنے گناہوں پر روتے رہتے ہیں اور سارے مجاہدوں کے باوجود وہ لرزاں وترساں رہتے ہیں۔ مرتب)

محبت کے سمندر کے پانی
سے تشنگی کا نہ ہونا

فرمایا، محبت کی انتہا یہ ہے کہ اگر کائنات کے تمام سمندروں کا پانی بھی محبت

کرنے والے کے حق میں انڈیل دیا جائے، جب بھی اس کی تشنگی رفع نہ ہو سکے اور مزید کی خواہش باقی رہے اور خدا سے منقطع ہو کر، اپنی کرامات پر تکبر نہ کرے۔ (صفحہ۱۱)

(محبوب کے ساتھ محبت کی دنیا ایسی ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس میں کسی بھی مرحلہ پر آ کر سیری نہیں ہوتی، البتہ قلب کو کچھ نہ کچھ تسکین ضرور حاصل ہوتی ہے۔ مرتب)

محبوب کے غم کے علاوہ
سارے غموں کا بے وقعت ہونا

ایک مرتبہ لوگوں نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ کو موت سے ڈر نہیں لگتا؟ فرمایا، مردے موت سے ڈرا نہیں کرتے، کیونکہ اللہ کی ہر وہ وعید جو بندوں کے لیے فرمائی گئی ہے، میرے غم کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور ہر وہ وعدہ جو مخلوق سے آسائش و آرام کا کیا گیا ہے، میری امید کے مقابلے میں بے حقیقت ہے اور اگر تم سے یہ سوال کیا جائے کہ ابوالحسن سے جو فیض تمہیں حاصل ہوا ہے اس کے صلہ میں کیا چاہتے ہو؟ تو تم کیا صلہ طلب کرو گے؟ اس پر ہر فرد نے اپنی خواہشات کے مطابق جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ سے یہ سوال کیا جائے کہ تم محبت مخلوق کے صلہ میں کیا معاوضہ چاہتے ہو؟ تو جواب دوں گا کہ میں ان سب کو چاہتا ہوں۔ (صفحہ۱۱۲)

(طالب، جب محبوب کے قرب کے مقامات طے کرتا ہے تو وہ سب سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اس طرح طالب کی محبوب سے حسن ظن اور خوش گمانی اعلیٰ درجہ تک ہو جاتی ہے، یہ خوش گمانی کیوں نہ ہو، جب کہ محبوب کا اپنا کہنا ہے کہ میں بندہ سے اس کے حسن ظن کے مطابق معاملہ کرتا ہوں، اس ملفوظ کو اس پس منظر میں دیکھنا چاہئے، ملفوظ کے آخری نکتہ سے اہل اللہ کی اپنے مریدوں سے والہانہ محبت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ محبوب کے بعد اس کے چاہنے والوں کو اپنے دل کی گہرائیوں میں جگہ دیتے ہیں، اگرچہ بظاہر مریدوں کو اس کا ادراک نہ ہو سکے۔ لیکن حقیقت

یہی ہے کہ روحانی استاد کے دل میں اپنے مریدوں کی اپنے اولاد سے بھی زیادہ محبت قائم ہوتی ہے۔ مرتب)

ہمہ اوقات اللہ کی معیت میں رہنے کا انعام

فرمایا، میں نے پچاس سال اس طرح گذارے ہیں اور خدا کے ساتھ اس اخلاص سے رہا ہوں، جس میں مخلوق کا کوئی خیال ودھیان نہ تھا اور نماز عشاء سے لے کر صبح تک حالت قیام میں رہا ہوں اور صبح سے شام تک عبادت میں مشغول رہتا تھا۔ اس عرصہ میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھا۔ جب کہیں اس کے صلہ میں یہ مراتب حاصل ہوئے کہ ظاہر طور پر میں دنیا میں ہوتے ہوئے فردوس وجہنم کی سیر کرتا ہوں اور دونوں عالم میرے لیے ایک ہو چکے ہیں۔ اس لیے کہ ہمہ اوقات میں خدا کی معیت میں رہتا ہوں۔ (صفحہ۱۱۲)

(بزرگوں کے ان مجاہدوں کو دیکھکر، اپنی حالت پر غور کرتے ہیں تو ندامتِ احساس اور اپنی زندگی کو ضایع کرنے کے اذیت کا پہلو غالب ہونے لگتا ہے۔ مرتب)

محبت الٰہی کے مراحل

فرمایا پہلا راستہ نیاز کا ہے، اس کے بعد خلوت، اس کے بعد دیدار اور اس کے بعد بیداری ہے۔ (۱۱۳)

(محبت الٰہی کا پہلا مرحلہ سچی طلب کے ذریعہ عاجزی اختیار کرنا ہے۔ یہ عاجزی وانکساری ہی فرد کو اپنے آپ کو اہل اللہ کے سامنے سپرد کرنے کا ذریعہ بنے گی۔ اس کے بعد ذکر وفکر کے لئے خلوت کی ضرورت لاحق ہوگی، بعد ازاں انوار الٰہی کے مشاہدہ کے ذریعہ نفس کی تہذیب ہوگی اور روح، نفسی قوتوں پر غالب آئے گی۔ انوار کی تجلیات سے فرد کی فنائیت کا عمل تیز سے تیز تر ہوگا۔ آخر میں طالب کو حالت بقا حاصل ہوگی، جسے حالت بیداری اور حالت صحو بھی کہتے ہیں۔ مرتب)

مخالفت نفس کی حالت

فرمایا، چالیس سال سے میرا نفس ایک گھونٹ سرد پانی کا خواہشمند ہے، لیکن

میں نے اسے محروم کر رکھا ہے، نیز فرمایا کہ میں نے ستر سال خدا کی معیت میں اس طرح گزارے کہ اس دوران ایک لحہ کے لیے بھی اتباع نفس نہیں کی۔ (صفحہ۱۱۴)

(نفس کے ساتھ مزاحمت کی یہ قوت خاص الخاص شخصیتوں ہی کو عطا ہوتی ہے، اس کے بعد نفس لطیف صورت اختیار کرتا ہے اور روح کی پرواز کی راہ میں نفس کی رکاوٹ مکمل طور پر ختم ہوجاتی ہے، ایسی شخصیتوں کو اسی دنیا میں غیبی حقائق کے مشاہدے حاصل ہوجاتے ہیں اور محبوب کی شان کے مشاہدے سے ان کی زبان گنگ ہوجاتی ہے اور وہ سراپا عجز کا مجسمہ بن جاتے ہیں۔ مرتب)

بندہ کی اصلی حقیقت

فرمایا، ایک بار میں نے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں عرض کیا کہ مجھے میرا اصل روپ دکھا دے۔ میں نے دیکھا کہ میں ٹاٹ کے لباس میں ملبوس ہوں اور جب میں نے غور سے دیکھا اور دیکھنے کے بعد پوچھا کہ میرا اصلی روپ یہی ہے؟ تو فرمایا گیا، ہاں تیری اصلی ہیئت یہی ہے۔ پھر جب میں نے عرض کیا، میری ارادت ومحبت اور خشوع وخضوع کہاں چلے گئے؟ تو فرمایا گیا کہ وہ سب کچھ ہمارا تھا، تیری اصلی حقیقت تو یہی ہے۔ (صفحہ۱۱۵)

صوفی کی صفت وخصوصیت

لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ صوفی کون ہے؟ آپ نے فرمایا، صوفی وہ نہیں، جس کے پاس گدڑی اور جانماز ہو اور جو صوفیوں جیسی عادات اور رسوم رکھتا ہو، بلکہ صوفی وہ ہے جسے مقام فنا نصیب ہو۔ وہ صوفی اس دن بنتا ہے، جب اسے سورج کی حاجت نہ رہے اور اس رات بنتا ہے، جب اسے چاند اور تاروں کی محتاجی نہ ہو اور وہ ایسا فنا ہوتا ہے کہ اسے ہستی کی ضرورت نہیں رہتی۔ (صفحہ۱۱۵)

(یعنی صوفی کی علامت یہ ہے کہ جب دنیا کے حوالے سے اس کی خواہشات ختم ہوجائیں، بشری نوعیت کی فطری خواہشات تو ختم نہیں ہوسکتی، لیکن دنیا بنانے اور لوگوں میں مقام کی چاہت کے حوالے سے اس کے جذبات فنا ہوجائیں۔ مرتب)

سب سے روشن دل اور بہتر ساتھی

فرمایا، دلوں میں سب سے روشن دل وہ ہے، جس میں مخلوق نہ ہو اور کاموں میں سب سے اچھا کام وہ ہے، جس میں مخلوق کا ڈر نہ ہو اور نعمتوں میں سے سب سے حلال نعمت وہ ہے، جو تیری کوشش اور محنت سے حاصل ہو اور ساتھیوں میں سب سے اچھا ساتھی وہ ہے جس کی زندگی اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق بسر ہو۔ (صفحہ۱۱۶)

تین چیزوں کی انتہا نہیں

فرمایا، مجھے ان تین چیزوں کی انتہا معلوم نہیں ہو سکی، رحمت عالمﷺ کے درجات، نفس کے مکر (وفریب) اور معرفت (الٰہی) کی۔ (صفحہ۱۱۷)

(یہ ملفوظ ایسا ہے، جس کی تشریح مبتدی طالبوں کے لئے مفید ثابت ہوگی، اس مختصر سے ملفوظ میں جو عظیم نکات بیان کئے گئے ہیں، اسے اگر دریا کو کوزے میں بند کرنا کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

جہاں تک رسول اللہﷺ کے درجات وکمالات کا تعلق ہے تو اسے بیان کرنا کسی فرد کے بس کی بات ہی نہیں۔ جس ہستی کو کائنات میں نور اور خیر کی تقسیم کا منبع بنایا گیا ہو، جس ہستی نے ان آنکھوں سے اللہ کی زیارت کی ہو، جس ہستی پر قرآن جیسی مقدس ترین کتاب کا نزول ہوا ہو، جو ہستی رہتی دنیا تک انسانیت کی تہذیب اور اسے انسانی آداب اور عبدیت کے فرائض بجا لانے کا سلیقہ سکھانے کا موجب بنی ہو، جس ہستی کے لئے روز قیامت اللہ کے عرش کے دائیں طرف کرسی بچھائی جائے گی۔ اس ہستی کے کمالات کس طرح بیان ہو سکتے ہیں۔

دوسرا نکتہ نفس کے بے حد وحساب مکر وفریب کا ہے، نفس کے بارے میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں نفس ہی وہ قوت ہے، جس سے سارے عالم میں فساد برپا ہے۔ ایک فرد، نفس کو اللہ ورسول کے تابع کرنے اور اسے انسانیت کے آداب سکھانے کے لئے جب مجاہدے شروع کرتا ہے تو وہ یہ دیکھکر حیرت زدہ ہوجاتا ہے

کہ اسے آئے دن نفس کے نئے نئے طوفانوں سے واسطہ پڑتا ہے، ایک طوفان سے بمشکل نکل جاتا ہے تو معاً بعد اس سے بڑے دوسرے طوفان سے معرکہ آرائی کرنی پڑتی ہے، طالب، نفس کے ساتھ طویل عرصہ تک ذکر وفکر اور محبت کے تدریجی مراحل کے ذریعے مقابلہ آرائی میں مصروف رہ کر، جب وہ حالت بقا میں آتا ہے تو اس کی زندگی کی توانائیاں جواب دے جاتی ہیں۔ اس کے بعد کہیں جاکر وہ نفس مطمئنہ کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ نفس مطمئنہ کا یہ مقام ایسا ہے، جو جان توڑ جدوجہد کا متقاضی ہے۔ اس کے بعد بھی اگرچہ نفسی قوتوں کی طرف سے وسوسوں وخطرات کے ذریعہ طالب کے خالص ایمان میں آویزش پیدا کرنے، اس کے اخلاص کو متاثر کرنے اور عمل صالحہ میں سستی وغفلت پیدا کرنے کی کاوش ہوتی ہے، تاہم طالب کے زندگی بھر کے مجاہدوں کے نتیجہ میں طالب کے ساتھ اللہ کا فضل شامل ہوجاتا ہے اور وہ جلد ہی متوجہ ہوکر، ذکروفکر سے نفس کے ان وسوسوں کو مغلوب کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

حالت فنا سے حالت بقا میں آنے کے بعد بھی طالب کو نفس کی طرف سے چوکنا ہونا پڑتا ہے، اس لئے کہ جو محبوب حقیقی کے جتنا زیادہ قریب ہوتا ہے، محبوب اس کی محبت میں دوسروں کی محبت کی معمولی آویزش بھی دیکھنے کا روادار نہیں ہوتا، اور اس کی اطاعت کے مقابلہ میں دوسروں کی اطاعت کے میلان کو بھی پسند نہیں کرتا۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ جان توڑ مجاہدے کرنے والا طالب اپنے آپ کو مکمل طور پر محبوب حقیقی کے حوالے کردیتا ہے، اس سے ہمہ وقت اس کا فضل مانگتا رہتا ہے اور اس کی بارگاہ میں ہمہ وقت عاجزی، فروتنی اور نفئ ذات کے ساتھ رہتا ہے۔

اللہ کی معرفت کا تیسرا نکتہ بھی عجیب ہے۔ خاکی انسان، تصور سے ماوریٰ اور عرش وکرسی کی مالک ہستی کی معرفت حاصل کرسکے، یہ ممکن ہی نہیں۔ ساری زندگی کی کاوشوں کے بعد اگر اس کی معرفت سے عاجزی وبے بسی اور اپنی کمزور بشریت

وعبدیت کی حقیقت راسخ ہو سکے تو معرفت کا یہی مقام بڑا مقام تصور ہوگا۔ طالب کی تو حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کا دل اس کی معمولی تجلیات ہی سے سوختہ ہوجاتا ہے۔ دل میں چیخ وپکار کا عمل شروع ہوجاتا ہے، فرد پر نیم مدہوشی کی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے۔ وہ اس ہستی کی قابل ذکر حد تک معرفت حاصل کرسکے، اس دنیا میں ایسا نہیں ہوسکتا، البتہ چونکہ بندہ اور خدا کے درمیاں مستحکم تعلقات کو معرفت کے نام سے ہی موسوم کیا جا سکتا ہے،اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ محبّ نے ساری توانائیاں خرچ کرکے، محبوب کی معرفت کے کچھ اجزاء حاصل کرلئے ہیں، اس معرفت کی وجہ سے اب بندہ اس کی معرفت کی قید سے باہر نہیں سکتا اور معرفت میں مسلسل ارتقا کرتا رہتا ہے اور اسی حساب سے وہ محبوب حقیقی کی شان عظمت کے سامنے دبتا چلاجاتا ہے۔ (مرتب)

غم، فقر اور نیستی کا صلہ

فرمایامیں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندائے غیبی سنی کہ اے میرے بندے، اگر تو غم کے ساتھ میرے سامنے آئے گا تو میں تجھے خوش کردوں گا۔ اگر حاجت اور فقر کے ساتھ پیش ہوگا تو تجھے توانگر اور مالدار بنادوں گا، جب تو اپنی ذات سے آزاد ہوجائے گا تو پانی اور ہوا کو تیرا مطیع اور فرمانبردار بنادوں گا۔ (صفحہ۱۱۷)

دو چیزوں کو دو چیزوں میں پانا

فرمایامیں نے دوچیزوں کو دوچیزوں کے اندر پایا۔ عاقبت کو تنہائی میں اور سلامتی کو خاموشی میں۔ (صفحہ۱۱۷)

سینہ میں غیراللہ کے لئے جگہ کا نہ ہونا

فرمایا آج چالیس سال ہوگئے ہیں کہ میں ایک ہی حالت میں ہوں اور اللہ تعالیٰ میرے دل کو دیکھتا ہے اور اپنے سوا کسی کو اس میں نہیں پاتا۔ میرے پاس ماسویٰ اللہ کے لیے کوئی چیز باقی نہیں رہی اور میرے سینہ کے اندر غیراللہ کے لیے

کوئی جگہ نہیں۔ (صفحہ۱۱۷)

درویشی کی تین علامتیں

فرمایا: درویشی تین چشموں والا ایک دریا ہے پہلا (چشمہ) پرہیز ہے، دوسرا سخاوت اور تیسرا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلوق سے بے نیاز ہونا ہے۔ (صفحہ۱۶۹)

اللہ کے دوست کی نشانی

(آپ سے) پوچھا گیا کہ (اللہ تعالیٰ) کے دوستوں کی کیا نشانی ہے؟ فرمایا: (اللہ کا دوست)''وہ (ہے) جس کے دل سے دنیا کی دوستی نکل چکی ہو۔'' (صفحہ۱۷۰)

غفلت کی بیمار کا لاحق ہونا

فرمایا ہم سب کو ایک بیماری لاحق ہے۔ جب ہماری بیماری ایک ہے تو اس کا علاج بھی ایک جیسا ہے۔ ہم سب کو مرض غفلت لاحق ہے۔ آیئے، تاکہ بیدار ہوجائیں۔ (صفحہ۱۷۶)

(فرد پر نفس کی طرف سے سب سے بڑا حملہ ذکر سے غفلت کی صورت میں ہوتا ہے اور غفلت ہی نفسی خواہشات کو پرواں چڑھانے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ مرتب)

دل کو تکبر اور حسد
وغیرہ کی آگ سے بچانے کی ضرورت

فرمایا: ''اگر تنور سے ایک آگ تیرے کپڑوں پر آگرے تو تو فوراً کوشش کرتا ہے کہ اسے بجھا ڈالے۔ کیا تو جائز سمجھتا ہے کہ تکبر، حسد اور ریا کی آگ تیرے دل میں جگہ پالے، کیونکہ یہ ایسی آگ ہے جو تیرے دین کو جلا ڈالے گی۔'' (صفحہ۱۷۶)

(تکبر اور ریا کی آگ سے بڑھکر کوئی آگ نہیں، یہی آگ ہے جو معاشروں کو جلاکر رکھ دیتی ہے۔ بدقسمتی سے اس دور میں تکبر وریا کی آگ کا سرے سے ادراک ہی سلب ہوگیا ہے۔ مرتب)

اہل ایمان کے ذکر کی
مختلف صورتیں ایک اہم نکتہ

فرمایا: ''ایمان والے آدمی کے جسم کا کوئی ایک عضو ضرور ہمیشہ یاد الٰہی میں مشغول ہونا چاہیے، یا وہ دل سے اس کا ذکر کرے، یا زبان سے اس کا ذکر کرے، یا آنکھ سے اس کا مشاہدہ کرے، یا ہاتھ سے (اس کے لیے) سخاوت کرے، یا قدم سے (چل کر) مردان (خدا) کی زیارت کرے، یا ایمان والوں کی خدمت کو پہنچے، یا ایمان یقین سے زندہ رہے، یا عقل کے ذریعے معرفت (حق) پائے، یا اخلاص سے عمل میں مشغول رہے، یا قیامت سے خوفزدہ رہے۔ ایسے بندے کو میں ضمانت دیتا ہوں کہ جب وہ قبر سے سر نکالے گا تو کفن کے ساتھ چلتا ہوا بہشت میں جا پہنچے گا۔'' (صفحہ۱۷۶)

(حقیقی منتہی صوفی یا حقیقی داعی الی اللہ کے ذکر کی نوعیت یہی ہوتی ہے۔ وہ شب وروز ذکر کی انہی حالتوں میں رہتا ہے۔ کبھی محبوب کے سامنے جواب دہی اور اپنی زندگی کے ضایع ہونے کا احساس اسے بے قرار کردیتا ہے تو کبھی وہ خوداحتسابی، نفس کے محاسبے اور اخلاص کے لئے کوشاں اور فکرمند رہتا ہے، کبھی وہ دل کی ساری گہرائیوں کے ساتھ محبوب حقیقی کے انوار حسن کے مشاہدہ میں رہنے لگتا ہے تو کبھی خدمت دین اور خدمت خلق کے کاموں میں مصروف رہتا ہے۔ حقیقی داعی یا حقیقی صوفی کی یہ زندگی انتہائی قابل رشک ہے، کاش، اس زندگی کا کچھ ہمیں بھی حاصل ہو۔ مرتب)

حکمت کا دنیا کی محبت سے
خالی دل میں داخل ہونا

فرمایا: ''حدیث میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ حکمت کو بھیجتا ہے تو یہ ستر ہزار فرشتوں کے ہمراہ ایک سرہانے سے دوسرے سرہانے کے گرد گھومتی ہے اور چاہتی ہے کہ اسے ایسا دل ہاتھ لگے، جس کے اندر دنیا کی محبت نہ ہو، تاکہ یہ اس میں

داخل ہوجائے۔ جب یہ ایسے دل میں داخل ہوجاتی ہے تو اس وقت ان فرشتوں سے کہتی ہے کہ تم اپنے مقام پر (واپس) چلے جاؤ، کیونکہ میں نے اپنا مقام پالیا ہے (اس طرح) بندہ دوسرے روز صبح حکمت بیان کرنے لگتا ہے، جو اسے اس کے رب نے عنایت فرمائی ہوتی ہے۔'' (صفحہ۱۷۹)

(حکمت دراصل اللہ کا بہت بڑا عطیہ ہے، جو اس دل میں داخل ہوتی ہے، جو ماسوئی کی محبت سے خالی ہوتی ہے، جب حکمت عطا ہوتی ہے تو اس کے مقابلہ میں سارے دنیاوی علوم ہیچ نظر آتے ہیں۔ حکمت اپنے ساتھ انسانیت کا سبق بھی لاتی ہے، اور حکمت کا حامل فرد خود حسن اخلاق وکردار کا نمونہ ہوتا ہے۔ مرتب)

جوان مرد طالب کا درد

فرمایا: ''جوان مردوں کا درد ایک ایسا دکھ ہے، جو کسی طرح دو جہاں میں نہیں سماتا اور یہ روگ اس بات کا ہے کہ وہ اسے (اللہ تعالیٰ کا) اس طرح ذکر کریں، جس کے وہ لائق ہے اور وہ (ایسا) نہیں کر سکتے۔'' (یعنی ہر مخلص اور جوان مرد طالب کی آرزو ہوتی ہے کہ اللہ کا ذکر اس طرح ہو، جس سے دل کے جذباتِ محبت کی تسکین ہو سکے اور اللہ کی شان کے مطابق اس کا ذکر ہو سکے، ایسا نہ ہونے کی وجہ سے جوان مرد طالب، زندگی بھر محبوب کے ذکر میں غلطاں ہونے کے باوجود احساس نایافت سے غم زدہ رہتا ہے۔ مرتب)

جوان مردوں کا مجاہدہ

فرمایا: ''جوانمردوں کا مجاہدہ چالیس برس ہے۔ دس سال غم کھانا پڑتا ہے، تاکہ زبان کی اصلاح ہوجائے اور دس سال سے کم (مجاہدے) سے زبان صحیح نہیں ہوتی۔ دس سال کی ریاضت درکار ہوتی ہے، تاکہ یہ حرام گوشت جو ہمارے تن پر چڑھا ہوا ہے (وہ زائل ہوجائے اور حلال بن کر) وہ ہمارا ہوجائے۔ دس سال محنت کرنی پڑتی ہے، تاکہ دل زبان کے ساتھ صحیح (طرح ہم رنگ) ہوجائے۔ جو شخص چالیس برس اس طرح گزارے، اُمید ہے کہ اس حلق سے ایسی آواز نکلے، جس میں

حرص وہوا نہ ہو۔'' (صفحہ۱۸۷)

(اکابر بزرگوں کے نزدیک ذکر وفکر کے مجاہدوں کے بغیر نفس کی قوتیں تابع نہیں ہوتی، اور حب جاہ وحب مال اور حرص وہوس کے بتوں سے نجات نہیں ملتی، اس پر سارے اکابر بزرگوں کا اجماع ہے، چونکہ سارے بزرگوں کو غیر معمولی مجاہدوں کے بعد ہی نفس مطمئنہ کی سعادت عظمیٰ حاصل ہوئی، اس لئے وہ اپنے تجربات کی روشنی میں طالبوں کے لئے ذکر وفکر کے مجاہدے ہی تجویز فرماتے تھے۔۔ اس ملفوظ میں چالیس سالہ مجاہدوں سے اصلاح نفس کو مشروط فرمایا ہے، اگرچہ یہ حقیقت ہے ہم جیسے عامی افراد کو اس کا تجربہ ہے کہ عرصہ تک راہ محبت میں چلتے رہنے کے باوجود نفس کی گرفت کمزور نہ ہوئی، تاہم موجودہ دور میں اگر ذکر وفکر کے دس پندرہ سال کے مجاہدے بھی ہوں تو اس سے نفسی قوتوں کا ادراک ہوجاتا ہے، اور کچھ نہ کچھ کام بن جاتا ہے۔

اس ملفوظ سے دور جدید کے اکثر بزرگوں کی یہ عمومی غلطی واضح ہوتی ہے، جو وہ دوچار اوراد کی روزانہ کی تسبیح یا پندرہ بیس منٹ کے روزانہ کے مراقبہ کی بنیاد پر خلافت کی سند عطا فرماتے ہیں، معاشرہ میں تصوف کے نام پر ہونے والے بگاڑ اور جدید افراد میں اہل تصوف کی بدنامی کا ایک بڑا سبب جدید بزرگوں کی خلافت عطا فرمانے کی یہ فیاضانہ روش بھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے اکابر بزرگان دین نے تصوف کے جو بنیادی اصول بیان کئے ہیں، اور خلافت کی اہلیت کے جو اوصاف بیان کئے ہیں اس دور میں وہی نظروں سے اوجھل ہوگئے ہیں۔ مرتب)

مسلسل عمل سے اخلاص اور اس کے بعد نور کا عطا ہونا

فرمایا: ''تو عمل میں لگ جا، یہاں تک کہ اخلاص ظاہر ہوجائے اور اخلاص کو ہاتھ میں رکھ، یہاں تک کہ نور ظاہر ہوجائے، جب نور ظاہر ہونے لگے تو تجھے اطاعت کا درجہ ''اعبد کانک تراہ'' (یعنی تو اس طرح بندگی کر کہ جیسے اللہ کو دیکھ رہا

ہے) نصیب ہوجائے گا۔'' (صفحہ ۱۸۹)

فرمایا: ''اکثر جانوں سے ماتم (رونے) کی آواز آتی ہے اور بعض سے دف (خوشی) کی۔ جب کہ میں اپنے دل پر جس قدر بھی نگاہ ڈالتا ہوں، (اس سے) ماتم (غم) کی صدا آتی ہے، شادمانی کی آواز یہاں سے سنائی نہیں دیتی۔'' (صفحہ ۱۸۹)

(اس ملفوظ اور بعض دوسرے اہل اللہ کے حالات کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی شان عظمت کے قریبی مشاہدہ سے ان پر غم، فکر، اور اضطراب غالب رہتا ہے کہ معلوم نہیں، ان کے ساتھ اللہ جل شانہ کا معاملہ کیا ہو، اگرچہ انہیں رحمت کی بھی امید رہتی تھی، لیکن ساتھ ساتھ عتاب کا خطرہ بھی لاحق رہتا تھا۔ مرتب)

دنیا سے پلید ہوکر نہ جانے کی تلقین

''اللہ تعالی نے تمہیں دنیا میں پاکیزہ بنا کر بھیجا ہے، تم دنیا سے اس کے حضور پلید بن کرمت جاؤ۔'' (صفحہ ۱۹۰)

(دنیا کی محبت میں غلطاں ہونا اور ہر وقت دنیا کی فکر کو غالب رکھنا، آخرت کی فکر اور محبوب کی محبت کی فکر سے بے نیاز ہونا، یہ علامت ہے اس بات کی کہ فرد پر حب دنیا غالب ہے، اللہ تعالی ہمیں حب دنیا سے بچائے۔ مرتب)

اہل دل کا ذرہ بھر غم
سے بڑے مقام پر پہنچنا

بایزیدؒ نے فرمایا: ''جب تمہارا دل غمزدہ ہوجائے تو اسے غنیمت سمجھو، کیونکہ اہل دل ذرہ بھر غم کی بدولت ایک (بڑے) مقام پر پہنچتے ہیں۔'' (صفحہ ۲۰۴)

(اس ملفوظ میں راہ سلوک میں ہونے والے قبض و بے چینی کی اہمیت ظاہر فرمائی گئی۔ ہر طالب کو بے چینی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اس قبض کو نعمت شمار کرنا چاہئے، نہ کہ محبوب سے دوری کی علامت ہے۔ مرتب)

معارف وحقائق

(حضرت سید علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ)

حضرت سید علی ہجویری، امت کے اکابر بزرگوں میں شامل ہیں، ان کی کتاب ''کشف المحجوب'' تصوف واحسان کی بنیادی کتابوں میں شامل ہے۔ آپ علمی اور روحانی طور پر جس بلند مقام پر فائز تھے، ''کشف المحجوب'' خود اس کی ایک بڑی علامت ہے، اکابر اہل اللہ، زندگی بھر کے مجاہدوں کے بعد جب نفس کو پامال کرکے، اللہ سے قرب ووصال کے مقام پر فائز ہوتے ہیں، تو اللہ تعالی اپنے نام کے ساتھ ان کا نام بھی زندہ رکھتے ہیں۔ آپ اس کی واضح مثال ہیں، ''کشف المحجوب'' ایسی کتاب ہے جو دل کو بیدار کرنے اور ایمان ویقین کو فروزاں تر کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس کتاب کی عجیب تاثیر ہے کہ اسے مسلسل زیر مطالعہ رکھنے سے خودشناسی اور خدا شناسی کے سفر کے طے ہونے میں غیرمعمولی طور پر مدد ملتی ہے۔ اگرچہ یہ کتاب اس اہمیت کی حامل ہے کہ خود اس کی تلخیص پر مشتمل کتاب تیار کی جائے لیکن ہماری زیرنظر کتاب تفصیلی تلخیص کی متحمل نہیں۔ یہاں کتاب سے چند نکات ہی بیان کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔ مرتب)

دل پر حق تعالی کی نظر کا ہونا

آئمہ طریقت میں سے مختار اہل حرمین مشائخ کرام کے قراۃ العین حضرت ابومحمد عبداللہ بن فضل بلخی رحمتہ اللہ علیہ ہیں، ان کا ارشاد ہے۔

ترجمہ: اہل معرفت میں بزرگ تر وہ ہے جو ادائے شریعت میں کوشاں اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کی محافظت وپیروی میں زیادہ خواہاں ہو)۔

جو جتنا خدا کے نزدیک ہوگا، اتنا ہی زیادہ ادائے حکم میں حریص ہوگا اور جتنا خدا سے دور ہوگا، وہ اتنا ہی زیادہ اس کے رسول کی پیروی سے کنارہ کش ہوگا۔ انہی

کا یہ بھی ارشاد ہے،ترجمہ: میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو جنگل، صحرا اور بیابانوں کو عبور کرکے اس کے گھر حرم یعنی کعبۃ اللہ تک تو پہنچے۔ کیونکہ اس میں اس کے نبیوں کے آثار ہیں اور وہ اپنے نفس کے جنگل اور اس کی خواہشات کی وادیوں کو کیوں عبور نہیں کرتا، یہاں تک کہ وہ اپنے دل تک پہنچے، اسلئے کہ اس میں اس کے مولا کے آثار ہیں۔

مطلب یہ کہ دل، حق تعالیٰ کی معرفت کی جگہ ہے، وہ اس کعبہ سے برتر ہے، جو خدمت کا قبلہ ہے۔ کعبہ وہ ہے، جس کی طرف بندہ کی نظر ہو اور دل وہ ہے، جس پر حق تعالیٰ کی نظر ہو اور جہاں میرے دوست کا دل ہے، وہاں اور جہاں اس کا حکم ہے۔ میری مراد وہاں ہے۔ کیونکہ جہاں ہمارے نبیوں کے آثار کا اثر ہے، وہاں ہمارے دوستوں کا قبلہ ہے۔ (کشف المحجوب)

کمال محبت کی علامت
وصال وفراق سے بے نیاز ہوجانا

آئمہ طریقت میں سے نادر زمانہ حضرت ابو یعقوب یوسف بن حسین رازی رحمتہ اللہ علیہ ہیں، جو وقت کے اکابر ائمہ اور مقتدمین مشائخ میں سے تھے، اپنی عمر گزاری۔ حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ کے مرید بکثرت مشائخ کے صحبت یافتہ اور ان کے خدمت گزار تھے، چنانچہ فرماتے ہیں۔ **اذن الناس الفقیر الطماع واعزھم المحب المحبوبه الصدیق.** ترجمہ: یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل لالچی درویش ہے اور ان میں سب سے زیادہ عزت والا درویش صادق ہے۔

کیونکہ لالچ درویش کو دونوں جہاں میں ذلیل کر دیتی ہے۔ اسلئے کہ بجائے خود،درویشی دنیا والوں کی نظر میں حقیر وذلیل ہے اور جب اس میں لالچ آجائے تو اسے اور زیادہ ذلیل بنا دیتی ہے۔ لہٰذا صاحب عزت تونگر، ذلیل درویش سے بہت اچھا ہے اور طمع لالچ سے درویش محض جھوٹا معلوم ہوتا ہے اور دوسرا محبّ بھی اپنے محبوب کی نظر میں تمام مخلوق سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔ اسلئے کہ محبّ خود کو اپنے

محبوب کے مقابلہ میں بہت ذلیل جانتا ہے۔ وہ اس سے انکساری سے پیش آتا ہے یہ بھی طمع اور لالچ کا نتیجہ ہے۔ جب طمع طبیعت سے جاتی رہے تو ہر ذلت میں عزت ہوتی ہے، یہاں تک کہ زلیخا کو حضرت یوسف علیہ السلام سے طمع تھی تو ہر وہ لحظہ ذلیل تر ہوتی رہی اور جب طمع جاتی رہی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جمال اور جوانی اسے واپس کردی۔ یہ قاعدہ ہے کہ جتنا محبّ سامنے آنے کی کوشش کرے گا، محبوب اتنا ہی منہ موڑ لے گا۔ جب دوستی کو ہاتھ میں لے اور محض دوستی میں دوست سے کنارہ کشی ہو اور صرف دوستی پر ہی اکتفا کرے تو لامحالہ دوست اس کی طرف متوجہ ہوگا۔ درحقیقت محبّ کی عزت اس وقت تک ہے، جب تک وصل کی خواہش اور لالچ نہ کرے اور جب محبّ میں وصال کی طمع پیدا ہو اور وصل نہ ہوتو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ اس کی تمام عزتیں ذلیل ہوجاتی ہیں اور جب دوستی محبّ کو دوست کے وصال وفراق سے بے نیاز وفارغ نہ کرے، اس کی محبت غرض مند ہوتی ہے۔ واللہ اعلم (کشف المحجوب)

اپنی صفات کے زوال کے بغیر
محبوب کی صفات کا غلبہ ممکن نہیں

محبت کی تحقیق میں مشائخ صوفیاء کے رموز شمار سے زیادہ ہیں۔ میں انشاء اللہ ان کے اقوال میں سے اس کتاب میں تبرک کے طور پر چند اقوال پیش کرتا ہوں۔ استاد ابوالقاسم قشیریؒ، کہتے ہیں کہ: (ترجمہ: محبت نام ہے کی اپنی تمام صفات کو محو کرنے اور محبوب کی ذات کو ثابت کرنے) یعنی محبت وہ ہوتی ہے کہ محبّ اپنے محبوب حقیقی کی طلب میں اپنے جملہ اوصاف کی نفی کر دے اور ذاتِ باری تعالیٰ کا اثبات کرے، کیونکہ جب محبوب باقی اور محبّ فانی ہوگا تو دوستی کی غیرت کو محبوب کے بقاء کے ساتھ نفی کرے گا۔ تاکہ اس کو مطلق غلبہ حاصل ہوجائے اور محبّ کی صفت کا فناء ذات محبوب کے اثبات کے بغیر نہیں ہوسکتا اور یہ جائز نہیں کہ محبّ اپنی صفات کے ساتھ قائم ہو،کیونکہ اگر وہ اپنی صفت کے ساتھ قائم ہوگا تو جمالِ محبوب

سے بے نیاز ہوگا۔ البتہ جب وہ سمجھتا ہو کہ اس کی زندگی جمال محبوب کے ساتھ وابستہ ہے تو اپنے اوصاف کے اثبات کی نفی کا ضرور طالب ہوگا، کیونکہ اسے معلوم ہوگا کہ وہ ایسی صفات کی وجہ سے محبوب سے حجاب میں ہے۔ پس دوست کی وجہ سے اپنے آپ کا دشمن ہوجائے گا۔ (کشف المحجوب صفحہ۴۱۵)

محبت کے قوی ہونے سے
فرمانبرداری کا آسان ہونا

البتہ مغلوب الحال اور بے ہوش آدمی کا حکم مختلف ہے اور اس کا عذر بھی دوسرا ہے، تاہم یہ روا ہے کہ حق تعالیٰ کسی بندے کو اپنی محبت میں اس مقام پر پہنچادیں کہ اطاعت وفرمانبرداری کرنے میں جو رنج وتکلیف ہوتی ہے، وہ اس سے اٹھالیں، کیونکہ کسی چیز کا رنج اور اس کی تکلیف اس چیز کی محبت کی مقدار کے مطابق صورت اختیار کرتا ہے، جس قدر محبت قوی ہوتی جائے گی، فرمانبرداری کی تکلیف آسان ہوتی جائے گی اور پیغمبر ﷺ کے حال میں بھی یہ معنی ظاہر ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آپ کی زندگی کی قسم اٹھاتے ہوئے ''بعمرک'' کے الفاظ کہے تو آپ نے روز وشب اس قدر عبادت کرنا شروع کردی کہ آپ اس میں مشغول ہوگئے اور آپ کے پاؤں مبارک پر ورم آ گیا، یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: ترجمہ: (اے رسول ﷺ! ہم نے آپ پر قرآن اس لیے تو نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں مبتلا ہوجائیں) نیز یہ بھی جائز ہے کہ حکم بجالانے کی حالت میں کام کرنے کی فکر بندے سے اُٹھالی جائے، جیسا کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ ترجمہ: بے شک میرے دل پر بھی پردہ ڈال دیا جاتا ہے اور میں اپنے رب سے روزانہ ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں) اس لیے کہ آنحضرت ﷺ اپنے آپ کو اور اپنے عمل کو نہیں دیکھتے تھے کہ اپنی اطاعت پر مغرور ہوجائیں، بلکہ حق تعالیٰ کے حکم کی تعظیم کو دیکھتے اور فرمایا کرتے تھے کہ ''میرا یہ عمل بارگاہِ الٰہی کے سزاوار ہی نہیں۔'' حضرت سمنون محبؒ، کہتے ہیں کہ :"ذهب المحبوب الله بشرف الدنيا والآخرة لان النبي ﷺ قال المرء مع من

احب" (اللہ عزوجل کے محب تو دنیا وآخرت کا شرف لے گئے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر انسان اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ محبت کرتا ہے) پس محبانِ حق دنیا اور آخرت میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں اور جس کے ساتھ حق تعالیٰ ہوں، اس سے غلطی نہیں ہوتی۔ پس دنیا کی بزرگی تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتے ہیں اور آخرت کا شرف یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے ساتھ ہوں گے۔ (صفحہ۴۱۷)

صاحب وقت اور صاحب حال کے حالات

پس صاحب وقت کے لیے یہ جہان بھی تو ایک جہنم بن جاتا ہے، کیوں کہ وہ مشاہدہ سے غیبت میں ہوتا ہے اور محبوب کو نہ پانے کی وجہ سے اس کا دل وحشت کدہ بن جاتا ہے اور کبھی اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہر وقت اس کو ملنے والی نعمت کی خوشی میں اس کا دل جنت کی طرح ہوجاتا ہے، پھر صاحب حال کو حجاب حاصل ہو یا مشاہدہ کی نعمت یا کوئی آزمائش ساری حالتیں اس پر یکساں ہوتی ہیں، کیوں کہ وہ مقام، حال سے وابستہ ہوتا ہے۔ پس حال حق تعالیٰ کے مطلوب کی صفت ہے، جب کہ وقت مرید کا درجہ ہے۔ ایک تو وقت کی راحت میں اپنے آپ میں باہوش ہوتا ہے اور دوسرے حال کی خوشی میں حق تعالیٰ کے ساتھ مدہوش! پس ان دونوں مرتبوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (صفحہ۴۹۴)

نفس اور اس کی واردات
بزرگوں کے تجربات کا ماحصل

(حضرت علی ہجویریؒ)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک سرکش گھوڑے کو ریاضت کے ذریعہ حیوانی صفات سے انسانی صفات کی طرف لے آتے ہیں اور اس کے اندر حیوانی صفات کو بدل دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ زمین سے چابک کو اُٹھا کر اپنے مالک کو دے دیتا ہے

اور گیند کو اپنے ہاتھ سے چکر دے دیتا ہے اور اسی طرح بے عقل، عجمی لڑکے کو ریاضت کے ذریعہ عربی زبان سکھلا دیتے ہیں اور اس طرح اس کا طبعی نطق اس کے اندر تبدیل کردیتے ہیں اور ایک وحشی جانور کو ریاضت کے ذریعہ اس درجہ پر پہنچا دیتے ہیں کہ جب اس کو کھولتے ہیں تو وہ چلا جاتا ہے، لیکن پھر جب آواز دیتے ہیں تو لوٹ کر آتا ہے اور قید کی تکلیف اس کو آزادی اور چھوٹ جانے سے زیادہ عزیز ہوجاتی ہے اور ایک ناپاک کتے کو ریاضت کے ذریعہ اس مقام پر پہنچا دیتے ہیں کہ اس کا مارا ہوا شکار حلال ہوجاتا ہے، جب کہ مجاہدہ اور ریاضت حاصل نہ کرنے والے آدمی کا مارا ہوا بھی حرام ہوجاتا ہے، پس تمام شریعت اور رسم کا مدار مجاہدے پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قربِ حق، عاقبت کے مقصود دامن کے حصول اور معصومیت ہونے کے باوجود طویل وقت تک بھوکا رہنے، مسلسل روزے رکھنے اور راتوں کو بیدار رہنے کی صورت میں اس قدر مجاہدے کیے کہ آپ کو حق تعالیٰ کا حکم آیا کہ اے محمد (ﷺ)!

طٰہٰ مَا اَنزَلنَا عَلَیکَ القُرآنَ لِتَشقٰی. ترجمہ: ’’ہم نے آپ (ﷺ) پر قرآن اس لیے تو نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت برداشت کریں۔‘‘

حتیٰ کہ اپنے آپ کو ہلاک کر لیں اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی کی تعمیر کے دوران خود اینٹیں اٹھاتے تھے اور میں دیکھتا تھا کہ آپ تکلیف برداشت کررہے ہیں تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ وہ اینٹیں مجھے دیں کہ آپ ﷺ کی جگہ میں یہ کام سرانجام دوں، آپ ﷺ نے فرمایا:

(یا اباھریرہ خذُ غیرھا فانہ لاعیش الا عیش الاخرۃ)

’’اے ابو ہریرہ! تم دوسری اینٹیں اٹھا لو، کیونکہ اچھی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔‘‘

یعنی آرام کا مقام تو آخرت ہے اور یہ دنیا رنج ومشقت اٹھانے کا مقام ہے۔ حضرت حیان بن خارجہ کی روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا کہ غزوے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

ترجمہ: ’’جہاد کی ابتداء اپنے نفس سے کر اور غزوہ کی ابتداء بھی اپنے نفس سے کر کہ اگر تو بھاگتا ہوا قتل جائے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجھے بھاگتا ہوا ہی اٹھائیں گے اور اگر تو ریاکاری کی حالت میں مقتول ہوا تو تجھے اللہ تعالیٰ ریاکاری کی حالت میں اٹھائیں گے اور اگر ثواب کی نیت سے صبر کرتے ہوئے تو مقتول ہوا تو اللہ تعالیٰ تمہیں صبر کرنے والا اور ثواب کی نیت کرنے والا ہی اٹھائیں گے۔‘‘ (کشف المحجوب صفحہ ۲۷۰۔۲۷۱)

نفس کے بارے میں اہل اللہ کے کچھ مشاہدے

حضرت شیخ ابوعلی سیاح مروزیؒ سے حکایات بیان کرتے ہیں کہ میں نے نفس کوخود اپنی ہی شکل وصورت میں دیکھا کہ ایک آدمی نے اسے بالوں سے پکڑ رکھا ہے اور اس طرح اسے میری گرفت میں دے دیا۔ میں نے اُسے ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور اُس کو ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن وہ مجھے کہنے لگا۔ اے بوعلی! مجھے قتل کرنے کی تکلیف نہ کر، کیونکہ میں خدا تعالیٰ کا لشکر ہوں، تم مجھے گم نہیں کرسکتے۔ حضرت جنیدؒ، کے ایک بڑے بزرگ ساتھی حضرت محمد بن علیانی نسویؒ، بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے ابتدائی حالات میں ہی نفس کی مصیبتوں سے آگاہ ہوگیا تھا اور اس کی کمین گاہوں اور چالوں کو جانتے ہوئے اس کی دشمنی میں لگا رہتا تھا۔ ایک روز لومڑی کے بچے جتنی ایک چیز میرے گلے سے باہر نکلی تو حق تعالیٰ نے مجھے اس سے روشناس کر دیا اور میں نے جان لیا کہ یہ نفس ہے، چنانچہ میں نے اسے پاؤں تلے روندنا شروع کر دیا، لیکن میں جو ٹھوکر بھی اُسے لگاتا، وہ پہلے سے بڑا ہوجاتا۔ میں نے اُسے کہا: ’’اے فلانے، تکلیف دینے اور زخم لگانے سے دوسری تمام چیزیں ہلاک ہوجاتی ہیں۔ لیکن تو کس طرح بڑا ہوتا جارہا ہے؟‘‘ وہ کہنے لگا، میری پیدائش ہی الٹی ہے کہ جو کام دوسری چیزوں کے لیے تکلیف دہ ہو، وہ میرے لیے باعث راحت ہوتا ہے اور جو کام دوسروں کے لیے راحت بخش ہو وہ وہ میرے لیے باعث رنج ہوتا ہے اور اپنے وقت کے امام حضرت شیخ ابو العباس شقانیؒ،

فرماتے ہیں کہ ایک دن جب میں اپنے گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک زرد رنگ کا کتا میرے بستر پر سویا ہوا ہے، میں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ محلے کا کوئی کتا اندر آ گیا ہے اس کو نکالنے کا ارادہ کیا تو وہ میرے دامن کے نیچے گھس گیا اور غائب ہوگیا اور اس وقت کے قطب اور مدارعلیہ حضرت شیخ ابو القاسم گرگانی ''اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے'' اپنے ابتدائی حال کا حوالہ دے کر فرمایا، میں نے نفس کو ایک سانپ کی شکل میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟'' کہنے لگا، میں غافل لوگوں کی ہلاکت ہوں کہ ان کے لیے شر اور برائی کا دعوئی ہوں اور دوستانِ حق کی نجات ہوں کہ میں جس کا وجود ایک آفت ہے، اگر ان کے ساتھ نہ ہوتا تو وہ اپنی پاکی پر مغرور اور اپنے افعال پر متکبر ہوجاتے، کیوں کہ جب وہ اپنے دل کی طہارت، باطن کی پاکیزگی، ولایت کے نور اور اطاعت پر استقامت کو دیکھتے ہیں تو اُن میں برائی کی خواہش پیدا ہونے لگتی ہے، لیکن پھر جب مجھے اپنے دونوں پہلوؤں کے درمیان دیکھتے ہیں تو ان سے تمام عیب پاک ہوجاتے ہیں۔ (صفحہ۲۷۶۔۲۷۷)

یہ تمام حکایات اس بات کی دلیل ہیں کہ نفس ایک ذات ہے، صفت نہیں، اور اس کے لیے الگ ایک صفت ہے اور ہم اس کے اوصاف کو واضح طور پر دیکھتے رہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

(اعدیٰ عدوک نفسک التی بین جنبیک.)

''تیرے دشمنوں میں سے سب سے بڑا دشمن تیرا اپنا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔''

پس جب اس کی معرفت حاصل ہوجائے تو تم جان لینا کہ ریاضت کے ذریعہ اس کو قابو میں لایا جا سکتا ہے، تاہم اس کی ذات اور ماہیت کو فنا نہیں کیا جا سکتا اور جب اس کی اچھی طرح شناخت ہوجائے تو طالب اگر اس کا مالک بن کر اس پر قابو رکھے تو اس کے باقی رہنے میں بھی کوئی باک نہیں۔

''لان النفس کلب نباح وامساک الکلب بعد الریاضة مباح''

''کیونکہ نفس ایک بھونکنے والا کتا ہے اور کتے کو شکار کی ریاضت کے بعد رکھنا مباح ہے۔'' (صفحہ۲۷۷)

نفس کی دوطاقتور خواہشات

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

(اخوف ما اخاف علی امتی اتباع الھویٰ وطول الامل).

''جس چیز سے میں اپنی امت کے بارے میں زیادہ ڈرتا ہوں، وہ خواہشات کی پیروی اور لمبی امیدیں ہے۔''

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد:

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ ''کیا تم نے دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔''

کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کرتے ہیں:

ان الین الھا معبودا۔ ''یعنی خواہش کو اپنا الٰہ اور معبود رکھا ہے۔''

اس آدمی کے لیے ہلاکت ہے جس نے حق تعالیٰ کی بجائے اپنی خواہشات کو معبود بنا رکھا ہے اور شب وروز کی تمام جدوجہد نفس کو خوش کرنے کے لیے صرف کرتا ہے۔

اور تمام خواہشات کی دوقسمیں ہیں: ایک لذت وشہوت کی خواہش اور دوسری مخلوق میں مرتبہ اور ریاست کی خواہش۔ لذت وشہوت کی خواہشات کا اتباع کرنے والا شراب خانوں (اور عیش عشرت کے گھروں) میں رہتا ہے اور مخلوق اس کے فتنوں سے محفوظ رہتی ہے، لیکن جو شخص جاہ طلبی اور ریاست کی خواہش کا تابع ہو وہ عبادت گاہوں اور خانقاہ میں رہتے ہوئے مخلوق کے لیے باعث فتنہ ہے کہ وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی گمراہی کی طرف دعوت دیتا ہے۔ پس ہم خواہشات کی پیروی سے خدا تعالیٰ کی پناہ گاہ کے طلبگار ہیں۔ پس جس کی تمام حرکات، خواہشات نفس کے تابع ہوں اور وہ نفس کی پیروی پر مطمئن ہو، وہ اگرچہ مسجد میں تمہارے

ساتھ موجود رہتا ہے پھر بھی حق تعالیٰ سے دور ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص خواہشات نفس سے بیزار ہو اور اس کی پیروی سے گریزاں ہو، وہ بت کدے میں ہی کیوں نہ ہو، حق تعالیٰ سے نزدیک ہوتا ہے۔ (بت کدے سے مراد یہ بھی ہے کہ مادیت کی عمومی فضا، جہاں ہمہ وقت نئے نئے بتوں سے سامنا کرنا پڑتا ہے، اللہ کا مخلص بندہ اس ہمہ گیر بت کدے کی فضا میں رہتے ہوئے بھی اللہ سے غافل نہیں ہوتا اور وہ ہمہ وقت متوجہ الی اللہ رہتا ہے۔ مرتب) (صفحہ ۲۷۹)

خواہش نفس کا روزانہ تین سو ساٹھ
بتوں کی صورت میں سامنے آنا

حضرت ابراہیم خواصؒ، فرماتے ہیں ''ایک دفعہ میں نے سنا کہ روم کے اندر ایک پادری ہے، جو ستر سال سے رہبانیت اختیار کیے ہوئے ایک کلیسا میں بیٹھا ہے، میں بڑا حیران ہوا کہ ان کی رہبانیت کی شرط تو چالیس سال ہے، یہ شخص کس مشرب پر عمل کرتے ہوئے ستر سال تک کلیسا میں آرام سے بیٹھا ہوا ہے، چنانچہ میں نے اس سے ملاقات کا ارادہ کیا جب میں اس کے کلیسا کے نزدیک پہنچا تو اس نے دریچہ کو کھول کر مجھے کہا: ''اے ابراہیم! میں جانتا ہوں کہ تم کس لیے آئے ہو (تو سنو!) میں یہاں ستر سال سے رہبانیت کے لیے بیٹھا ہوا نہیں، بلکہ میرے اندر خواہشات سے بھرا ہوا ایک کتا موجود ہے۔ میں اس کلیسا میں بیٹھا اس کی نگرانی کررہا ہوں اور اس کے شر کو مخلوق سے روکے ہوئے ہوں۔ باقی میں ویسا نہیں ہوا، جیسا تم نے گمان کیا تھا۔ ابراہیمؒ، فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس سے یہ بات سنی تو میں نے کہا: ''باری خدایا! تو اس پر قادر ہے کہ گمراہی میں بھی کسی آدمی کو سیدھا راستہ دکھا دے اور نیکی کے راستے پر گامزن کر دے'' وہ پادری کہنے لگا: ''اے ابراہیم! کب تک لوگوں کو تلاش کرتے رہوگے۔ جاؤ! اور اپنے آپ کو جستجو کرو! اور جب اپنے آپ کو پالو تو پھر پاسبانی کرو، کیونکہ خواہش نفس روزانہ معبدیت کے تین سو ساٹھ لباس پہنتی اور بندے کو گمراہی کی طرف دعوت دیتی ہے۔ بہرحال شیطان کو

بندے کے دل اور باطن میں گھسنے کی اس وقت تک مجال نہیں ہوتی، جب تک اس کے دِل میں نافرمانی کی خواہش پیدا نہ ہوجائے، جب اس خواہش گناہ کا مادہ نفس میں ظاہر ہوجاتا ہے۔ اس وقت شیطان اس کو پکڑ لیتا ہے اور اس کو آراستہ کرکے بندے کے دل کے سامنے پیش کردیتا ہے اور اس حالت کو وسوسہ کہتے ہیں۔ پس گناہ کی ابتداء خواہش نفس سے ہوتی ہے اور ابتداء کرنے والا زیادہ ظالم ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کے اُس فرمان کا یہی معنی ہے کہ جب شیطان نے کہا کہ: ''میں تمام انسانوں کو راہ راست سے ہٹادوں گا، تو حق تعالیٰ نے ابلیس کو فرمایا تھا کہ:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ ''بے شک میرے خاص بندہ پر تیرا کوئی بس نہ چل سکے گا۔''

پس درحقیقت بندہ کا نفس اور خواہش ہی شیطان ہیں۔ اسی وجہ سے پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ:

ترجمہ: ''کوئی آدمی ایسا نہیں جس پر اس کا شیطان (خواہش نفس) غلبہ حاصل نہ کرلے سوائے عمر فاروقؓ کے کہ وہ اپنے شیطان پر غالب ہیں۔''

پس خواہشات حضرت آدمؑ کی سرشت میں داخل اور بنی آدم کی جان کی راحت ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

(الهویٰ والشهوة معجونة بطنية ابن آدم).

''خواہش اور شہوت ابن آدم کی سرشت میں ملادی گئی ہیں۔'' (صفحہ ۲۸۰)

نفس سے مقابلہ کے لئے
ہمت وحوصلہ کی ضرورت

طالب کو اپنا نگران اور حاکم ہونا چاہیے اور دن رات اس کام میں لگے رہنا چاہیے کہ نفس میں پیدا ہونے والے خواہشات کے اسباب کو اپنے آپ سے دور کردے اور خدا تعالیٰ سے امداد کا طلبگار رہے کہ وہ اس میں ایسی صفت پیدا کردے کہ اس کے باطن سے یہ خواہشات دفع ہوجائیں، کیونکہ جو آدمی شہوت کے کسی حصے

میں بھی مبتلا ہوجائے، وہ تمام معانی (یعنی انوار) سے محجوب ہوجاتا ہے۔ پس بندہ اگر بتکلف اس کو اپنے آپ سے دفع کرے تو اس کی تکلیف طویل ہوجائے گی، کیونکہ خواہشات کا وجود تو پے درپے ہوتا ہے اور اس کو حق تعالیٰ کے ہی سپرد کر دینا بہتر ہے، تاکہ گوہر مقصود حاصل ہوجائے اور حضرت ابوعلی سیاہ مروزیؒ، سے حکایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا ''میں ایک دفعہ حمام میں گیا ہوا تھا اور سنت کے مطابق (زیر ناف) اُسترہ استعمال کررہا تھا کہ میں نے اپنے آپ سے کہا ''اے ابوعلی، سرچشمہ شہوات اور تجھے اتنی آفات سے مبتلا رکھنے والے اس عضوہ کو اپنے وجود سے الگ کردے، تاکہ تو شہوات سے بچا رہے'' میرے بطن سے آواز آئی کہ اے ابوعلی! تو ہماری ملک میں تصرف کرنا چاہتا ہے؟ حالانکہ جسم کی ساخت میں کوئی عضوہ دوسرے سے زیادہ موزوں نہیں۔ ہمیں اپنی عزت کی قسم! اگر تو اس کو اپنے وجود سے جدا کردے گا تو ہم تمہارے ہر بال میں سینکڑوں گنا شہوت اور خواہش پیدا کردیں گے۔ اس معنی میں کسی نے کہا ہے:

تبتغی الاحسان دع احسانک   اترک بخشی الله ریحانک

''تو نیکی کا متلاشی ہے تو احسان کو چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ کے خوف سے اپنی راحتوں کو چھوڑ دے۔''

بندہ کو اپنے جسم میں تصرف کرنے کا کوئی اختیار نہیں، البتہ اپنی کسی صفت کو حق تعالیٰ کی توفیق اور اس کے حکم کی تعمیل کے ذریعہ تبدیل کر سکتا ہے، درحقیقت بندہ جب حق تعالیٰ کی تسلیم ورضا کا مرتبہ حاصل کرتا ہے تو اسے حق تعالیٰ کی عصمت حاصل ہوجاتی ہے، اور بندہ مجاہدے کی بہ نسبت حق تعالیٰ کی تائید وعصمت کے ذریعہ تمام آفات سے زیادہ بہتر طور پر محفوظ رہ سکتا ہے۔

''لان نفی الذباب بالمکنته السر عن نفیه بالمذبة''.

''کیونکہ ڈھانپنے والی چیز سے مکھیوں کو روکنا، مگس ران کے ذریعے ہٹاتے رہنے سے زیادہ آسان ہے۔'' (صفحہ۲۸۲)

غافل انسان کو انتباہات

(حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ)

حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ بزرگان دین میں ممتاز اور منفرد حیثیت رکھنے والی ہستی ہے۔ ان کے مجاہدے بھی بہت زیادہ تھے، ان کے مواعظ میں وہ تاثیر ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ براہ راست اخذ الٰہی سے فیوض حاصل کر کے لوگوں کے ایمان ویقین کے رخ کو درست کرنے اور ان کے اعمال کی درستگی اور انہیں حب دنیا سے ہٹا کر محبوب حقیقی کی محبت کی طرف گامزن کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ ان کے مواعظ میں موجود جلالی ہیبت کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ان پر حالت نزول کے باوجود حالت عروج غالب رہی۔ ہم یہاں ان کے مواعظ میں سے تین چار حصے دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ مرتب)

خواہشات کی موجودگی میں
قرب الٰہی کا حصول ممکن نہیں

''تم ایسی حالت میں راحت وسرور وآسائش ومسرت، امن وسکون اور ناز ونعم کے متلاشی ہو، جب کہ تم نفس کشی اور خواہشات کے مجاہدہ کرنے نیز دنیا وآخرت کی مرادوں کو زائل کرنے کیلئے پگھلادینے والی بھٹی میں پڑے ہوئے ہو۔ اور یہ تمام چیزیں تمہارے اندر کما حقہ موجود ہیں۔

ایسی صورت میں تمہیں چاہئے کہ میانہ روی اختیار کرو، کیونکہ موجودہ چیزوں کے زوال تک تمہارے اوپر اس وقت تک تمام دروازے بند رہیں گے، جب تک تمہارے اندر حبہ برابر بھی خواہش وآرزو موجود ہے۔

کیونکہ مکاتب غلام اس وقت تک غلامی سے رہا نہیں ہوسکتا، جب تک اس کے ذمہ ایک حبہ رقم بھی باقی ہے، اسی طرح جب تک تمہارے اندر بھی کھجور کی گٹھلی جتنے کے بقدر دنیا باقی ہے، اس وقت تک تمہیں قرب الٰہی حاصل نہیں ہوسکتا۔ جب تک دنیا

تمہاری مراد بنی رہیگی یا تمہارے اندر جب تک کسی دنیاوی شے کے بیدار ہونے کی تمنا باقی رہیگی یا تمہارے نفس میں کسی شے کا اشتیاق باقی رہیگا یا جب تک تم دنیاوی واخروی مقام کے متمنی رہوگے، اس وقت تک تم مقام فنا کے دروازے پر ہی کھڑے رہ جاؤگے۔ اور تمہیں مکمل طور فنا حاصل نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا اس وقت تک تمہیں صبر کرنا چاہئے، جب تک مکمل طور پر فنائیت حاصل نہ ہوجائے اور تم بھٹی کے اندر سے صاف وشفاف ہو کر نہ نکل آ ؤ اور سنار کی کسوٹی پر پورے نہ اتر آ ؤ اس کے بعد تمہیں مزین ومرصع لباس وزیوارت سے آراستہ کرکے، خوشبو سے معطر کرتے ہوئے، سب سے عظیم بادشاہ کے دربار میں پہنچایا جائیگا۔ اور وہاں تم کو اس طرح مخاطب کیا جائیگا۔ آج تم امین بن کر ہمارے پاس مقیم ہو، پھر تمہارے ساتھ لطف وکرم سے پیش آتے ہوئے ایسی دولت عطا کردی جائیگی کہ تم ہر شے سے مستغنی ہوجاؤگے۔ (فتوح الغیب،صفحہ۵۹،سید عبد القادر جیلانیؒ)

''البتہ ان لوگوں کے حال قطعا مختلف ہوا کرتے ہیں، جن کو جذب وولایت اور بزرگی کیلئے منتخب فرمایا گیا ہو، حضور کا فرمان ہے سب سے زیادہ مصائب انبیاء کرام پر آتے ہیں، اس کے بعد ان پر ان سے مناسب رکھتے ہیں پھر جو جس درجہ کا ہے اسی کے مطابق ایک اور حدیث ہے میں اللہ کو تم سے زیادہ پہچانتا ہوں اور تم سے زیادہ اس سے خوفزدہ رہتا ہوں، لہٰذا جو شخص بادشاہ سے جس قدر قریب ہوگا، اس کو خوف وخطر بھی زیادہ ہی ہوگا۔ کیونکہ اس کی تمام حرکات وسکنات ہمہ وقت بادشاہ کی نظروں میں رہتی ہیں۔ (فتوح الغیب صفحہ۵۸)

حکمتوں وعلوم کا راستہ

''صاحبو! تم پر (فرشتے) نگران مقرر ہیں (جو خفیہ پولیس کی طرح تمہارے قدم قدم کی نگرانی اور ساری حرکتیں فلم بند کرتے رہتے ہیں) تم حق تعالیٰ کی (شاہی) حراست میں ہو (کہ کہیں جانہیں سکتے) اور تم کو کچھ خبر نہیں (کہ کھلم کھلا بغاوت کا کیا حشر ہوگا) سمجھ دار اپنے دل کی آنکھیں کھولو۔ جب تم کسی شخص کے مکان پر دوسرے

لوگوں کے ساتھ مل کر جاؤ تو تمہیں چاہیے کہ خود گفتگو میں ابتدا نہ کرو بلکہ چپ رہو اور جب وہ خود بات کریں تو اس کے کلام کا جواب دو اور ایسی بات نہ پوچھو جس سے کوئی فائدہ نہ ہو۔ توحید بھی فرض ہے، طلب حلال بھی فرض ہے اور ہر قسم کے معاوضہ کا چھوڑنا بھی فرض ہے۔ فاسقوں اور منافقوں سے بھاگو اور نیکوکار صدیقین کے ساتھ لاحق رہو اور جب معاملہ مشتبہ ہو (کہ نیکوکار اور منافق میں فرق نہ کر سکو) تو رات کو (تہجد کے وقت) اٹھو اور دو رکعت (نفل بہ نیت حصول معرفت) پڑھو۔ اس کے بعد عرض کرو کہ ''اے میرے پروردگار! اپنی مخلوق کے نیکوکار بندوں پر مجھے مطلع کر۔ مجھ کو واقف بنا، اس شخص سے جو مجھ کو تیرا راستہ دکھلائے اور مجھ کو تیرے کھانے کھلائے اور تیری شراب محبت پلائے اور میرے قلب کی آنکھ میں تیرے قرب کی روشنی کا سرمہ لگائے اور مجھ کو ان سے باخبر کردے جس کو آنکھ سے دیکھ چکا اور مشاہدہ سے ایمان لایا ہے، نہ کہ دوسروں کی تقلید سے۔ اہل اللہ نے حق تعالیٰ کے فضل کا کھانا کھایا ہے۔ اس کے انس کی شراب پی ہے اور اس کے قرب کا دروازہ دیکھ لیا ہے۔ انہوں نے محض خبر پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مجاہدہ اور صبر اور اپنے نفوس اور مخلوق سے (نظر ہٹا کر) رب کی طرف سفر کرتے رہے، یہاں تک کہ کانوں سے سنی ہوئی خبر ان کے نزدیک آنکھوں دیکھی بن گئی۔ جب وہ اپنے رب تک پہنچے تو اس نے انہیں ادب سکھایا اور مہذب بنایا۔ حکمتوں اور علوم کی تعلیم دی۔ اپنی مملکت پر مطلع کیا اور بتایا کہ درحقیقت اس کے سوا نہ کوئی دینے والا ہے، نہ اس کے سوا کوئی روکنے والا ہے، نہ کوئی قضا وقدر والا ہے اور نہ کوئی عزت وذلت دینے والا ہے۔

خواہش نفس کی موجودگی میں ناصحانہ گفتگو کرنے سے باز آجانے کی تلقین

صاحبزادہ! جب تک تو اپنے نفس اور اپنی خواہش کے ساتھ قائم ہے (مخلوق کو وعظ کرنا ترک کر اور ناصحانہ) گفتگو سے مرجا۔ پس حق تعالیٰ جب تم سے کوئی کام لینا چاہئے گا، اس کیلئے خود تجھ کو تیار کردے گا۔ وہ جب چاہے گا، تجھ کو زندہ کردے گا اور اہلیت نصیب فرمائے گا اور تجھ کو (وعظ کیلئے) قائم کردے گا۔ وہ ظاہر کرنے والا

بنے گا، نہ کہ تو خود۔ اپنے نفس، اپنے کلام اور اپنے جملہ احوال کو اس کے حوالہ کر، (کہ جب جو کچھ مقدر ہوگا ہوکر رہے گا) اور خود اس کے کام میں مشغول ہوجا۔ عمل بن، بلا گفتگو کے، اخلاص بن، بلا ریا کے، سرتاپا توحید بن، بلاشک کے، گمنامی بن، بلاشہرت کے، خلوت بن، بلاخلوت کے اور باطن بن بلاظاہر کے اور ارادہ کو باطن کردینے سے باطن کے ساتھ مشغول ہو۔ تو اپنے قول اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ میں حق تعالیٰ کو خطاب کرتا اور اس کی طرف اشارہ کرتا ہے (کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) یہ لفظ یعنی تجھی کو خطاب ہے، حاضر کیلئے کہ وہ ذات جو میرے قریب حاضر ہے۔ اے وہ ذات، جو مجھ سے واقف اور میرے قریب ہے اور اے وہ ذات، جو مجھ پر مطلع ہے، پس اپنی نماز میں اور اسکے علاوہ دوسری حالتوں میں اسی طرح اور اسی نیت سے اس کو خطاب کیا کر۔ اس لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کر گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے، پس اگر تو اس کو نہیں دیکھتا تو وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔

صاحبزادہ! حلال کھانے سے اپنے قلب کی صفائی کر۔ یقیناً حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوجائے گی۔ اپنے نوالہ، اپنے لباس اور اپنے دل کو صاف کر، صوفی بن جائے گا۔ تصوف لفظ صفا سے مشتق ہے (صوف سے نہیں) جس شخص نے (صوفی بننے کیلئے) صوف پہن رکھا ہے اور اپنے تصوف میں سچا ہے، اس کا قلب مولا کے سوا تمام چیزوں سے صاف ہوتا ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے، جو کپڑوں کو رنگ سے متغیر کرنے اور (ریاکاری کی ریاضتیں کرکے) چیزوں کو زرد بنانے اور (پیروں کی صورت بناکر) کندھوں کو اکٹھا کرنے اور بزرگوں کی حکائتیں بیان کرنے میں زبان چلانے اور کثرت ودرود وظائف اختیار کرکے تسبیح وتسلسل میں انگلیاں ہلانے سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ حق تعالیٰ کی طلب میں سچا بننے، دنیا سے بے رغبت ہوجائے، مخلوق کو قلب سے باہر نکالنے اور اپنے مولا کے سوا سب سے خالی ہوجانے سے حاصل ہوا کرتی ہے۔ ایک بزرگ سے منقول ہے کہ ایک رات میں نے عرض کیا ''یااللہ! ان (نعمتوں کو) مجھ سے مت روک، جن کے (ملنے سے) میرا تو فائدہ ہے

اور تیرا کچھ نقصان نہیں۔'' بار بار یہی دعا مانگی اور اس کے بعد سوگیا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا یوں کہتا ہے ''تو بھی تو اپنے آپ کو ایسے عمل سے مت روک، جن کے (کرنے میں) تیرا فائدہ ہے اور ایسے (ناجائز) کام کرنے سے باز آ، جن سے تیرا نقصان ہے (کہ نعمتوں کے مستحق تو کام کے کرنے والے ہیں اور جسے اپنے نفع ونقصان کی خود فکر نہ ہو، وہ ہم سے سوال کس منہ سے کرتا ہے)۔

صاحبو! جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے انتساب کو صحیح کرو۔ آپ کا اتباع جس کیلئے صحیح ہوجاتا ہے، اس کا انتساب بھی صحیح ہوجاتا ہے اور اتباع کئے بغیر تیرا یوں کہنا کہ میں آپ کا امتی ہوں، تیرے لئے مفید نہیں۔ جب تم آپ ﷺ کے اقوال وافعال میں آپ کے متبع بن جاؤ گے تو دار آخرت میں تم کو آپ ﷺ کی مصاحبت نصیب ہوگی۔ کیا تم نے حق تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا کہ جو کچھ تم کو پیغمبر دیں اس کو لو اور جس سے روکیں باز آجاؤ۔ آپ جو کچھ تم کو حکم دیں، اس کی تعمیل کرو اور جس بات کی بھی ممانعت کریں، اس سے رک جاؤ، یقیناً دنیا میں حق تعالیٰ کے قریب ہوجاؤ گے، قلوب کے اعتبار سے اور آخرت میں قریب ہوجاؤ گے، اجسام اور نفوس کے اعتبار سے بھی۔ (فتوح الغیب)

ریا، نفاق اور نافرمانیاں
آخرت کے بازار میں قابل قبول نہیں

صاحبزادہ! اللہ تعالیٰ کو اختیار کر۔ اسی کا ہوجا اور اسی سے تعلق رکھ۔ دنیا اور آخرت کی ساری ضرورتوں میں تجھ کو کافی ہوجائے گا اور حیات وممات میں تیری حفاظت فرمائے گا اور ساری حالتوں میں تجھ سے رفع حاجت کرتا رہے گا۔ اس کی سیاہی کو جو سفیدی پر ہے (یعنی اوراق پر لکھے ہوئے کلام اللہ کو) مضبوط پکڑ۔ قرآن کی خدمت کر، تاکہ وہ تیری خدمت کرے کہ تیرے قلب کا ہاتھ پکڑے اور اس کو اپنے رب عزوجل کے سامنے لاکھڑا کرے۔ تجھ کو خدا تک پہنچانے کی بڑی خدمت اس طرح انجام دے گا کہ اس پر عمل کرنا تیرے قلب کے بازوؤں پر لگادے گا۔ پس

تو ان سے اپنے رب عزوجل کی طرف اڑ جائے گا۔

اے وہ شخص جس نے صوف پہن رکھا ہے۔ اول اپنے باطن کو صوف پہنا، اس کے بعد اپنے قلب کو پھر نفس کو اور پھر اپنے بدن کو۔ زہد کی ابتدا اسی جگہ (یعنی باطن) سے ہوا کرتی ہے، نہ کہ ظاہر سے باطن کی طرف۔ جب باطن صاف ہوجائے گا تو صفائی قلب، نفس، اعضاء اور لباس تک پہنچ جائے گی۔ اول مکان کا اندرون آراستہ کیا جاتا ہے، جب آراستہ ہوجائے تو دروازے لگانے کیلئے باہر آ۔ یہ نہ ہو کہ دروازہ ہو، مکان کے بغیر اور قفل ہو ویرانہ پر (کہ دیکھنے والے سمجھیں اندر خزانہ ہے، حالانکہ کھنڈر ہے) یعنی یہ نہ ہو کہ ظاہر ہو اور باطن ندارد اور نہ یہ کہ خلق (سے انس) ہو اور خالق کی طرف دھیان نہیں۔ دیکھ! جن خیالات ومشاغل میں تو ہے ان میں سے کچھ بھی تیرے لئے قیامت کے دن مفید نہ ہوگا، بلکہ الٹا نقصان پہنچائے گا۔ جو سودا تیرے پاس ہے، وہ وہاں تجھ سے خریدا نہ جائے گا۔ اسلئے کہ تیرا دوسرا ریا، نفاق اور نافرمانیاں ہیں اور وہ ایسی چیزیں ہیں، جن کا آخرت کے بازار میں رواج نہیں۔ اپنا اسلام درست کر، اس کے بعد دنیا کی طرف متوجہ ہو۔ حق تعالیٰ کا کام اس کے سپرد کردے (کہ روزی پہنچانا اس نے اپنے ذمہ لیا ہوا ہے، وہ خود پہنچاتا رہے گا) اپنا نفس تو اس کو سونپ دے، پھر اُس پر بھروسہ کر۔ اپنا زور وطاقت اور جو کچھ تیرے پاس ہے، اس کی اطاعت میں خرچ کر۔ نیک کام کر اور ان کو بھی بھول جا (کہ معاوضہ کا متوقع رہے) تیرا سارا عمل خالی اخروٹ ہے، کیونکہ ہر وہ عمل جس میں اخلاص نہ ہو، وہ محض چھلکا ہے، جس میں گری نہیں لکڑی ہے، جو بجز جلانے کے کسی کام کی نہیں۔ جسم ہے بلا روح کے اور صورت ہے بلا معنیٰ کے اور یہ منافقوں کا عمل ہے۔

صاحبزادہ! ساری مخلوق مانند اوزار ہے اور حق تعالیٰ ان کا کاریگر اور ان میں تصرف کرنے والا۔ پس جس نے اس کو سمجھ لیا، اس نے اوزار کی پابندی سے رہائی پائی اور ان میں تصرف کرنے والے پر نظر رکھی (کہ نجار کے تصرف کے بغیر نہ آری چیر سکتی ہے اور نہ کیل دوتختوں کو جوڑ سکتی ہے) مخلوق کے ساتھ رہنا، ناگواری وکلفت

اور کرب (کا موجب) ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ رہنا فرحت وراحت ونعمت ہے۔ اے راستہ سے دور پڑے ہوئے شخص! تجھے انسان، وجنات وشیاطین نے اپنا کھیل بنا رکھا ہے اور اے نفس وخواہش وطبیعت کے غلام! تو (متقدمین یعنی سلف صالحین) کے راستہ سے دور پڑا ہوا ہے۔ تیرے اور ان کے درمیان کوئی مناسبت نہیں رہی۔ تو اپنی رائے پر قناعت کر بیٹھا ہے اور تو نے اپنا کوئی استاد نہیں بنایا، جو تجھے معرفت اور ادب سکھاتا۔ تجھ پر افسوس تو گونگا بن گیا (کہ تجھ سے دعا بھی مانگی جاتی) فریاد کر، حق تعالیٰ کی جناب میں اور پشیمانی ومعذرت کے قدموں سے اس کی طرف رجوع کر کہ وہ تجھے تیرے دشمنوں کے ہاتھ سے چھڑائے اور تجھے ہلاکت سے نجات دے۔ جس بدحالی میں تو مشغول ہے، اس کے انجام کو سوچ، یقیناً اس کا چھوڑنا تجھ پر آسان ہوجائے گا۔ (فتوح الغیب)

حق تعالیٰ اور دنیا کی محبت کا متضاد ہونا

صاحبزادہ! حق تعالیٰ کی محبت اور غیر کی محبت ایک قلب میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دوقلب نہیں بنائے'' لہٰذا دنیا اور آخرت جمع نہیں ہوسکتیں اور خالق وخلق (ایک جگہ) جمع نہیں ہوسکتے۔ ناپائیدار اشیاء کو چھوڑ، تاکہ تجھے وہ شے حاصل ہو جسے فنا نہیں، اپنے نفس اور مال کو خرچ کر، تاکہ تجھ کو جنت حاصل ہو۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''بیشک اللہ نے مومنین سے ان کے نفس اور مال کو خرید لیا اس پر کہ ان کیلئے جنت ہے۔'' اس کے بعد جملہ ماسوا اللہ کی رغبت بھی اپنے قلب سے نکال، تاکہ اس کا قرب تجھ کو حاصل ہوجائے اور تو اس کی محبت میں رہنے لگے، دنیا اور آخرت میں۔ اے محبّ خدا، اس کی قضا وقدر کے ساتھ گھومتا رہ کہ جس طرح بھی وہ گھومے اور اپنے قلب کو جو قرب حق کی سکونت کا مقام ہے، پاک رکھ، جھاڑو دے کر ماسوا اللہ سے اس کو صاف کر اور توحید واخلاص اور صدق کی تلوار لے کر اس کے دروازہ پر بیٹھ جا اور خدا کے سوا کسی کیلئے بھی اس کو مت کھول اور اپنے قلب کے گوشوں میں سے کسی

گوشہ کو بھی غیراللہ سے مشغول مت بنا۔ حق تعالیٰ تمہارے قلوب سے تقویٰ اور اخلاص کا خواہاں ہے، وہ تمہارے ظاہری اعمال کو نہ دیکھے گا۔ (فتوح الغیب)

نفس کے سخت احتساب کی ضرورت
اور اس کی تنبیہ

اے جاہل! تو علم کا دعویٰ کرتا ہے اور ثبوت جہالت کے دے رہا ہے، کیونکہ تیرا دنیا کے پروردگار کے سوا دوسرے کسی سے طلب کرنا، تیری جہالت کی وجہ سے ہے کہ تو مخلوق تک اپنا شکوہ پہنچا کر مصیبتوں سے رہائی چاہتا ہے۔ تجھ پر افسوس، جب یہ حریص کتا (حیوان ہونے کے باوجود شکاری کی تعلیم سے) شکار کا (اپنے مالک کیلئے) محفوظ رکھنا سیکھ لیتا ہے اور اپنی حرص اور اپنی طبیعت کو ترک کر دیتا ہے اور یہ (عقاب و باز وغیرہ) پرندہ بھی تعلیم کی بدولت اپنی طبیعت کی مخالفت کرنے لگتا ہے اور اپنے شکار کئے گئے جانوروں کو کھا لینے کی عادت بدل ڈالتا ہے، جن کو وہ اپنے نفس کیلئے شکار کیا کرتا تھا۔ تو تیرا نفس (بحیثیت انسان) تعلیم کا زیادہ مستحق ہے کہ (اپنی خوئے بد چھوڑ کر اپنے اعمال کو اپنے آقا کی نذر کرنے کی) اس کو تعلیم دے اور سمجھا، تاکہ وہ تیرا دین نہ کھائے، تجھ کو پارہ پارہ نہ کرے اور حق تعالیٰ کی ان امانتوں میں خیانت نہ کرے، جو اس کی نگرانی میں دی گئی ہیں۔ مومن کے نزدیک اس کا دین گویا اس کا خون اور گوشت ہے (کہ اس کا تباہ کرنا کسی طرح گوارہ نہیں) تعلیم دینے سے پہلے نفس کو اپنے ساتھ مت رکھ۔ جب وہ تعلیم پا جائے اور مالک کی اطاعت کا حق سمجھ لے اور مطمئنہ بن جائے تو اس وقت جدھر بھی وہ جائے، اس کے ساتھ رہ اور کسی حالت میں بھی اس سے جدائی مت اختیار کر۔ جب وہ اطمینان والا بن جائے گا اور بردبار، واقف کار اور اس تقسیم شدہ چیز پر رضامند بن جائے گا، جو تقدیر سے اس کے پاس آئیں گی تو گیہوں کے میدہ اور جو کی روٹی میں کچھ فرق نہ سمجھے گا اور جن باتوں کا ماحصل صرف مزہ اڑانا ہے، وہ رفع ہو جائیں گی۔ فاقہ اس کو کھانے سے زیادہ بھلا معلوم ہوگا اور کارِ خیر، اطاعت اور ایثار تیرا

قوت بازد ہوگا۔ طبیعت بدل جائے گی، سخی اور کریم دنیا سے بے رغبت اور عاقبت سے بارغبت بن جائے گا۔ اس کے بعد جب تو آخرت سے بارغبت اور اپنے مولیٰ کا طلبگار بنجائے گا تو وہ بھی تیرے ساتھ اس کا طالب بن جائے گا اور تیرے قلب کے ساتھ اس کے دروازے کی طرف چلے گا۔ پس اُس وقت قسمت آئے گی اور کہے گی کہ کھالے، اے وہ شخص، جس نے کچھ کھایا نہیں اور پی لے، اے وہ شخص جس نے کچھ پیا نہیں۔ سمجھدار مریض کسی کے ہاتھ سے کھاتا نہیں، بجز طبیب کے یا اس کے حکم سے اور ہمیشہ اس کا ادب ملحوظ خاطر رکھتا ہے۔ اس کی بات ماننا اور اس کی موجودگی و عدم موجودگی دونوں حالتوں میں حرص کو چھوڑے رہتا ہے۔ اے حریص اور اے جلد باز! وہ کھانا جو درحقیقت تیرے لئے پیدا کر دیا گیا ہے، تیرے سوا کسی کی طاقت نہیں کہ اس کو کھالے۔ لباس، مکان اور، سواری جو تیرے لئے بنا دی گئی ہے، تیرے سوا کس کی طاقت ہے ان کو لے یا پہنے، پھر یہ نادانی کیسی؟ تجھے نہ قرار ہے، نہ عقل، نہ ایمان اور نہ حق تعالیٰ کے وعدہ کو سچا سمجھنا۔ (فتوح الغیب)

خوف اور امید کی درمیانی
حالت میں رہنا

اے زاہداو! تم اچھا زہد اختیار نہیں کرتے۔ اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے موافق زاہد بنتے ہو اور اپنی رائے کو مستقل سمجھتے ہو (خود رائے مت بنو) تابع بنو اور اللہ کی معرفت والے ان مشائخ کی صحبت اختیار کرو، جو عالم باعمل اور بغیر کسی لالچ کے خالص خیر خواہانہ نصیحت کی زبان سے مخلوق کی طرف متوجہ ہیں۔ وہ اپنے قلوب کا رُخ دنیا سے پھیر لینے اور حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دینے سے مال وجاہ کی طمع زائل کر چکے ہیں۔ وہ خدا ہی کی طرف سے متوجہ ہیں اور اس کے سوا سب سے روگرداں ہیں۔

صاحبزادہ! اس سے قبل کہ (تجھ کو موت آجائے اور تیری جگہ پر) تیرا جانشین بیٹھے، اپنے دل سے اپنے رب کی طرف رجوع کر۔ صالحین کے حالات میں تو

صرف ان کے تذکرہ اور ان کی تمنا پر قناعت کر بیٹھا ہے۔ یعنی جیسے کوئی شخص پانی کو مٹھی میں لے اور سمجھے کہ بڑی چیز قبضہ میں آ گئی، سو اس خیال خام سے ہاتھ دھو رکھ کیونکہ جب اپنا ہاتھ کھولے گا تو کچھ بھی نہ پائے گا۔ تجھ پر افسوس! خالی تمنا حماقت کا جنگل ہے کہ جس کے اندر خزانہ ڈھونڈنے کی ہوس میں احمق ہی مارا مارا پھرتا ہے۔ تو کام تو اہل شر کے سے کرتا ہے اور تمنا کرتا ہے اہل خیر کے درجات کی؟ یہ حماقت نہیں تو کیا ہے؟ جس شخص کی امید کو خوف پر غلبہ ہوا (کہ خدا سے سب کچھ مل جانے کی توقع میں اس کے عذاب سے نڈر بنا) وہ زندیق ہوگیا اور جس کا خوف اس کی امید پر غالب آیا (کہ مغفرت کی آس ٹوٹ گئی) وہ مایوس ہوگیا (کہ توبہ کی توفیق جاتی رہی) پس سلامتی ان دونوں حالتوں کے اعتدال میں ہے۔ یعنی جس درجہ میں طاعت پر رحمت کی توقع ہو، اسی درجہ میں معصیت پر گرفت کا اندیشہ ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''مومن کے خوف اور امید کو اگر وزن کیا جائے تو یقیناً دونوں برابر نکلیں گے۔'' (فتوح الغیب)

زندگی بھر کے تجربات ومشاہدات کا نچوڑ

(امام ابن جوزی کی کتاب ''صید الخاطر'' سے کچھ اقتباسات)

(امام ابن جوزی پانچویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں، عظیم المرتبت شخصیت ہیں، چھ سو کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کے مجالس وعظ ودرس غیر معمولی طور پر مؤثر تھے۔ ایک ایک لاکھ افراد شرکت کرتے تھے، بیس ہزار یہودی وعیسائی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، ان کی زیر نظر کتاب ان کی ستر سالہ زندگی کے تجربات ومعارف کا نچوڑ ہے۔ علامہ ابن جوزی نے تصوف واہل تصوف اور تقلید پر کافی تنقید بھی کی ہے، اس سلسلہ میں ان کے قلم میں کافی سختی کا مظاہرہ ہوا ہے، لیکن وہ علم فضل، تقویٰ اور اجتہادی صلاحیتوں کے اعتبار سے جس بلند مقام پر فائز ہیں، اس مقام کی حامل شخصیت کو اس بات کا پورا حق حاصل ہے

کہ وہ قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھ کر تنقید کرے، قرآن وسنت کی حفاظت کی یہی صورت ہے۔ لیکن ہم جیسے عامی افراد جو قرآن وسنت سے مسائل اخذ کرنے کی صلاحیت سے بے بہرہ ہیں اور نفس کی اصلاح وتزکیہ اور خود احتسابی کی استعداد سے قاصر ہیں، ان کے لئے ائمہ کی تقلید اور اہل اللہ کی صحبت کے بغیر چارہ کار نہیں، تقلید اور اہل تصوف پر ابن جوزی کی تنقید پر یہ کہے بغیر بھی رہا نہیں جا سکتا کہ موصوف اس تنقید میں اعتدال کے دامن کو قائم نہ رہ سکے ہیں، بلکہ اس میں ایک طرح کی نفی کی جھلک موجود ہے، جو ان جیسی شخصیت کے لئے زیبا نہیں تھا۔ مرتب)

باطن کی درستگی سے

خوشبو کا پھیلنا

حضرت انس بن مالک کے بارے میں ہے کہ ان کی نفلی عبادت اور صوم وصلاۃ کی کثرت نہیں تھی۔ بلکہ باطن کا نور تھا، جس کا باطن درست ہوجائے، اس کی فضیلت کی خوشبو پھیلتی ہے اور لوگوں کے قلوب اس سے مہک اٹھتے ہیں، لہٰذا باطن کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو کہ اس کے فساد کے ہوتے ہوئے ظاہری اصلاح کرو فائدہ نہیں دیتی۔ (۲۰۸ نفیس پھول مترجم مولانا عبدالمجید انور سیال)

وَعَسَى أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ. ہو سکتا ہے تمہیں ایک چیز پسند نہ آئے مگر واقعہ میں تمہارے لئے وہی بہتر ہوتی ہے۔ (۲۰۹)

جو شخص اللہ کے لئے کوئی چیز چھوڑتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر چیز عطا فرماتے ہیں۔

اس لذت میں کیا خیر،

جس کے بعد سزا وعذاب ہو

دنیا طبعی طور پر محبوب ہے، اس لذت میں کیا خیر، جس کے بعد سزا اور عذاب

ہے۔ کیا وہ شخص عاقلوں میں شمار ہو سکتا ہے، جسے کہا جائے کہ تخت شاہی پر ایک سال کے لئے بیٹھو، پھر تجھے قتل کریں گے، بلکہ عاقل وہ شخص ہے، جو جدوجہد اور مشقت کی تلخیوں پر صبر کرتا ہے، تاکہ انجام کار آرام وراحت پائے۔ (۱۸۰)

بے لاگ خواہشات کے نتیجہ میں
ہلاکت کا خطرہ

بخدا اگر تم مصیبت بیجھنے والے کی رضا کے لئے کوڑا کرکٹ کے ڈھیروں پر کتوں کے ساتھ سوجاؤ، تو اس کی رضا کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی نہیں اور اگر تم دنیاوی اغراض وخواہشات کی انتہا کو پالو اور وہ تم سے ناراض ہے تو تمہاری سلامتی ہلاکت میں ہے۔ (۱۱۵)

اللہ کی رضا سے پیچھے رہنے کا سبب
ہمت کی پستی کا ہونا

دنیا میں جو شخص بھی (اللہ کی رضا سے) پیچھے رہ گیا ہے، وہ اپنی ہمت کی کمزوری اور پستی کی وجہ سے پیچھے رہا ہے، یقین رکھ کہ تو مسابقت کے میدان میں اترا ہوا ہے اور اوقات دم بدم ختم ہورہے ہیں اور کبھی سستی کی طرف مائل نہ ہو کہ جو کچھ بھی کسی سے رہ گیا ہے وہ سستی کی وجہ سے رہا ہے اور کسی نے جو کچھ پایا ہے، وہ عزم وہمت سے پایا ہے اور ہمت قلوب میں اس طرح جوش مارتی ہے، جس طرح ہنڈیا جوش مارتی ہے۔ سلف کا قول ہے کہ بار بار محنت کرنا ہی سرمایہ ہے، اسی کی بدولت میں زندوں میں شمار ہوں۔ (۱۶۱)

صورتوں اور آوازوں کا دل میں نقش
ہونا کے عمل

آنکھ جن صورتوں کو دیکھتی ہے، وہ دل میں نقش ہونے لگتی ہیں اور کان جو سنتے ہیں، اس کی آوازیں خیال میں محفوظ ہونے لگتی ہیں اور اکثر اہل ملاقات غفلت والے ہوتے ہیں، اور طبیعت ان کی مجلس میں ان کی طبعی عادات واخلاق کو چرانے

لگتی ہے۔ (۳۳۴)

انسانی طبیعت کی مثال چور کی سی ہونا

طبیعت چور ہے، اگر اسے اپنے زمانہ کے لوگوں کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا تو وہ اہل زمانہ کے طبائع سے اخذ کرے گی، اور انہی کی طرح ہوجائے گی اور اگر متقدمین کے حالات اور طریقوں کا مطالعہ کیا جائے گا تو ان کے ساتھ چلنے کی کوشش ہوگی تو ان کا رنگ اور ان کے سے اخلاق پیدا ہوں گے۔

جو بھی بلند ہوا ہے
وہ نیتوں کی حفاظت کی وجہ سے ہوا ہے

سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے کہ تیرا جو عمل ظاہر ہوجائے، میں اسے شمار میں نہیں لاتا۔ معلوم ہونا چاہئے کہ مخلوق سے قطع تعلق کرنا اور عمل کے ذریعہ ان کے قلوب میں وجاہت کا طالب نہ ہونا، اپنے قصد اور نیت کو خالص کرنا اور حال کو چھپاکے رکھنا، یہ ایسے امور ہیں کہ جو بھی بلند ہوا ہے، انہی کی بدولت ہوا ہے۔ امام احمد بن حنبل ایک وقت میں ننگے پاؤں چلتے تھے، جوتا ہاتھوں میں ہوتا تھا۔ اور گری پڑی چیزیں جمع کرنے نکلتے تھے۔ بشر حافی ننگے پاؤں چلتے تھے اور تنہا نکلتے تھے معروف ؒ کھجور کی گھٹلیاں چنا کرتے تھے۔

نیتوں کی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے۔ مخلوق کے لئے بنا چھوڑ دینا چاہئے۔

سرداری کی تمنا اللہ سے نسیان
کا نتیجہ ہوتی ہے

سرداری کی تمنا اس وقت آتی ہے، جب دل کی غفلت، خلق کی ریاکاری اور حق تعالیٰ کا نسیان پختہ ہوجاتا ہے، تب اہل دنیا پر ریاست کی طلب پیدا ہوتی ہے۔

دعا کی قبولیت میں پوشیدہ حکمتیں

دعا مانگتے وقت قبولیت کی تاخیر سے پریشان نہ ہونا چاہئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ سے جہاد کے لئے دعا کر رہا تھا، آواز آئی کہ تو میدان جہاد میں جائے گا تو قید ہوجائے گا اور قیدی ہوکر نصرانی بن جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ مسلمان کی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ اسی وقت یا تاخیر سے یا وہ دعا ذخیرہ بن جاتی ہے۔ آخرت میں جب منظور نہ ہونے والی دعاؤں کا ثواب دیکھے گا تو تمنا کرے گا کہ کاش دنیا میں میری کوئی دعا قبول نہ ہوتی۔ (۱۶۴)

علم کے اسرار کا عمل کے بعد کھلنا

علم محض ظاہر کی وجہ سے نافع نہیں، علم کی حقیقت یہ ہے کہ عمل کے لئے اسے حاصل کیا جائے۔ علم کے اسرار اس کے بعد ہی کھلتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل کی طرف سے خوف کا
باب کھولنے کی دعا کرنا

روایت ہے کہ امام احمد بن حنبل نے، اللہ سے دعا کی کہ اس پر خوف کا باب کھول دیا جائے۔ لہٰذا جب خوف کا باب وا ہوا تو عقل کے ماؤف ہونے کا خطرہ ہوا۔ پھر عرض کیا کہ یا اللہ، پہلی حالت کو واپس لوٹایا جائے۔ (۱۶۶)

معاملات میں اعتدال کا ہونا

سارے امور میں بہترین چیز اعتدال ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک بار حضرت عائشہ سے دوڑ لگائی اور وہ آگے بڑھ گئی۔ دوبارہ پھر ایسا ہوا۔ اب کی بار آپ آگے بڑھ گئے، آپ کبھی مزاح بھی فرماتے تھے۔

سرکاری آفیسر کا
کھانا کھانے کی وجہ سے سزا کا ملنا

جس شخص کو پاکیزہ قلب اور لذت مناجات حاصل ہے، اسے اس کی حفاظت کرنی چاہئے، مجھے بھی پاکیزہ قلب اور لذت مناجات حاصل تھی کہ ایک صاحب منصب نے کھانے پر بلا لیا۔ انکار مشکل تھا، چلا گیا اور کھانا کھا لیا۔ جس کی تلخیاں اور سختیاں خوب یاد ہیں، جو نقد دیکھنی پڑیں اور مدت تک مسلسل رہیں۔ دل غصہ سے لبریز تھا اور اپنے حال احوال گنوا بیٹھا، دل ہی میں ایک دن کہنے

لگا کہ میں تو مجبور کی طرح تھا، سوچنے پر جواب ملا کہ حکم کی رعایت چند لقموں (سے بچنے) کے ذریعہ ممکن تھی۔ (۳۷۳)

اپنے حالات کے حوالے سے دعوت فکر

میں جب بھی علمی مشاغل سے خلوت کی طرف مائل ہونے لگتا تو علم مجھے پکارتا تھا کہ کہاں کا خیال ہے؟ مجھ سے منہ موڑ رہا ہے، جبکہ میں ہی تو تیری اس معرفت کا سبب ہوں تو میں اسے جواب دیتا تھا، بے شک تو دلیل اور رہنما تھا، مگر وصول کے بعد رہنمائی کی حاجت نہیں رہتی۔ وہ کہتا تھا افسوس۔ تو جس قدر بھی ادھر بڑھے گا، تیری محبوب کی معرفت بھی بڑھتی جائے گی اور اس کے قرب کی کیفیات محسوس ہونے لگیں گی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آئندہ کل تجھے محسوس ہوگا کہ تیرا آج کا خسارہ اور نقصان کا تھا اور کیا تو خود اللہ تعالیٰ کی بات پر توجہ نہیں دیتا کہ وہ اپنے نبی پاک ﷺ کو فرماتے ہیں (اور آپ کہیئے کہ اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما) اور تو اس کا قرب بھی تو چاہتا ہے، لہٰذا تجھے چاہئیے کہ اس کے بندوں کو اس کی طرف رہنمائی کر، حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہی طریقہ ہے، کیا تجھے علم نہیں کہ انہوں نے نے عبادت کی خلوتوں پر تعلیم خلق کو ترجیح دی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ ان کے محبوب (خدا تعالیٰ) کو زیادہ پسند ہے اور حضور ﷺ نے خود حضرت علیؓ کو فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ کا کسی کو تیری وجہ سے ہدایت عطا فرمانا تیرے لئے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے)۔

اس کلام کی سچائی محسوس کرتے ہوئے میں یونہی چلتا رہا، جب بھی لوگوں کے مجمع سے ملتا جلتا تھا، ذہن میں ایک انتشار سا پیدا ہوتا اور جب بھی ان کو نفع رسانی کا مقصد پورا ہوتے دیکھتا تو اپنا نقصان بھی سامنے آتا تھا، جس وجہ سے میں حیران اور تردد میں مبتلا رہتا تھا، کچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ کس قدم پر اعتماد کروں اور جب یوں حیران کھڑا ہوجاتا تھا تو علم پکارنے لگتا تھا، اٹھیے، اہل وعیال کے لئے کسب معاش کیجئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنیوالی اولاد حاصل کرنے کی کوشش کیجئے، پس جب میں

ادھر متوجہ ہوتا تو دودھ نکالنے کے وقت دنیا کے پستان سکڑ جاتے تھے اور میں معاش کے دروازے اپنے سامنے بند پاتا تھا، کیونکہ علمی مشغلہ نے کوئی اور فن سیکھنے کی مجھے فرصت ہی نہ دی تھی اور جب میں اہل دنیا کی طرف دھیان کرتا تو دیکھتا تھا کہ وہ دنیا کا سامان، خریدار کے دین کے عوض بیچ رہے ہیں اور کاش کہ ان لوگوں کے ساتھ نفاق کرنیوالا اور ریاکاری کرنیوالا ان کی دنیا ہی کا کچھ حصہ پالیتا، بلکہ بسااوقات تو یہ ہوا کہ اس کا دین بھی گیا اور مراد بھی حاصل نہ ہوئی، بد دل ہوکر بھاگنے کی سوچتا تو شریعت کا حکم سامنے آتا کہ ایک آدمی کو یہی گناہ کافی ہے کہ (ایسے لوگوں کو ضائع کردے، جن کی روزی کا وہ ذمہ دار ہے)۔

اگر گوشۂ تنہائی کا ارادہ کرتا تو کہنے والا کہتا ان کا کیا بنے گا، جن کی ذمہ داری ترے سر ہے، آخرکار میں نے دنیاوی امور میں قلت اختیار کرنا شروع کردی، جبکہ اسی کی نازونعمتوں میں میری تربیت ہوئی اور اسی کی چھاتیوں سے مجھے غذا ملی تھا اور مزاج میں طبعی لطافت سے بڑھ کر لطافت آچکی تھی، بس جب میں نے اپنا لباس بدل لیا اور کھانے میں بھی تنگی اور سادگی آگئی کہ اس میں وسعت آتی کہاں سے تو طبیعت میں عادت کے خلاف ہونے کی وجہ سے نفرت اور بیزاری پیدا ہوگئی، پھر بیمار رہنے لگا، واجبات کی ادائیگی ختم اور مصائب وآفات نے گھیرا ڈال لیا،ظاہر ہے کہ خوشگوار ذرائع سے لطیف ولذیذ غذا استعمال کرنے کے بعد روکھی سوکھی پر آجانا، جبکہ اس کی کبھی عادت بھی نہ تھی، یہ جان کو تلف کرنے کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔

اب جی سے مخاطب ہوں اور کہہ رہا ہوں، کیا کروں؟ کیسے کروں،اپنی تنہائیوں میں دل سے باتیں کرتا ہوں اور اپنی بدحالی پر خوب آنسو بہاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ کیا علماء والا راستہ اختیار کروں،جبکہ جسم میں علمی کاوشوں کے لئے ہمت نہیں ہے اور حالت زہد کے لئے بھی بدن طاقت نہیں رکھتا یا اہل محبت کا سا حال، جبکہ مخلوق سے میل جول کی وجہ سے ذہن میں پریشانی اور نفسیاتی خواہشات سے طرح طرح کے محبوب نقشے ابھرتے ہیں اور دل کا آئینہ زنگ آلود ہوا جاتا ہے، نیز یہ کہ

محبت کا پودا عمدہ زمین میں نشوونما چاہتا ہے، تاکہ فکر کے کنویں سے اسے خلوۃ کا پانی دیا جائے اور اگر کسب معاش کا راستہ پکڑوں تو اس کی طاقت نہیں اور اگر اہل دنیا کی دہلیز پر جاؤں تو ذلت سے طبعی بیزاری اور دینی وضع داری رکاوٹ بنتی ہے، لہٰذا رکاوٹوں کے ہوتے ہوئے ادھر میلان کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور لوگوں سے میل جول بھی تکلیف وہ بات ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ حصول پر قدرت نہیں ہے، علم وعمل یا محبت کا کوئی درجہ حاصل نہیں ہے، ایسے میں مجھے اپنا حال اس شعر کے عین موافق دکھائی دیتا ہے۔

(ترجمہ) کہ ہاتھ پاؤں باندھ کر مجھے دریا میں پھینک دیا ہے اور کہا یہ جارہا ہے کہ خبردار، بھاگنا نہیں ہے) میں اپنے معاملے میں حیران ہوتا ہوں، اپنی عمر پر روتا ہوں اور اپنی خلوتوں کے وسیع صحراؤں میں پکار پکار کر کسی کا وہ شعر پڑھتا ہوں، جو شاید میرے ہی لئے کہا گیا ہے۔ ہائے میری حسرت میں نے تیری محبت میں اپنی غلطیوں سے بھی سازباز کئے رکھی اور میری مثال اس اسیر کی ہے، جس کے پاؤں میں کوئی رسی ہے، نہ گلے میں کوئی پٹہ ہے۔

سلسلہ محبت میں میرے حیلے ختم اور تدبیریں بے کار ہوگئیں اور تونے میرے پروں کو جب مضبوط باندھ لیا تو حکم دیدیا کہ اڑ جا۔ (صفحہ۵۶-۵۷)

دعویٰ سے بچنے کا
خصوصی اہتمام ہونا

عرفان ومعرفت سے بُعد کے باوجود معرفت کا دعویٰ عجیب ترین دعویٰ ہے، بخدا، اسے وہی جانتا ہے، جو اس سے خوف رکھتا ہے اور اپنی حالت پر مطمئن آدمی اہل معرفت میں سے نہیں ہے اور صوفیاء کہلانے والوں میں بعض تغافل پسند ہوتے ہیں، جو اپنے نفس کو اس پر پکا رکھتے ہیں کہ وہ ولی ہے، محبوب ہے، مقبول ہے اور کبھی اس پر لطف وعنایات کا تسلسل ہوتا ہے تو یہ ان کو کرامات شمار کرنے لگتے ہیں اور اس استدراج اور ڈھیل کو بھول جاتا ہے، جو اس کی عیش ومسرت کے تمام لمحات کو

ختم کردے گی اور کبھی یہ دوسرے کو حقیر جانتا ہے اور یہ بھی گمان رکھتا ہے کہ پھر بھی اس کا مقام ومرتبہ بدستور محفوظ ہے، اسے ان چند رکعتوں نے دھوکے میں ڈال دیا ہے، جن میں وہ ذرا کھڑا ہو لیتا ہے یا اس عبادت نے، جس کی وہ کچھ مشقت اٹھا لیتا ہے اور کبھی وہ اپنے کو زمین کا قطب خیال کرتا ہے اور یہ کہ اب اس کے مقام تک کوئی اور نہ پہنچ سکے گا اور گویا اسے پتہ ہی نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم کا مقام حاصل تھا اور ان کے بعد یوشع علیہ السلام نبی آگئے۔ زکریا علیہ السلام کی دعائیں قبول ہوتی تھیں، وہ آرے سے چیر دیئے گئے، یحیٰ علیہ السلام کی تعریف میں آیا ہے کہ وہ سید تھے، ان پر ایک کافر مسلط ہوا، جس نے ان کا سر کاٹ دیا اور بلعام، اسم اعظم کا رازدان تھا، مگر کتے والا حال اس کا ہوگیا اور ایک شریعت نافذ العمل ہوتی تھی، مگر وہ منسوخ ہوجاتی تھی اور حکم باطل ہوجاتا تھا اور ایک اچھا بھلا بدن فاسد اور آفت زدہ بن جاتا رہا اور ایک عالم محنت وریاضت کرتا اور ایک خاص مقام تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے زمانہ میں ہی ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے، جو اس کے عیوب اور غلطیوں کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے اور کتنے قادر الکلام لوگ ہیں، جو کہتے ہیں کہ ہماری مثل کوئی نہیں اور اگر وہ زندہ رہتے، اس فصاحت کو سن پاتے، جو ان کے بعد آئی تو وہ اپنے آپ کو گونگا سمجھنے لگتے اور یہ ابن سماک، ابن عمار، ابن سمعون کے وعظ ہیں، جو ہمارے بعض شاگردوں کے شایان شان نہیں اور نہ ہی انہیں پسند آتے ہیں تو ہمارا کوئی معاصر کیا عجب دکھا سکتا ہے، ممکن ہے ہمارے بعد کوئی ایسا آجائے، جو ہمیں کسی شمار ہی میں نہ رکھے، پس کسی کی ہمسری اور مخالفت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، ایک بیدار مغز آدمی کو بہت محتاط رہنا چاہئے، اپنی کثیر اطاعت کو بھی حقیر ہی سمجھے، نفس کے انقلابات اور تقدیر کے فیصلوں سے ہمہ وقت خائف رہے اور یہ یقین رکھو کہ ان مذکورہ اشیاء کو پیش نظر رکھنا عجب کی گردن کو توڑ دیتا ہے اور تکبر کا نشہ جاتا رہتا ہے۔ (صفحہ۱۴۶۔۱۴۷)

علم کے اسرار عمل سے کھلتے ہیں

علم بھی محض اپنے ظاہر کی وجہ سے نافع نہیں ہے، بلکہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے اور اس کی حقیقت اسے ملتی ہے، جو عمل کے لئے علم حاصل کرتا ہے اور علم جب بھی کسی فضیلت پر اس کی رہنمائی کرتا ہے، وہ اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جب بھی کسی برائی سے منع کرتا ہے تو یہ بچنے کی پوری کوشش کرتا ہے، تب جاکر علم اپنے اسرار اس پر کھولتا ہے اور اس کا طریق اس پر آسان ہوجاتا ہے اور اس کی مثال اس کھینچنے والے کی طرح ہوجاتی ہے، جو دوسرے کو کھینچنے کے لئے تیار کرتا ہے اور وہ جب ذرا حرکت کرتا ہے تو اس کی رفتار تیز ہوجاتی ہے اور جو شخص اپنے علم پر عمل نہیں کرتا، علم اپنی گہرائیوں پر اسے مطلع نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے اسرار اس پر منکشف کرتا ہے اور اس کی مثال ایک مجذوب کی ہے، جسے کھینچنے والا گھیسٹ رہا ہے، اس مثال کو سمجھ کر اپنی نیت وقصد کی اصلاح کر لو، ورنہ تعب ومشقت میں مت پڑو۔ (صفحہ۱۶۵)

رسمی دینداری کے نام پر
حقیقی دینداری سے دوری کی روش

میں نے بہت سے لوگ دیکھے ہیں، جو نجاست کے چھینٹوں سے پرہیز کرتے ہیں، مگر غیبت سے انہیں وحشت نہیں ہے، کثرت سے صدقہ دیتے ہیں اور سودی معاملات کی پرواہ نہیں کرتے، رات کو تہجد پڑھتے ہیں اور فرض کو وقت سے ٹال دیتے ہیں، بہت سی بے حد وحساب چیزیں جو غیرضروری اور معمولی ہیں، خوب یاد کر رکھی ہیں اور اصولی اور بنیادی باتیں ضائع کر رکھی ہیں۔ میں نے اس کا سبب تلاش کیا تو دو باتیں معلوم ہوئیں (۱) عادت (۲) مطلوب کے حصول میں خواہش کا غلبہ کہ وہ کبھی ایسی غالب آتی ہے کہ کچھ سنائی دے، نہ دکھائی دے، اس کی نظیر یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب منادی کی آواز سنی ''کہ تم چور معلوم ہوتے

ہو" تو جواب دیا "بخدا تمہیں معلوم ہے کہ ہم یہاں فساد وشر پھیلانے نہیں آئے اور چوری کرنا، ہماری عادت بھی نہیں۔"

تفسیر میں آتا ہے کہ وہ مصر میں داخل ہوئے تھے تو اپنے اونٹوں کے منہ پر غلاف (تھیلے) چڑھا کر لائے تھے، تاکہ وہ کسی کا مال ناحق نہ کھالیں، گویا انہوں نے یہ کہا کہ تم نے دیکھا کہ اونٹوں کے ساتھ ہم نے کیا کیا تھا، بھلا ہم چوری کیسے کر سکتے ہیں، مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ ورع میں اور کسی کا لقمہ اٹھا لینے میں یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالنے اور ناقص ثمن کے عوض بیچنے میں فرق کیا ہے، کتنے لوگ ہیں، جو معمولی باتوں میں تو اطاعت کرتے ہیں، بڑی باتوں میں نہیں یا ایسی باتوں میں جو آسان ہوں یا عادت کے موافق یا ایسی باتوں میں جو ان کی خوراک وپوشاک کی عادت میں خلل انداز نہ ہوں۔ بہت سے لوگوں کو ہم دیکھتے ہیں، جو سود لیتے ہیں اور پھر یوں بھی کہنے لگتے ہیں کہ میرا دشمن مجھے کیسا دیکھے گا، جب میں اپنا گھر فروخت کروں گا یا لباس یا سواری تبدیل کروں گا۔ (صفحہ۱۷۰)

دینداری کے نام پر عادت کے اثرات

ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ طہارت میں وسوسہ رکھتے ہیں اور کثرت سے پانی استعمال کرتے ہیں، مگر غیبت سے ذرا نہیں بچتے اور بہت سے ہیں، جو اپنی اغراض حاصل کرنے کے لئے غلط تاویلات کرلیتے ہیں اور جانتے بھی ہیں کہ یہ جائز نہیں، حتیٰ کہ میں نے ایک نیک عبادت گذار آدمی کو دیکھا، جسے کسی شخص نے مسجد بنانے کو رقم دی، اس نے وہ صحیح مال تو اپنے لئے رکھ لیا اور اس کے عوض ناقص اور ردی سکے لگادیے، مرنے لگا تو اس شخص سے کہا کہ مجھے معاف کردو کہ میں نے فلاں فلاں کام کیا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں، جو گناہوں کو اس لئے چھوڑے ہوئے ہیں کہ ان کی رسائی وہاں تک نہیں اور وہ اس حالت سے مانوس ہوجاتے ہیں اور جب کبھی گناہوں کے قریب پہنچ جائیں تو بے قابو ہوجاتے ہیں، اس سلسلہ میں لوگوں کے عجیب وغریب حالات وواقعات ہیں، جن کا ذکر بھی طویل ہے، ہمارے علم میں ہے کہ علماء یہود کے ایک طبقہ نے اپنے دین میں زائد عبادت کا بوجھ بڑھا رکھا تھا،

جب اسلام آیا اور اس کے صحیح ہونے کا علم بھی ان کو ہوگیا، وہ اپنی خواہشات کے مقابلہ کی ہمت نہ کر سکے، جو ان کی ریاست کے ختم ہونے کے بارے میں تھیں، ایسے ہی قیصر روم نے آپ ﷺ کی رسالت دلائل کی روشنی میں پہچان لی، مگر وہ اپنی خواہش کے مقابلہ اور ملک کے ترک پر قادر نہ آسکا، بس اصول اور بنیادی باتوں کو ضائع کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور خواہشات کے بے لگام چرنے میں اس کا خوف کھاؤ، کیونکہ مویشی کھلے چھوڑ دیے جائیں تو تقویٰ کی کھیتی میں بربادی لاتے ہیں۔ (صفحہ۱۷۱)

خواہش نفس کی مثال

بے قابو درندہ کی سی ہے

خواہش نفس کی مثال اس درندے کی سی ہے، جس کے گلے میں زنجیر ہے، اس کا محافظ اگر اسے مضبوطی سے تھامے گا تو اس کو روک سکے گا اور کبھی اس درندہ کی خواہشات خود اس پر غالب آجاتی ہیں کہ زنجیر بھی ان کا مقابلہ نہیں کر پاتی تو وہ آزاد ہوجاتا ہے، مگر ہاں بعض حضرات ایسے بھی ہیں، جو اپنی خواہشات کو زنجیر کے ذریعہ قابو میں رکھتے ہیں اور بعض دھاگے سے ہی قابو پالیتے ہیں، لہٰذا عاقل کو چاہئے کہ خواہش کے شیاطین سے بچتا رہے اور اس چیز کو نگاہ میں رکھے جس کے ذریعہ وہ اپنے دشمن پر غالب آسکتا ہے اور کون ہے جو اس پر غلبہ پا سکتا ہے۔ (صفحہ۱۷۱)

سب سے بڑا خطرناک روگ

احساس گناہ کا جاتے رہنا

سب سے بڑی خطرناک بات یہ ہے کہ فرد، گناہ کے بعد اپنی عافیت اور سلامتی سے دھوکہ کھانے لگے، کیونکہ سزا میں تاخیر بھی ہوسکتی ہے اور سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ انسان کو اس سزا کا احساس ہی نہ رہے یا یہ کہ وہ سزا، سلب دین کی شکل میں ہو یا دلوں کے بے نور ہونے کی شکل میں یا نفس کے اختیارات کی صورت میں، جس سے بدن سلامت رہتا ہے اور اغراض بھی پوری ہوتی رہتی ہیں، بعض قابل اعتماد بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک ناجائز مقام پر نظر لگا بیٹھا اور اور پھر اس کے انجام کی انتظار لگ گئی، چنانچہ مجھے مجبورا ایک طویل سفر کرنا پڑا، جس کیلئے میرا کوئی

ارادہ نہ تھا، بڑی مشقتیں اٹھائیں، اس کے بعد ایک انتہائی قریب عزیز کی موت واقع ہوگئی اور بہت سی ایسی چیزیں بھی ضائع ہوئیں، جو میرے نزدیک بہت ہی قابل قدر تھیں، پھر میں نے توبہ کے ذریعہ تلافی کی تو حال بنا، ایک بار پھر خواہش کا غلبہ ہوا اور پھر اسی بدنگاہی میں مبتلا ہوگیا، جس سے دل بے نور ہوگیا، رقت ختم ہوگئیں اور سابق نقصان سے کہیں زیادہ نقصان ہوا اور مجھے ان نقصانات کے عوض ایسی چیزیں ملیں، جو نہ ملتیں تو بہتر تھا، جب میں نے غور کیا کہ میں نے گنوایا کیا ہے اور اس کی عوض کیا پایا ہے تو ان تازیانوں کی چوٹ سے میں چیخ اٹھا، سو خبردار، میں ساحل پر کھڑا پکار رہا ہوں: میرے بھائیو، اس سمندر کی گہرائی سے بچو، اس کی سطح کا سکون دیکھ کر دھوکہ مت کھاؤ، ساحل کو لازم پکڑ لو اور تقویٰ کے قلعہ کو لازم پکڑ لو کہ سزا بہت سنگین اور تلخ ہے اور یہ بھی جان لو کہ تقویٰ کی پابندی میں اغراض وخواہشات کے پورا نہ ہونے کی تلخیاں ضرور ہیں، مگر ان کی مثال علاج اور پرہیز کی ہے، جس کا انجام صحت ہے اور بدپرہیزی کبھی اچانک موت تک پہنچا دیتی ہے۔ (صفحہ۱۸۵)

اللہ کے لئے ایک چیز کو چھوڑنے سے
اس سے بہتر عطا ہونا

جو شخص اللہ کیلئے کوئی چیز چھوڑتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر عطا فرماتے ہیں، ایک دفعہ میں نے اپنی نفسانی خواہش کے حصول پر قدرت پالی، جو میرے نزدیک پیاسے کے منہ میں میٹھے پانی سے بھی زیادہ لذیذ تھی، تاویل کہہ رہی تھی کہ تقویٰ اور احتیاط کے سوا کوئی مانع اور رکاوٹ نہیں ہے اور بظاہر وہ ناجائز تھی، میں متردد ہوا اور نفس کو اس سے روک دیا، میں حیران تھا کہ میں نے کس طرح اس کے انتہائی مطلوب سے اسے منع کر دیا ہے، جبکہ سوا شرعی ممانعت کے اور کوئی رکاوٹ بھی نہیں اور میں نے کہا اے نفس، بخدا تیرے مطلوب کے حصول کی کوئی صورت نہیں، بلکہ اس سے بھی کم درجہ کی، اس پر نفس بے چین ہوا تو میں نے پکار کر کہا کہ تیری کتنی مرادوں کے حصول میں تیری موافقت کی ہے، جن کی لذت تو جاتی رہی اور

اس فعل پر تاسف آج تک باقی ہے۔

فرض کیا، یہ مراد بھی پوری ہوگئی تو کیا لذت سے کئی گنا زیادہ ندامت نہ اٹھانی ہوگی، اس پر نفس نے کہا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے، میں نے جواب دیا شعر (ترجمہ) میں نے صبر کیا ہے اور بخدا، محبت کے مقابلہ میں صبر کی ہمت مجھ میں نہیں ہے لیکن یہ صبر مجبوری کی وجہ سے ہے اور دیکھ، میں اپنے اس عمل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین جزا کی توقع رکھتا ہوں اور صبر کی جزا کبھی فوری مل جاتی ہے اور کبھی موخر ہوجاتی ہے، جلدی ملے تو خیر اور اگر موخر ہوجائے تو مجھے اپنے رب سے ڈرنے والے کیلئے اچھی جزا ملنے میں ذرہ شک نہیں، کیونکہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کیلئے کچھ چھوڑتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بہترین عوض عطاء فرماتے ہیں اور بخدا میں یہ مطلوب اللہ تعالیٰ ہی کیلئے چھوڑ رہا ہوں اور بطور ذخیرہ آخرت کے چھوڑنا بھی مجھے کافی ہے، حتیٰ کہ اگر مجھے کہا جائے کہ تجھے کچھ یاد ہے کہ تو نے اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنی خواہش پر ترجیح دی تھی تو میں کہدوں گا کہ ہاں فلاں فلاں دن تو اے نفس، تجھے عطا کرنے والے کی اس توفیق پر خوش ہونا چاہئے، ورنہ کتنے ہیں جو محروم ہیں اور ڈرتا رہ کہ کہیں تجھے بھی ان میں شامل نہ کر لیا جائے "**ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**" یہ ۱۱۶۴ھ کی بات ہے اور میں ۶۵ میں داخل ہوا تو مجھے وہ بہترین عوض ملا، جس کی مثال نہیں، میں نے کہا کہ یہ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کیلئے چھوڑنے کی وہ جزا ہے، جو دنیا میں ملی ہے اور آخرت کے اجر کا تو کیا ہی پوچھنا۔ (صفحہ۱۹۹)

نفس سے مکالمہ

میں ایک مصیبت میں مبتلا ہوگیا، اس سے نجات اور راحت حاصل کرنے کیلئے میں نے بہت دعا کی، مگر قبولیت میں تاخیر ہوئی، حتیٰ کہ نفس بے چین ہونے لگا اور دعا میں رکاوٹ ہونے لگی تو میں نے زور سے پکار کر کہا، تیرا ناس ہو، ذرا اپنے معاملہ میں بھی غور کر لیا ہوتا، کیا تو مملوک ہے یا آزاد؟ اپنی تدبیر تو خود کرتا ہے یا کوئی اور؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ دنیا آزمائش وامتحان کا مقام ہے تو جب تو کسی غرض

کی طلب کرے اور مطلوب کے خلاف دیکھ کر صبر نہ کرے تو آزمائش کیا ہوئی، امتحان تو اعراض کرنے اور مقاصد کے خلاف ہونے میں ہے، لہٰذا مکلّف ہونے کا معنی سمجھ، مشکل آسان ہونے لگے گی اور گرانی خوشگوار ہوجائے گی، میری بات سن کر نفس نے کچھ سکون محسوس کیا تو میں نے پھر کہا کہ میرے خیال میں ایک اور بات بھی ہے،وہ یہ کہ تو حق تعالیٰ سے اپنی اغراض کا تقاضا کرتا ہے، مگر اپنی ذات سے حق تعالیٰ کے واجب کا تقاضہ نہیں کرتا، یہ تو سراسر جہالت ہے، جبکہ یہاں ہر معاملہ برعکس ہونا چاہئے، کیونکہ تو مملوک ہے اور صاحب عقل مملوک اپنے نفس سے حق مالک کی ادا کا تقاضہ کیا کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ مالک پر اس کی خواہش کو پورا کرنا لازم نہیں، اس نے پہلے سے کچھ زیادہ سکون محسوس کیا تو میں نے پھر کہا کہ میرے نزدیک ایک تیسری بات بھی ہے وہ یہ کہ تو نے قبولیت میں تاخیر محسوس کی ہے، حالانکہ تو نے خود معاصی کے ذریعہ اس کا راستہ روکا ہوا ہے تو نے اگر اس کا راستہ کھولا ہوتا تو وہ جلد آجاتی۔

گویا تجھے علم ہی نہیں کہ راحت کا سبب تقویٰ ہے، کیا اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سنا **وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا.**

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ پیدا فرماتے ہیں اور یہ کہ تقویٰ اختیار کرنے والے کے کام میں آسانی پیدا فرماتے ہیں۔

کیا اس سے یہ سمجھا نہیں جا سکتا کہ معاملہ الٹ ہو تو نتیجہ برعکس ہوجائے گا، آہ، غفلت کا بند جو سب سے زیادہ قوی ہے، مراد کے پانی کے آگے بندھا ہوا ہے اور اسے خواہشات کی کھیتیوں تک پہنچنے سے روکے ہوئے ہے، بس نفس کو اس بات کے صحیح ہونے کا یقین ہوا اور مطمئن ہوگیا، مگر میں نے پھر کہا کہ میرے نزدیک ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ تجھے مال کی طلب ہے جس کے انجام سے بھی تو واقف ہے اور بعض دفعہ اس میں مضرت بھی ہوتی ہے لہٰذا تیری مثال اس بیمار بچے کی سی ہے، جو میٹھی چیز کا تقاضا کرتا ہے اور تیرا نگہبان تیری مصلحت سے خوب واقف ہے،

کیسے نہ ہو، جس کا خود اپنا فرمان ہے **وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ** . کہ ہوسکتا ہے تمہیں ایک چیز پسند نہ آئے، مگر واقعہ میں تمہارے لئے وہی بہتر ہوتی ہے میری ان باتوں سے نفس کا اطمینان بڑھتا رہا تو میں نے اسے ایک اور بات سنائی کہ اس مطلوب کے ذریعہ تیرے اجر میں نقصان اور مرتبہ میں کمی واقع ہوسکتی تھی تو اللہ تعالیٰ کا ایسی مضر چیز کو تجھ سے روک لینا، خود ایک عطا ہے اور اگر تو اپنی آخرت بنانے والی کوئی چیز طلب کرتا تو تیرے لئے بہتر ہوتا، اب بہتر یہی ہے کہ میری اس تفصیل کو خوب سمجھ لے، کہنے لگا تو نے اپنی تشریح وتفصیل کے گلستاں میں مجھے خوب سیر کرائی، یہ سمجھ آجانے پر اب میں بالکل مطمئن ہوں، خوش ہوں۔ (صفحہ۲۰۸۔ ۲۰۹)

نفس کے ساتھ نرم
معاملہ کرنا ضروری ہے

نفس کے ساتھ نرم معاملہ ضروری ہے، کیونکہ ایک ہی دم میں دو مرحلے طے کرنے والے کو کچھ توقف کرنا چاہئے، لہٰذا مناسب ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، اچھے طریق سے سفر کرے، جب سواری کے اونٹ تھک جاتے ہیں تو ساربان انہیں حدی (گیت) سناتے ہیں اور محنت کے لئے تازہ دم ہونا بھی محنت ہی میں داخل ہے اور تیرنے والے کا موتی کے لئے غوطہ لگانا بھی ابھرنا ہی شمار ہوتا ہے، جنگل کی راہ کٹھن ہوتی ہے اور مسلسل سفر اونٹوں کو تھکا دیتا ہے اور جو شخص اپنے نفس کے ساتھ حسن معاملہ چاہتا ہے، اسے آنحضرتﷺ کی سیرت نظر کرنی چاہئے کہ وہ اپنے نفس کے ساتھ نرم برتاؤ فرماتے تھے، بیویوں سے میل ملاپ اور مزاح بھی فرماتے، بوس وکنار بھی، حسین عورتوں کو (ازدواجی زندگی میں) پسند فرماتے تھے، آپ کے لئے میٹھا پانی لایا جاتا تھا اور ٹھنڈا پانی پسند فرماتے تھے اور موافق طبع کھانا اختیار فرماتے تھے، مثلاً کمر کا یا دستی کا گوشت اور میٹھی چیز اور یہ سب باتیں ایسی ہیں، جیسے سفر کے دوران اونٹ کے ساتھ مراعات کرنا اور جو شخص اس پر کوڑا کھینچ لے تو امید نہیں کہ وہ راستہ

طے کر سکے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دین بہترین دین ہے، اس میں نرمی کے ساتھ زندگی گزارو اور بغیر ضروریاتِ سفر کے آدمی نہ مسافت قطع کرتا ہے اور نہ ہی سواری کو صحیح سالم باقی چھوڑتا ہے اور یہ بھی یاد رکھئے کہ عاقل انسان کو چاہیئے کہ ایسے امور میں اپنے کو غافل بنالے، جن امور میں عقل قباحت سمجھتی ہے۔ (صفحہ ۲۳۷)

فضول عیش کے نتائج

دنیا میں (حقیقی) زندگی اسی کی ہے، جو قلیل پر گذارہ کرلیتا ہے۔ اس لئے کہ فضول عیش کی حرص جتنی بڑھے گی، افکار بڑھیں گے، قلبی انتشار پیدا ہوگا اور فرد غلام بن کر رہ جائے گا۔ بعض لوگوں نے قناعت چھوڑ دی، عیش میں پڑ گئے، جس سے دوسروں کے آگے ذلیل بھی ہوئے اور اپنے دین کو بھی خراب کیا۔ (صفحہ ۴۴۳)

وقت کی قدر کی ضرورت

وقت انتہائی گراں قدر ہے۔ ایک لحظہ بھی ضایع کرنے کے قابل نہیں، بخاری شریف میں حدیث ہے کہ جو شخص سبحان اللہ وبحمدہ کہتا ہے اس کے لئے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگ جاتا ہے۔

وقت اور زمانہ کھیتی کی طرح ہے، گویا انسان کو کہا جارہا ہے کہ جب بھی کوئی بیج کاشت کرے گا، ہم اس سے ہزاروں بوریاں غلہ کی اگائیں گے تو کیا کسی عاقل کو زیب ہے کہ بیج بونے میں توقف کرے یا سستی دکھائے۔ (۲۴۲)

مومن کو دنیا کی ہر چیز
آخرت کی طرف منتقل کرنے کا موجب

مومن کا دھیان آخرت میں لگا رہتا ہے اور دنیا کی ہر چیز اسے آخرت کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ اور کوئی شے اگر اسے غافل کردے تو اس کی ہمت وارادہ اسے پھر متوجہ کر دیتا ہے۔ (۳۷۴)

مؤمن کے تفکرات کی نوعیت

مومن جب تاریکی دیکھتا ہے تو قبر کی تاریکی یاد کرتا ہے۔ کوئی تکلیف دہ چیز دیکھتا ہے تو عذاب کو یاد کرتا ہے۔ کوئی پریشان آواز سنتا ہے تو نفخہ صور کو یاد کرتا ہے۔ لوگوں کو نیند کی حالت میں دیکھتا ہے تو قبروں کے مردوں کی طرف دھیان کرتا ہے۔ لذت کی چیز دیکھتا ہے تو جنت کو یاد کرتا ہے، بس اس کی فکر اور سوچ وہاں کی اشیاء سے وابستہ ہے اور یہ چیز اسے ہر گناہ سے بچائے رکھتی ہے۔ (۲۷۴)

کس کی دشمنی، یا گناہ کا نتیجہ ہوتی ہے، یا
درجات کی بلندی کا

کسی کی مخالفت یا دشمنی یا تو کسی گناہ کا نتیجہ اور اس کی سزا ہوتی ہے یا درجات کی بلندی کا ذریعہ ہوتی ہے۔

اغنیاء کی صحبت سے دنیا کا حسین بن کر سامنے آنا

اغنیا کی صحبت سے دنیا حسین بن کر سامنے آنے لگتی ہے۔

گناہ کے ذریعہ
مال کمانے کا نتیجہ

جو شخص گناہ کے ذریعہ مال کماتا ہے پھر اس سے صلہ رحمی کرے یا صدقہ کرے یا فی سبیل اللہ خرچ کرے، یہ سب جمع کرکے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (حدیث شریف)

اے اللہ (محمد ﷺ) کے گھرانے کی روزی بقدر ضرورت کردے۔

فاخرانہ چال چلنے والے کا حشر

ایک شخص پوشاک اوڑھے بالوں میں کنگھی کرکے، فاخرانہ انداز سے چل رہا تھا کہ زمین میں دھنسا دیا گیا۔ جو قیامت تک یوں ہی نیچے چلتا جائے گا۔ (حدیث)

جو شخص افکار میں یکسوئی اور قلب کی اصلاح چاہتا ہے، اسے چاہئے کہ لوگوں کی مجالس سے دور رہے۔

بازار جانے سے ظلمات کا چھا جانا

ایک صاحب دل شخص بازار سے واپس گھر آتا ہے تو اس کا دل بدلا ہوا ہوتا ہے۔

وارثوں کو غنی چھوڑ جانا بہتر ہے

آنحضرتﷺ کا ارشاد ہے کہ اپنے وارثوں کو غنی چھوڑ کر جانا، اس سے بہتر ہے کہ تیرے بعد وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔

مال کے وقت امام احمد بن حنبل کی حالت

ہر ذلت سے بڑی ذلت مالداروں اور امراء کی صحبت میں جانا ہے۔ امام احمد بن حنبل کی خدمت میں مال آیا بیٹے نے قبول کرنے کا مشورہ دیا تو فرمایا، بیٹے مجھے پاک دامن رہنے دے۔

علم کے راستے سے دنیاوی اغراض
اور معاصی کی لائین میں لگ جانا

علم سے منسوب بہت سے لوگ دنیاوی اغراض کے لئے معاصی کی لائین میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کے علم کا کیا نفع ہوا اور بہت سے لوگوں کو حصول اغراض کے لئے زہد کا روپ دھارتے دیکھا، بس دنیا ایک جال ہے اور لوگ چڑیوں کی مانند ہیں اور چڑیا دانے پر گرتی ہے اور پھنس جانے کا خیال نہیں رکھتی۔ بہت سی مخلوق نقد لذتوں کے شوق میں اپنے انجام کو بھول چکی ہے۔

عام کتوں اور شکاری کتوں کی حالت
ایک دوسرے سے جداگانہ روش

شکاری کتے جب محلّہ کے کتوں کے پاس سے گذرتے ہیں تو یہ ان کو خوب بھونکتے ہیں اور ان کے پیچھے بھاگتے ہیں، یوں لگتا ہے کہ یہ ان کو تعظیم وتکریم والے جان کر ان پر حسد کھاتے ہیں۔ مگر شکاری کتے ان کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کرتے اور بظاہر یوں لگتا ہے کہ یہ شکاری کتے ان کتوں کی جنس ہی سے نہیں۔ (صفحہ۲۲۹)

صاحب عقل مومن کی وادی کا الگ ہونا

یہی حال صاحب عقل مومن کا ہے جو اپنے حاسد پر توجہ نہیں دیتا اور نہ ہی اسے کسی شمار میں لاتا ہے، اس لئے کہ اس کی وادی الگ ہے۔ اس کی وادی الگ، یہ دنیا کی بنیاد پر اس سے حسد رکھتا ہے اور اس کا نصب العین آخرت ہے دونوں وادیوں کے درمیاں بڑا فرق ہے۔ (۲۲۹)

حسد کا دین پر غالب آجانا

حاسد کی نرم کلامی سے دھوکہ نہ کھانا، کیونکہ حسد دین پر غالب آجاتا ہے۔ قابیل کو حسد ہی نے قتل پر آمادہ کیا تھا، یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کھوٹے داموں فروخت کیا تھا۔ ابو عامر راہب عبادت گذار شخص تھا اور عبداللہ بن ابی رئیسوں میں سے تھا۔ مگر رسول اللہﷺ سے حسد نے دونوں کو نفاق میں اور ترک ہدایت میں دھکیل دیا۔ یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ حاسد کے لئے اس کی حالت سے بڑھکر سزا چاہی جائے۔ (واضح ہوکہ امام ابن حزم کی مذکورہ عربی کتاب کا اردو ترجمہ ''نفیس پھول'' کے نام سے ہوا ہے۔ شیخ الحدیث مولانا انور صاحب نے ترجمہ کیا ہے، یہ حوالے اسی سے ماخوذ ہیں)۔

بندہ مومن کے لئے دستور العمل

(حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی وصیتوں کے آئینہ میں)

(حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ علم وفضل اور تصوف ومعرفت کی دنیا کی ممتاز شخصیت ہیں، شیخ الشیوخ ہیں، حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ ملتانی اور شیخ سعدیؒ انہی کے فیضیافتہ ہیں، ان کی کتاب ''عوارف المعارف'' تصوف ومعرفت پر منفرد نوعیت کی کتاب ہے۔ حضرت شیخ سہروردیؒ کی ایک کتاب وصایا پر بھی مشتمل ہے، جس میں

ان کی طرف سے اپنے خلفاء اور فقراء کو، کی گئی وصیتیں اور نصیحتیں شامل ہیں، اس کتاب کی تلخیص وترجمہ حضرت مولانا نسیم احمد فریدی صاحب نے کی ہے، جو ''الفرقان'' لکھنو کے پرانے شماروں میں قسط وار شائع ہوئی ہیں۔

یہ وصیتیں کیا ہیں؟ ان کا ایک ایک جملہ نفسی قوتوں کی معرفت، اپنے نفس کی فریب کاریوں سے چوکنا ہونے کے انتباہات، دنیا واہل دنیا کی شرارتوں سے بچنے کی تاکید، ذکر اللہ، خلوت اور صحبت صالحہ کے ذریعہ نفس کو مہذب بنانے کی پُر زور وصیتوں، اپنے زندگی بھر کے تجربات ومشاہدات اور ریاضتوں کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی معرفت کی روح ان میں شامل ہے، یہ وصیتیں ایسی ہیں، جو اللہ کے ہر طالب کو جھنجھوڑ کر، اللہ کی راہ پر گامزن ہونے، ذکر وفکر کے ذریعہ اندر میں غوطہ زن ہونے اور راہ حق پر استقامت سے چلنے کے لئے ابھارنے والی ہیں ہم یہاں وصیتیں پیش کر رہے ہیں۔ مرتب)

حلاوت ایمان وحلاوت عبادت کے لئے
بنیادی چیزیں

وصیت: اپنے صاحبزادے عماد الدینؒ کو۔

اے میرے پیارے بیٹے! میں تجھے اللہ سے خشیت کی وصیت کرتا ہوں۔ نیز حق اللہ، حق رسول اللہ ﷺ، حق والدین اور تمام مشائخ کے حقوق کے ادا کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ پس اس صورت میں اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہوگا۔

اعلانیہ اور پوشیدہ دونوں حالتوں میں اللہ کا دھیان رکھنا۔ قرائت قرآن، ظاہرا وباطنا، سرا وعلانیۃ، فہم وتدبر، تفکر اور حزن وبکا کے ساتھ کرتے رہنا۔ تمام احکام میں (سب سے پہلے) قرآن کی طرف رجوع کرنا، اس لیے کہ قرآن مجید، اللہ کی مخلوق پر اللہ کی حجت وبرہان ہے۔ قرآن کے حقوق کا لحاظ رکھنا۔ راہ علم سے یک گام بھی ادھر اُدھر نہ ہونا۔ فقہ کو حاصل کرنا، جاہل صوفیہ میں سے نہ ہوجانا۔ بازاری قسم کے

لوگوں سے علیحدہ رہنا، اس لیے کہ وہ دین کے چور اور طریق (راہ حق) کے راہزن ہیں۔ سنت کی پابندی تجھ پر لازم ہے۔ اہل توحید کے اعتقاد پر قائم رہنا اور بدعات سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر بدعت، گمراہی ہے۔ مردلڑکوں، (اجنبی) عورتوں اور اہل بدعت سے نیز (بلا ضرورت) اغنیا اور عوام سے اختلاط نہ کرنا۔ ان سے میل جول کرنے سے دین برباد ہوگا۔ دنیا کی چیزوں میں تھوڑے پر قناعت کر لینا، خلوت کو لازم رکھنا، اپنی خطاؤں پر گریہ زاری کرنا، حلال روزی کھانا، اس لیے کہ یہ نیکیوں کی کنجی ہے، حرام چیزوں کو نہ چھونا۔ اگر ایسا کیا تو قیامت کے دن تجھ کو آگ چھوئے گی۔ حلال کپڑا پہننا۔ ایسی صورت میں حلاوت ایمان اور حلاوتِ عبادت محسوس کرے گا۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہ اور اس بات کو نہ بھول کہ تو اس کے سامنے (ایک دن) کھڑا ہوگا۔ صلواۃ الیل اور صیام النہار پر عمل درآمد رکھنا۔ جماعت کی نماز نہ چھوڑنا، ریاست وامارت کو طلب نہ کرنا۔ اس لیے کہ جو ریاست وامارت کو پسند کرتا ہے، وہ کبھی فلاح یاب نہ ہوگا۔

ہرحالت میں تواضع کو اختیار کرنا

تیرے اوپر سفر بھی لازم ہے، تاکہ تیرا نفس پست ہو۔ قلوب مشائخ کی طرف متوجہ رہنا۔ کوئی تیری تعریف کرے تو پھول نہ جانا اور اگر کوئی تیری مذمت کرے تو غمگین نہ ہونا۔ مدح وذم تیرے نزدیک برابر ہوں۔ تمام مخلوق خدا کے ساتھ اپنے اخلاق اچھے رکھ اور تواضع اختیار کر۔ حضور کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے، جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرے گا، اللہ اس کو اونچا اٹھائے گا اور جو تکبر کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو نیچے گرا دے گا۔

اللہ کی مخلوق کو نظر رحمت سے دیکھنا

ہرحال میں ہر نیکوکار اور بدکار کا اکرام کر۔ تمام انسانوں پر رحم کر، چھوٹے ہوں یا بڑے۔ اللہ کی تمام مخلوق کو نظر رحمت سے دیکھ (زیادہ) مت ہنس، اس لیے کہ ہنسنا غفلت کی وجہ سے ہوا کرتا ہے اور قلب کو مردہ کردیتا ہے۔ آنحضرت ﷺ

نے زیادہ ہنسنے سے منع فرمایا ہے اور ضحک کو موتِ قلب کا باعث قرار دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''اگر تم وہ بات جان لو کہ جس کا مجھے علم ہے تو تم کم ہنسو اور زیادہ گریہ زاری کرو۔ اللہ کی طرف سے ڈھیل کی وجہ سے بے خوف نہ ہوجانا اور اللہ کی رحمت سے مایوس بھی نہ ہونا، خوف ورجا کے درمیان زندگی بسر کرنا۔

مردار دنیا کو ضرورت سے زائد
طلب کرنے میں دین کے رخصت ہونے کا خطرہ

اے بیٹے! دنیا طلبی کو ترک کر، اس مردار دنیا کو (ضرورت سے زیادہ) طلب کرنے میں دین کے چلے جانے کا خوف ہے۔ صوم صلواۃ کا خیال رکھنا، حالتِ فقر میں، پرہیزگار، ادب شعار، فقیہ اور عالم کی حیثیت سے زندگی گذارنا، جاہل صوفیہ سے یک سو رہنا، مشائخ کی جان ومال سے خدمت کرنا، مشائخ کے قلوب اور ان کے ضبط اوقات اور ان کی سیرت پر دھیان رکھنا، مشائخ کی باتوں کا انکار نہ کرنا، ہاں اگر خلافِ شرع کوئی بات ہو تو انکار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر تو نے خواہ مخواہ مشائخ پر اعتراض کرنا شروع کردیا، تو تجھے کبھی بھی فلاح نصیب نہ ہوگی۔ لوگوں سے سوال اور ان سے قرض لینے کا معاملہ نہ کرنا، کوئی چیز کل کے لیے (خواہ مخواہ) ذخیرہ کرکے نہ رکھنا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ روز، تازہ 'رزق مقسوم' مہیا کرتا ہے۔ سخی النفس والقلب بن۔ اللہ تعالیٰ نے جو دیا ہے، اس کو صحیح مصرف میں، خرچ کر۔ بخل سے، حسد سے، مکر وفریب سے پرہیز کرنا، اس لیے کہ بخیل اور حاسد دوزخ میں جائیں گے۔

مخلوق سے کسی کا سہارا نہ ڈھونڈنا

اپنے حال کو مخلوق پر ظاہر نہ کرنا اور ظاہر کو خواہ مخواہ مزین نہ کرنا، اس لیے کہ ظاہر کی ٹیپ ٹاپ باطن کی خرابی کا سبب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رزق عطا کرنے کے جو وعدے فرمائے ہیں، ان وعدوں پر بھروسہ کر۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے رزق کی ضمانت لے لی ہے۔ خود ارشاد فرماتے ہیں: وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ

إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ (زمین پر چلنے والا کوئی جاندار نہیں ہے، مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے)۔ تمام مخلوق سے (رزق کے سلسلہ میں) بالکل مایوس ہوجانا، مخلوق سے جی نہ لگانا، حق بولنا اور مخلوق میں سے کسی کا سہارا نہ ڈھونڈنا۔

تجھے لازم ہے کہ خصوصیت سے اپنے نفس کی حفاظت کا اہتمام کرے اور لایعنی باتوں سے بچتا رہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''انسان کے اسلام کی خوبصورتی سے ہے، یہ بات کہ وہ لایعنی اور بیکار باتوں سے پرہیز کرے۔'' کھانے پینے، سونے اور کلام کرنے میں کمی کرنا۔ تیرا عمل خالص ہو، تیری آنکھ رونے والی، تیری دعا جہد وسعی عمل ہو۔ تیرے کپڑے پرانے، تیرے رفقاء فقراء ہوں، تیرا گھر مسجد، تیرا مال فقہ، تیری زینت زہد، تیرا مونس رب کریم ہو۔

پانچ خصلتوں کے حامل
فرد سے دوستی رکھنا

کسی سے بھائی چارہ اور دوستانہ اس وقت تک نہ کرنا، جب تک اس کے اندر پانچ خصلتوں کو نہ پالے۔

(۱) وہ مالداری کے مقابلہ میں فقر کو مقدم رکھنے والا ہو۔
(۲) جہالت کے مقابلہ میں علم کو اختیار کرنے والا ہو۔
(۳) علم کے مقابلے میں عمل کو زیادہ پسند کرنے والا ہو۔
(۴) دنیا پر آخرت کو فوقیت دینے والا ہو۔
(۵) (اللہ کے راستے کی) ذلت کو (دنیاوی) عزت پر ترجیح دینے والا ہو۔

علاوہ ازیں وہ علم ظاہر وباطن میں کامل وبصیر ہو۔ نیز وہ موت کے لیے مستعد ہو۔

اے بیٹے! دنیا اور اسکی ظاہری رونق وزینت پر فریفتہ نہ ہوجانا۔ دنیا ظاہر میں سرسبز، پر رونق اور پراز حلاوت معلوم ہوتی ہے، (حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے) بمطابق ارشاد نبوی ﷺ، دنیا میں اس طرح زندگی بسر کر، گویا کہ تو مسافر ہے۔

آب زر سے لکھنے اور دل کی زینت بنانے والی نصیحتیں

مجھ سے میرے ایک دوست نے (اللہ تعالیٰ تمام احباب کو توفیق نیک دے) فقر کی اور نفس کے مکر وفریب کی شرح چاہی ہے، اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ میں دنیا کے کچھ علاقوں میں گھوما ہوں۔ میں نے بہت سے امور کا تجربہ کیا ہے۔ بڑے بڑے کاموں پر سوار رہا ہوں، بزرگوں کی صحبت اٹھائی اور چیزوں کی کڑواہٹ اور مٹھاس کو چکھا ہے۔ کتابوں کی چھان بین کی ہے۔ علماء کی خدمت میں رہا ہوں، عجائبات قدرت کا مطالعہ کیا ہے، (اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ) میں نے کوئی شے عمر اور دنیا سے زیادہ جلد زوال پذیر ہونے والی نہیں دیکھی اور موت وآخرت سے زیادہ قریب کوئی چیز نہیں پائی۔ میں نے قناعت کے اندر، دنیا وآخرت کی بھلائی اور طمع کے اندر تمام جہاں کی برائی دیکھی، میں نے سب سے زیادہ نقصان والا اس شخص کو دیکھا، جو اپنے اوقات کو (لیت ولعل اور) لیت وسوف میں گذارتا ہے، میں نے سب سے اچھی زینت تواضع کو پایا اور سب سے بُری چیز بخل کو۔ میں نے وہ چیز جو جامع شر ہو، حسد کو پایا اور کسی شخص کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے میں ذلت کی موت پائی۔ مجھے حیات ابدی، سوال سے بچنے اور اپنے حال کو پوشیدہ رکھنے میں نظر آئی۔ کوشش اور جدوجہد میں، میں نے توفیق کا مشاہدہ اور تجربہ کیا۔ میں نے ہر حریص کو محروم دیکھا اور جس کسی کو طالب دنیا دیکھا، مغموم پایا۔ ذلت وخواری میں نے ان لوگوں میں دیکھا، جو طاعتِ خالق میں مصروف ہیں، میں نے عاقل اگر دیکھا، اس شخص کو جو آخرت کی طرف متوجہ ہے۔ دنیا کے راغب کو میں نے بس دنیا ہی میں مشغول اور جان کھپاتے دیکھا۔ دنیا سے بے پرواہ کو فارغ البال اور مطمئن پایا اور یہ بھی دیکھا کہ جو واقعی ''مرید'' ہے، وہ (سچا) طالب ہے اور جو فقط مرید کا دعویٰ ہی دعویٰ کرتا ہے، اس کو کاذب پایا۔ میں نے برکت رزق اور برکت عمر، طاعت خداوندی میں دیکھی اور دنیا وآخرت دونوں (کی کامیابی) متابعت رسول

اللہ ﷺ میں پائی۔ میں نے داخلہ جنت اکل حلال میں دیکھا۔

جان لے اے فقیر! (اللہ تعالیٰ تجھے توفیق دے) کہ فقر و درویش کی زینت اور بنیاد ان چیزوں پر ہے، جن کو میں بیان کرتا ہوں:

تیرا زاد راہ تقویٰ اللہ ہو۔ تیری پونجی افلاس ہو۔ تیرا سفر اخلاص ہو۔ تیرے انفاس مراحل ہوں، تیری منزل قبر ہو، تیرا ساتھی یقین ہو، تیری تدبیر عجز وانکساری ہو۔ تیرا گھر خلوت ہو، تیری مجلس مسجد ہو، تیرا درس حکمت ہو، تیری نظر عبرت ہو، تیری محافظ حیا ہو، تیری عادت حسن خلق ہو، تیری معلم قناعت ہو، تجھے نصیحت کرنے والے مقابر ہوں، تیرے واعظ حوادث ایام ہوں، تیرا سماع ذکر موت ہو۔ تیرا ہتھیار وضو ہو، تیری سواری پرہیز گاری ہو، تیرا دشمن شیطان ہو، تیرا عدہ نفس ہو، دنیا تیرے نزدیک ایک قید خانہ ہو اور خواہش نفس تیری نظر میں داروغہ جیل ہو۔ تیری رات تطوع (نفل) ہو اور تیرا دن استغفار ہو۔ تیرا قلعہ دین ہو، تیرا شعار شرع ہو، تیری محبوب کتاب اللہ ہو، تیرا انیس سنت رسول اللہ ہو، تیرا راس المال، اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن اور تیرا مشغلہ آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنا ہو۔

نفس امارہ سے بچتا رہ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کو تمام اشیاء میں شریر ترین بنایا ہے اور یہ نفس تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیاں ہر وقت موجود ہے۔ نفس کی مثال اس چور کی ہے، جو گھر کے تمام سازوسامان سے خوب واقف ہو۔ نفس کی صفات مذمومہ یہ ہیں کہ وہ شر سے محبت اور خیر سے بغض رکھتا ہے۔ عہد عبدیت سے مخالفت اور بیجا خواہشات سے موافقت رکھتا ہے تو اسے اطاعت کی طرف بلائے گا، وہ تیرے حق میں معصیت کی تحریک کرے گا۔ نفس، شہوت وخواہش کے معاملہ میں چوپایوں کے مانند ہے۔ نفس، خوف کے عالم میں بلی کی طرح ہوجاتا ہے اور امن کے زمانہ میں شیر اور چیتا بن جاتا ہے۔ نفس کی ایک بُری عادت یہ بھی ہے کہ وہ فقر وفاقہ سے تو ڈرتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ سے اور اس کے غیب الیم سے نہیں ڈرتا۔ شیطان، نفس کے قبضہ میں ہے اور اس کے بہت سے مددگار ہیں۔ جیسے دنیا اور دنیا کی ٹیپ ٹاپ اور دنیا کے متعلقات۔

نفس کے لشکر

نفس کے ہر ہر مددگار کے پاس لشکر، فوجیں، خیل وحشم اور زینت حیات کے سلسلہ کی بہت سی چیزیں موجود ہیں۔ جیسے کثرت نوم، کثرت اکل، کثرت ضحک ومزاح، حب دنیا، مالداری، تکبر، حسد، چغلی، عادات ذمیمہ، شرب خمر، ارتکاب معاصی، لہو ولعب، جمع مال، طویل امیدیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی، اس کو نفس کے عیوب سے آگاہ کر دیا اور نفس کو مسخر کرنے میں اعانت فرمائی۔

نفس کو تواضع وانکسار کی زنجیروں میں جکڑنے کی ضرورت

تو نفس کے منہ میں تقویٰ کی لگام لگادے اور اس کو تواضع وانکسار کی زنجیروں میں جکڑ دے۔ عقل کو اس کا بندھن بنادے۔ شرع کو اس کا قیدخانہ اور عبادات کو اس کا داروغہ بنادے۔ عبادت واطاعت کے اندر بھی نفس کی طرح طرح کی مکاریاں اور عیاریاں دخل انداز ہوجاتی ہیں اور یہ مکاریاں، معصیت والی مکاریوں سے بھی زیادہ بری ہوتی ہیں۔ مثلاً عبادت کو دکھانے کے لیے سنوارنا، قیمت عمل طلب کرنا، ریاکاری، نفاق اور اس بات کو پسند کرنا کہ لوگ ہاتھ چومیں، خوب تعریف کریں، بادشاہوں اور مالداروں کی توجہ ادھر ہوجائے۔ دنیا والوں میں آنا جانا۔ تصنع اور بناوٹ، اپنے روزوں اور نمازوں کا اظہار، لوگوں کو دکھانے کے لیے کم کھانا، اپنی کرامات کی تشہیر، اپنے وجد اور بکاء کاذب کا اعلان، ہونٹوں کا چلانا، آنکھوں سے اشارے کرنا، مالداروں سے میل ملاپ، مریدین کی کثرت، زیارت نسواں۔ **نعوذ باالله من الشیطان الرجیم.**

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی خیریت چاہتا ہے تو اس کو نفس کے عیوب سے خبردار کردیتا ہے۔ **والحمدلله رب العالمین. والصلواة علیٰ رسوله محمد وآله واصحابه اجمعین.**

محبت کا آئینہ

(حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ)

حضرت فرید الدین شکر گنج، چشتی سلسلہ کے ان چار ابتدائی بزرگوں میں شامل ہیں، جن سے برصغیر ہند کے مسلمانوں کو سب سے زیادہ فیض پہنچا ہے، ان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، ان کے خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ، ان کے خلیفہ حضرت فرید الدین شکر گنجؒ خود اور ان کے خلیفہ حضرت نظام الدین اولیاء شامل ہیں۔ ان کے زندگی بھر کے مجاہدوں، دنیا کے اپنے حصہ سے آخری حد تک دستبرداری، حالت فقر اور استغراقِ محبت کے واقعات پڑھتے ہیں تو فرد سراپا حیرت بن جاتا ہے، اللہ نے ان کے لئے زندگی بھر کے مجاہدے آسان کردیئے تھے اور اس کی بدولت ان کے فیض کو صدیوں تک جاری وساری رکھا۔ مرتب)

فرمایا، اے درویش! اگر اہل محبت کو تمام چیزیں آراستہ کرکے دی جائیں تو وہ انہیں آنکھ اٹھاکر بھی نہیں دیکھتے۔ وہ صرف جمالِ حق کے متلاشی ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ جب خواجہ بایزید بسطامی علیہ الرحمتہ، شوق میں مشغول ہوتے تو تین رات دن یا چار دن رات کھڑے ہوئے بلند آواز سے یہی کہتے جاتے کہ "یَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ" ایسا دن کہ اس زمین کو لپیٹ لیں اور دوسری نئی زمین پیدا کریں۔

پھر فرمایا کہ حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے ملک وتخت کیوں چھوڑا تو؟ انہوں نے فرمایا، ایک روز میں بیٹھا تھا کہ مجھے محبت کا آئینہ دکھایا گیا۔ جب میں نے اس پر نگاہ ڈالی تو اپنی منزل گور میں دیکھی، جس میں نہ کوئی میرا ہمراہی ہے اور نہ میرے پاس سامان۔ قاضی عادل ہے اور میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ اسی وقت میرے دل سے ملک کی محبت جاتی رہی اور سلطنت چھوڑ کر دوسرے ملک میں چلا گیا۔

محبت کی انتہا کا نہ ہونا

حق تعالیٰ کی محبت ایسی بادشاہ ہے کہ جب وہ کسی دل میں جگہ بنا لیتی ہے تو وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اس کے سوا کوئی اور بھی اس دل میں موجود رہے۔ بعد ازاں فرمایا کہ ایک مرتبہ میں غزنی میں ایک درویش سے ملا، جو اہل محبت میں سے تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اے درویش! محبت کا انجام بھی ہے یا نہیں؟ یہ سوال سنتے ہی اس نے مجھے ڈانٹا کہ او جھوٹے! محبت کی کوئی انتہا نہیں۔ پھر فرمایا کہ اے درویش! عشق الٰہی آگ کی وہ تلوار ہے کہ جس چیز پر گرتی ہے، اس کے ٹکڑے کردیتی ہے۔ (''اسرار الاولیاء'' مرتب خواجہ بدر اسحاقؒ)

یاد ذکر سے خالی دل پر
کوئی نعمت اثر نہیں کرتی

فرمایا، میں نے خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ العزیز کی زبانی سنا کہ حق تعالیٰ کی محبت انسان کے تمام اعضا میں ہے۔ اللہ نے انسان کی سرشت اپنی محبت سے کی۔ اگر آنکھ ہے تو وہ دوست کی محبت میں مستغرق اور اس سے پُر ہے۔ اگر ہاتھ پاؤں ہیں تو وہ بھی محبتِ حق میں غرق ہیں۔ پس اے درویش! آدم زاد کے اعضا کا ذرہ بھر بھی محبت حق سے خالی نہیں۔ مزید فرمایا، محبان حق کا دل ایسے چراغ کی طرح ہے، جو انوار کی قندیل میں رکھا ہے اور جس کی روشنی سے سارا جہاں منور ہے۔ پس ایسے شخصوں کو تاریکی کا کیا ڈر؟ فرمایا کہ نفس کی خاموشی یادِ حق ہے، جو یادِ حق میں ہے، اس کا دل نہیں مرتا اور جو یادِ حق سے خالی یا محروم ہے، اس پر کوئی نعمت اثر نہیں کرتی۔ فرمایا، میں نے کتاب محبت میں لکھا دیکھا ہے کہ بھوک ایک بادل ہے، جس سے رحمت کی بارش ہوتی ہے۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ محبت کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا کہ دنیا ومافیہا سے دل نہ لگایا جائے۔ یہی محبت ہے۔

اللہ کے دوست کی حالت

فرمایا، خواجہ معین الدین چشتی حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ دوست کے

اسرار خوبصورت، ہیں اور خوبصورت عاشق کے ہی دل میں قرار پکڑتے ہیں۔ اس لیے کہ جب یحییٰ معاذ رازی قدس سرہ العزیز سے پوچھا گیا کہ آپ کو کبھی ہنستے یا بات کرتے نہیں دیکھا گیا۔ تو فرمایا کہ کوئی گھڑی ایسی نہیں گزرتی کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کے انوار اور اسرار میرے دل میں نہ ہوں۔ پس جس دل میں دوست کے اسرار وانوار ہوں۔ اسے ہنسی اور باتوں سے کیا واسطہ۔ پس! اے درویش! ہنسی اور بات چیت اسی وقت ہوتی ہے، جب یہ حکم ہوتا ہے کہ وصل الحبیب الی الحبیب یعنی دوست دوست سے جا ملا۔ (اسرارالاولیاء صفحہ ۷)

(طالب جب نفس کو مجاہدات کی بھٹیوں میں گذارنے کی راہ پر گامزن ہوتا ہے تو محبوب کا عشق اسے دوسرے سارے کاموں سے یکسو اور بے نیاز کردیتا ہے، حالت فنا تک رسائی اور حالت بقا میں آنے کے بعد ہی اس میں دوسرے کاموں کو پوری طرح محبوب کی مرضی کے مطابق سرانجام دینے کی استعداد پیدا ہوتی ہے، اس کے بعد اس کا ہدف خدمت وغیرہ کے کام بن جاتے ہیں۔ اس مقام پر آکر ہی بولنا ہنسنا، اس کے لئے عبادت کا موجب بنتا ہے۔ مرتب)

کسی پر بھید ظاہر نہ کرنا

امیر المومنین عمر بن الخطابؓ سے پوچھا گیا کہ آپ نے کیا بات دیکھی، جو اللہ تعالیٰ سے غیرمعمولی محبت کی، فرمایا ایک روز میں بیٹھا تھا کہ محبت کا آئینہ میرے ہاتھ میں دیا گیا، میں نے اس میں دیکھا، تو مجھے ایک صورت دکھائی دی۔ جس پر میں شیفتہ ہوگیا۔ فریاد کر اٹھا اور توبہ توبہ استغفار کی اور کہا کہ یہ نعمت مجھے عطاء ہو، حکم ہوا کہ یہ نعمت تجھے دیتے ہیں۔ لیکن کسی پر ہمارا یہ بھید ظاہر نہ کرنا، تاکہ دوسرے بھیدوں کے لائق ہو سکے۔ (''اسرار الاولیاء'' مرتب خواجہ بدر الاسحاقؒ، صفحہ ۸)

لوگوں کی چار قسم کا ہونا

متعبدوں کی چار قسمیں ہیں۔ اول وہ جن کا ظاہر اطاعت سے آراستہ ہوتا ہے، لیکن باطن خراب ہوتا ہے، دوئم وہ جن کا ظاہر خراب، لیکن باطن آراستہ ہوتا ہے۔ سوئم وہ جن کا ظاہر وباطن دونوں خراب ہوتے ہیں۔ چہارم وہ جن کا ظاہر

وباطن دونوں آراستہ ہوتے ہیں۔

پہلا گروہ: جن کا ظاہر اطاعت سے آراستہ ہے، لیکن باطن خراب ہے، وہ ایسے لوگ ہیں۔ جو لوگوں کے دکھاوے کی خاطر بہت عبادت کرتے ہیں اور وہ انہیں عزیز جانتے ہیں اور ان کا دل دنیا میں مشغول ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ بنی اسرائیل میں ایک زاہد نے پانچ سو سال اللہ تعالیٰ عزوجل کی عبادت کی۔ جب وہ مرگیا تو اسے خواب میں دیکھا گیا کہ آگ کے طوق اس کے گلے میں ڈالے ہوئے ہیں۔ اور آگ کی بیڑیاں اس کے پاؤں میں پہنائی ہوئی ہیں۔ اور اس کے گرداگر تمام آگ ہی آگ ہے۔ اور فرشتے گرزیں مارتے ہیں اور وہ توبہ توبہ پکار رہا ہے،اس سے پوچھا گیا کہ تو تو زاہد تھا اور پانچ سو سال تونے عبادت بھی کی، پھر تیری یہ حالت کیوں ہے؟ اس نے کہا اے مسلمانو! جو عبادت میں کرتا تھا،سب دکھلاوے کی تھی، محض خلقت کو دکھانے کی خاطر کیا کرتا تھا، باطن میں دنیا میں مشغول تھا، اس لئے وہ ساری اطاعت میرے منہ پر ماری گئی اور حکم ہوا کہ زاہد، سخت عذاب کے لائق ہے اسے عذاب کرو۔

دوسرا گروہ، وہ جن کا باطن آراستہ اور ظاہر خراب ہوتا ہے، وہ دیوانے ہیں، جو باطن میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور ظاہر میں ان کے پاس کوئی سروسامان نہیں ہوتا۔

جن لوگوں کا ظاہر وباطن خراب ہے، وہ عوام الناس ہیں،جنہیں اطاعت وغیرہ کی کچھ خبر نہیں۔ لیکن جن کا ظاہر وباطن آراستہ ہے۔ وہ مشائخ ہیں، اگر اتفاق سے ان سے کچھ اطاعت ریا کے طور پر ظاہر ہوجائے تو وہ اپنے آپ کو اس وقت تک مجاہدہ میں رکھتے ہیں، جب تک کہ اس ریا سے بری نہ ہوجائیں۔ (صفحہ۱۴)

گڈری کے لائق افراد

فرمایا، گڈری اور صوف انبیاء کا لباس ہے۔ پس اے درویش! یہ لباس اس شخص کے لئے جائز ہے، جس کا ظاہر وباطن بری صفات سے خالی ہو، اس لئے کہ صوفی وہ شخص ہے۔ جس میں دنیاوی یا بشری کسی قسم کی آلائش یا کدورت نہ ہو۔ (صفحہ۵۶)

اہل دنیا سے میلا جول روا نہیں

فرمایا، ایک مرتبہ میں دمشق کی طرف بطور مسافر جارہا تھا،ایک بزرگ کو دیکھا۔ جسے شیخ شہاب الدین زندوبس کہتے تھے۔ اور جو خواجہ حکیم ترمذی کے رشتہ داروں میں سے تھا۔ جب میں نے اس کی خانقاہ میں جاکر سلام کیا تو سلام کے جواب کے بعد فرمایا کہ بیٹھ جا، میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں چند صوفی آئے اور انہوں نے عرض کی کہ جناب کے فلاں مرید اہل دنیا سے زیادہ میل جول رکھتا ہے، اس بزرگ نے جب یہ سنا تو اس مرید کو بلوایا اور اس کی گدڑی اور صوف اتروا کر، آگ میں پھنکوادی۔ اور نہایت غصے سے فرمایا کہ اسے نکال! دو۔ کیونکہ یہ ابھی صوف کے لائق نہیں ہوا۔ (صفحہ۷۰)

اہل محبت کو چار مقامات کے علاوہ
آرام کا نہ آنا

فرمایا: ایک مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار اوشی سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ تک کس طرح پہنچ سکتے ہیں، فرمایا، اندھے پن، گونگے پن اور بہرے پن سے، جب یہ تمام چیزیں جاتی رہتی ہیں تو سمجھ لو کہ وہ خدا رسیدہ ہوگیا۔ لیکن جب تک یہ دشمن ساتھ لگے ہوئے ہیں، کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔

فرمایا، اہل محبت کو چار مقام کے سوا اور کہیں قرار حاصل نہیں ہوسکتا۔ اول گھر کے کونے میں۔ جہاں کوئی شخص مزاحم نہ ہو۔ دوئم مسجد میں، جو دوستوں کا مقام ہے، سوئم قبرستان میں، جو گناہ سے عبرت حاصل کرنے کا مقام ہے، چہارم ایسی جگہ، جہاں کسی کا گذر نہ ہو یا وہ ہو یا ذات حق۔ (صفحہ۸۱)

کلاہ اس کے اہل ہی کو دینا چاہیے

پیر کو کلاہ اس شخص کو دینا چاہیے، جس کا ظاہر وباطن روشن ہو، جب کوئی کلاہ کا خواستگار ہو تو پہلے نور معرفت سے اس کے باطن کو دنیاوی آلائشوں سے صاف کیا جائے، جب اس کا ظاہر وباطن پاک ہوجائے اور کسی قسم کی آلائش باقی نہ رہ جائے تو پھر کلاہ دیا جائے، اگر ایسا نہ کرے گا تو (پیر) خود بھی گمراہ ہوگا اور اس مرید کو

بھی گمراہ کرے گا۔ پس۔ اے درویش، اتنے اہل خرقہ وکلاہ، جو روزی کی خاطر دربدر ہوتے ہیں اور روٹی کے محتاج ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ بددیانت ہیں۔ یعنی کلاہ سر پر رکھ کر اس کا حق ادا نہیں کرتے۔ اس لئے وہ دنیاداری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ (صفحہ۹۴)

(واضح ہو کہ کلاہ اس زمانہ میں درویشی کی نشانی تصور ہوتی تھی، بزرگوں کے ہاں یہ کلاہ خلافت، خواہشات نفس کی پوری طرح پامالی کے بعد ہی ملتی تھی۔ مرتب)

خلافت کا حق ادا نہ کرنے کی سزا

(اس ملفوظ میں خرقہ کا ذکر ہے، خرقہ اس دور میں خلافت کی علامت شمار ہوتا تھا اور خرقہ کے صاحب کو بزرگ و پیر سمجھا جاتا تھا۔ مرتب)

شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند نے باپ سے خرقہ کا سوال کیا تو فرمایا ''کل آنا، تمھیں خرقہ دیا جائے گا۔ اسی رات فرزند نے خواب میں دیکھا کہ دو آدمیوں کو فرشتے گلے میں آگ کی زنجیریں ڈالے اوپر کی طرف لے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرشتوں کا دامن پکڑ کر پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا، یہ پیر ہے اور وہ مرید۔ اس پیر نے اس مرید کو خرقہ دیا تھا، لیکن اس نے اس کا حق ادا نہیں کیا، بلکہ گلی کوچوں اور بازاروں میں پھرتا تھا اور بادشاہوں اور امراء کی صحبت میں رہتا تھا۔ ہمیں حکم ہوا کہ اس تاریک ضمیر پیر اور اس گمراہ مرید کو آگ کی زنجیروں میں جکڑ لو اور دوزخ میں لے جاؤ۔ خواب سے بیدار ہوئے تو شیخ صاحب کے پاس آئے۔ شیخ صاحب صاحب نے مسکرا کر پوچھا کہ خرقہ پوشوں کا حال دیکھ لیا ہے کیا؟ فرمایا، اے فرزند! خرقہ وہ شخص پہنتا ہے، جو دونوں جہانوں سے قطع تعلق کرے اور اپنے پیروں اور مشائخ کے طریقہ پر کاربند رہے۔ تو ابھی ستر پردوں میں بند ہے، خرقہ پہننے کا وقت ابھی تیرے لئے نہیں آیا۔ واپس چلا جا، ورنہ تیری بھی وہی حالت ہوگی، جو خواب میں اس پیر اور مرید کی دیکھی۔ فرمایا کہ جب تک انسان اپنے آپ کو دنیاوی آلائشوں سے صاف نہ کرے اسے خرقہ نہیں پہننا چاہیے اور نہ ہی پیر کو چاہیے کہ بغیر صاف کئے اسے خرقہ دے، کیونکہ خرقہ انبیاء اولیاء کا لباس ہے۔ جو شخص دنیاوی

آلائشوں میں ملوث ہوگا، وہ خرقے کا حق ادا نہیں کر سکے گا اور جب حق ادا نہیں کر سکے گا تو گمراہی میں پڑے گا۔

فرمایا، اے درویش! خرقہ پہن لینا تو آسان ہے، لیکن اس کی حق ادائی مشکل کام ہے۔ اگر صرف خرقہ پہن لینے سے نجات حاصل ہوتی تو سارے خرقہ پہن لیتے۔خرقہ پہن کر کام کرنا پڑتا ہے۔ اگر تو نے خرقہ پوشوں جیسے اعمال کئے تو بہتر، ورنہ یہی خرقہ قیامت کے دن مدعی بن کر پوچھے گا کہ تو نے مجھے پہنا تو ضرور، لیکن میری حق ادائی کیوں نہ کی۔ اس وقت فرشتوں کو حکم ہوگا کہ تیرے گلے میں آگ کا خرقہ پہنائیں اور دوزخ میں لے جائیں۔ فرمایا کہ اگر تو خرقہ پہننا چاہتا ہے تو اللہ تعالی کی رضامندی کی خاطر پہن، نہ کہ خلقت کے دکھانے کیلئے، تاکہ وہ تیری عزت کریں۔ اگر تو ایسا کرے گا تو قیامت کے دن بے بس اور مجبور ہو جائے گا اور گرفتار کیا جائے گا۔ فرمایا کہ اس راہ میں پیر میں ذاتی قوت ہونی چاہیے، تاکہ اگر کوئی مرید ہونے کی خاطر حاضر خدمت ہو تو نور معرفت سے اس کے قلوب ثلاثہ کو دیکھے اور دنیاوی کدورت، کینہ، کھوٹا پن سے صاف کر کے کچھ مدت اپنے پاس رکھ کر، مجاہدہ کا حکم کرے۔ بعد ازاں جب اس میں حرص وہوا کی کوئی کدورت باقی نہ رہ جائے تو پھر اگر خرقہ دے تو جائز ہے، لیکن اگر پیر میں اس قسم کی قوت نہ ہو اور کسی کو خرقہ وکلا دے دے گا تو خود بھی گمراہی میں پڑے گا اور اسے بھی گمراہی میں ڈالے گا۔ (صفحہ۵۸)

(خرقہ خلافت دراصل علامت ہے، اس بات کی کہ صوفی، فنائے نفس کے اس مقام پر پہنچ گیا ہے، جہاں اس کے حب جاہ وحب مال کے تقاضے بڑی حد تک مضمحل ہوگئے ہیں۔ اور دنیا ومادیت کو غیر اہم **سمجھکر** وہ اب گوہر انسانیت سے بہرہ ور ہوگیا ہے، نیز خرقہ خلافت کے وقت یعنی بزرگی کے منصب پر فائز ہوتے وقت صوفی اس بات کا عہد کرتا ہے کہ وہ لوگوں سے کسی بھی قسم کے مفادات وابستہ کئے بغیر ان کی تربیت وخدمت کا فریضہ سرانجام دے گا۔

اگر خرقہ خلافت کے وقت صوفی ان صفات واوصاف سے بے بہرہ ہے تو ایسا صوفی خسران عظیم سے دوچار ہے، دولت ومرید اس کے لئے بڑی آزمائش بن

جائیں گے۔ ملفوظ میں مذکور شدہ واقعہ ہم جیسے تصوف کے دعویدار افراد کے لئے عبرت وموعظت کا سامان رکھتا ہے۔ مرتب)

فرمایا، میرے بھائی مولانا بہاؤ الدین زکریا قدس سرالعزیز نے اپنا کام عشق ومحبت میں تکمیل کو پہنچا لیا تو شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سر العزیز کی خدمت میں آئے۔ تین روز رہے تو چوتھے روز آپ کو خرقہ عصا، نعلین اور مصلا عنایت کرکے فرمایا کہ جاؤ ملتان کی ولایت آپ کو دی تو حاضرین کو غیرت آئی اور کہنے لگے کہ ہندوستانی کو تین دن میں ولایت دے دی اور ہم اتنے سالوں سے بے فائدہ خدمت کرتے رہے ہیں۔ بات شیخ شہاب الدین نے سنی تو فرمایا کہ بہاؤ الدین پہلے اپنا کام کرکے آیا تھا اور خشک لکڑی لایا تھا۔ جب آیا تو تین روز میں ایک ہی پھونک سے ان میں آگ لگ گئی، مگر تم تمام گیلی لکڑیاں لائے تھے، تمہارے لئے بہت عرصہ درکار ہے کہ پھونک اثر کر سکے۔ (ایضا)

معرفت کے کچھ اہم نکات

(حضرت نظام الدین اولیاء)

دجال کا خروج

فرمایا، حضرت علیؓ کے دو اشعار ہیں، جب عورتیں گھوڑوں پر سوار ہونگی، اس وقت دجال کے خروج کا خوف ہوگا۔ (''فوائد الفوائد'' صفحہ۳۸۳)

حسد اور غبط میں فرق

فرمایا، حسد اور غبط دوچیزیں ہیں۔ حسد یہ ہے کہ فرد دوسرے شخص کی نعمت دیکھکر جلے اور اس کا زوال چاہے، مگر غبط یہ ہے کہ دوسرے کی نعمت دیکھ کر خود بھی منعم ہونے کی آرزو کرے۔ حسد حرام ہے اور غبط روا ہے۔ (۳۸۳)

لوگوں کی تین اقسام

ارشاد فرمایا، خلق کا معاملہ آپس میں تین قسم کا ہے۔

ایک وہ ہوتے ہیں، جو نہ کسی کو نفع پہنچاتے ہیں، نہ نقصان، ان کا حکم پتھر کے

مانند ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے دوسرے کو نفع پہنچاتے ہیں، لیکن نقصان نہیں پہنچاتے، یہ قسم اچھی ہے، تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں، جو اپنی ذات سے دوسرے بھائیوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ جو شخص ان کو مضرت پہنچاتا ہے، اس پر صبر کرتے ہیں۔ درپے مکافات نہیں ہوتے۔تحمل اختیار کرتے ہیں، یہ کام صدیقوں کا ہے۔ (صفحہ۳۶۸)

بُرا کہنا اور بُرا چاہنا

فرمایا، بُرا کہنا خراب ہے، لیکن بُرا چاہنا، اس سے زیادہ بُرا ہے۔

پھر فرمایا: بزرگان دین کا فرمودہ ہے کہ صوفی کا مال وقف ہے اور اس کا خون مباح ہے۔ جب یہ ارشاد ہے تو پھر بُرا مانناااور خصومت ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ (صفحہ۱۸۹)

دنیا کیا ہے؟

ارشاد فرمایا، دنیا روپیہ پیسہ اور اسباب ہی نہیں ہے، ایک بزرگ کا قول ہے بطنک دنیاک یعنی تیرا پیٹ ہی دنیا ہے، اگر کم کھائیگا، تارک الدنیا ہوگا۔ اگر زیادہ کھائیگا دنیادار ہوگا۔

مزید فرمایا، شیطان کا مقولہ ہے کہ جو شخص پیٹ بھرکر کھانے میں مشغول ہوتا ہے، میں اس سے معانقہ کرتا ہوں۔ جب وہ بھوکا سوتا ہے تو میں اس سے بھاگ جاتا ہوں۔ (صفحہ۱۵۶)

امت کے پانچ طبقات والی حدیث
کی تشریح

ارشاد فرمایا، رسول اللہﷺ نے فرمایا، میرے بعد میری امت کے پانچ طبقے ہونگے، ہر طبقہ کی مدت چالیس سال ہوگی۔ طبقہ اول علم ومشاہدہ، طبقہ دوم صلاح وتقویٰ، طبقہ سوم تواصل وتراحم، طبقہ چہارم تقاطع وتدابیر، طبقہ پنجم ہرج ومرج۔

ہرج ومرج طبقہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا، یہ طبقہ چاروں طبقوں سے سخت ترین ہے۔ اس طبقے کے لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہونگے اور دنیاوی غرض کی خاطر انسانی جان کو مارنے سے دریغ نہیں کرینگے۔

ان پانچ طبقوں کی مدت دوسو برس ہوگی۔

یہ فرما کر ارشاد فرمایا، اس دوسو برس کے بعد بشکل انسانی اولاد پیدا ہونے سے سانپ اور کتا پیدا ہونا بہتر ہے، یہ فرما کر رونے لگے اور ارشاد فرمایا، یہ حکم پیغمبر ﷺ کے وصال کے بعد سے تھا، جو آپ کے دوسو برس ختم ہو چکا ہے، اب اس وقت کا حال خود ہی سمجھ لینا چاہئے۔ (صفحہ ۱۸۳)

خدا اور خلق دونوں کے ساتھ مصروف رہنا

فرمایا، ایک مرد درویش نے مجھے کہا کہ مرد کو لازم ہے کہ اول مشہور نہ ہو، جب مشہور ہوگیا تو مستور (چھپنے کی) کوشش نہ کرے، ورنہ کل بروز حشر حضور مقبول ﷺ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑیگا۔ یہ بھی کہا کہ یہ کس قدر پست حوصلگی ہے کہ خلق سے گوشہ پکڑ کر، حق سے مشغول ہوں، عالی ہمتی چاہئے کہ خلق میں بھی رہیں اور حق تعالی کے ساتھ بھی۔

راہ سلوک کی مشکلات اور خطرات

(حضرت شرف الدین یحیٰی منیریؒ)

حضرت شرف الدین یحیٰی منیری اکابر بزرگوں میں شامل ہیں۔ چالیس سالہ عرصہ مجاہدوں میں بسر فرمایا، لاکھوں افراد نے آپ سے فیض حاصل کیا، ان کی کتاب مکتوبات صدی، مکتوبات کی دنیا کی منفرد نوعیت کی کتاب ہے، کتاب میں شریعت وطریقت کے بیشتر بنیادی مسائل پر قیمتی مواد شامل ہے۔ آپ کے یہ خطوط اپنے ایک مرید شرف الدین کے نام ہیں۔ خطوط کے چند اقتباسات ''ذاتی ڈائری'' کے اوراق سے پیش کئے جاتے ہیں۔ (مرتب)

شرف الدین کو لکھتے ہیں: اے بھائی، حق تعالی کی بلند درگاہ اور رتبہ عالی کی تو شان یہ ہے کہ اگر ہزار برس بھی تم وہاں سر رگڑا کرو اور ساری دنیا کے لوگ جتنی طاعت وعبادات کیا کرتے ہیں، وہ بھی تنہا تم خود کرو، اس پر بھی اگر یہ حکم ہو کہ او نابکار، تو مردود ہے، کسی کام کے نہیں، میں تجھے پسند نہیں کرتا اور تو میری بندگی

کے لائق نہیں ہے تو سمجھ لو کہ وہاں کا اتنا کہنا اور اتنی جھڑکی تمام طاعتوں کا اجر اور تمام عبادتوں کا ثواب ہے، جو کچھ نہیں پایا، وہ پاچکے، جو مناسب تھا، وہ تمہیں مل گیا۔''

خودنمائی سے بچنے کی تاکید

''اگر تم سے ہو سکے تو اس کی کوشش کرو کہ خودنمائی سے نفرت ہوجائے، اس کام کو راہ طریقت کا ایک عظیم الشان کام سمجھو، شمال سے جنوب تک کوئی چپہ زمین تمہارے سجدوں سے خالی نہ ہو، پھر بھی یہ خیال کرو کہ اس بے نیاز کی بارگاہ کے لائق کچھ نہیں ہوا۔ ہمیشہ مفلس وبے نوا، بنے رہو، اہل طریقت کا قول ہے کہ مخلوق کی نظر سے اپنے آپ کو گرانا آسان ہے، لیکن مرد وہ ہے، جو اپنے آپ کو خود اپنی آنکھ سے گرادے، اے بھائی، اس زمانے کا عجب حال ہے، کوئی اپنی تحریر وتقریر سے لطف لے رہا ہے، کوئی اپنے مریدوں کی تعداد وکثرت رجوع پر نازاں ہے، کوئی دست بوسی وقدم بوسی کے نشہ میں مست ہے۔

اس دنیا میں جسے اپنی حسرتوں کا
روزنامچہ دیا گیا

''اے بھائی، اگر پچاس بار ننگے سر اور ننگے پیر شوق اور ولولے کے ساتھ مشرق سے مغرب تک سفر کرو، اور اپنے وطن سے مکہ مدینہ جاؤ، یہ اتنا مفید نہیں، جتنا کچھ نہ پانے کی حسرت مفید ہے۔ اس بات پر ایک لمحہ غور کرو، خدا کی قسم کوئی غم ایسا لذیذ اور کوئی درد اتنا پیارا نہیں، جتنا اپنی حسرتوں اور محرومیوں کے روزنامچہ کا مطالعہ کرنا ہے۔ وہ کون سا ایسا سالک ہے، جس کو یہ درد میسر نہیں، چاہے ساری زمین وآسمان کا ہی سالک کیوں نہ ہو۔ اے بھائی، اس دنیا میں جسے اپنی حسرتوں کا روزنامچہ دے دیا گیا، اس کے حق میں اقرا کتابک اپنے نامہ اعمال کو پڑھنے کا خطاب مل گیا۔

نہ پانے کے درد سے ہزاروں قیامتوں کا ٹوٹنا

جس کے سینے میں نہ پانے کا درد ڈال دیا گیا ہے، ہزاروں قیامتیں اس پر ٹوٹا کرتی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے۔ سالک جہاں تک ڈھونڈتا ہے، اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب تک تلاش ہی نہیں کیا گیا اور جتنا پاتا ہے، وہ نہ پانے کے درجہ میں معلوم ہوتا ہے۔

درد سے بھرے ہوئے دل کا
کامرانی کی علامت ہونا

آں برادر کے دوخطوط ملے، اپنے حال پر تاسف، اپنی ناکامی اور نامرادی کا گریہ، مردانِ راہ کے کلام اور معنیٰ سے بے خبری کا شکوہ، اپنے وجود سے وحشت اور دل شکستگی کا حال معلوم ہوا، بد دل نہ ہو، یہی ارادت ہے، اس راہ میں سب کا یہی حال ہوتا ہے، کسی کو معلوم نہیں کہ ازل میں اس کے مقدر میں کیا لکھا گیا ہے اور کس بات کا حکم ہو چکا ہے۔ دل کو قوی رکھو اور کوشش وطلب کے قدم پیچھے نہ ہٹاؤ، فکر نایافت، دل کی دردمندی اور شکستگی اور اپنے کچھ نہ ہونے کا احساس، کامرانی کی علامت ہے۔ اور اس راستے کا بڑا سرمایہ ہے، آیات قرآنی کا بقدر مطالعہ کرو، **وَهُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا** (اس کی ذات وہ ہے کہ مایوسی کے بعد بارش برساتی ہے) تو جس طرح ناامیدی کے بعد مخلوق کے لئے بارش برسائی جاتی ہے، اسی طرح مریدوں اور طالبوں کے کام کی کشائش، ناامیدی کے بعد ہوتی ہے۔ محرومی وحسرت نایافت کے بعد ہی کام بنتا ہے۔"

خون جگر پیتے رہنے سے
لطف وعنایت کا حاصل ہونا

اے بھائی، ناامیدی کی کوئی وجہ نہیں، خون جگر پیتے رہو، اچھی طرح آہ وفریاد سے کام لو، پھر دیکھ تو سہی، کس طرح ان کے لطف وعنایت کی ہوا خاک بسر لوگوں کو اٹھا کر گلشن تقریب میں پہنچا دیتی ہے۔ دیکھ، سات لاکھ برس سے اطاعت وعبادت کے ملک میں کیسے کیسے سجادہ نشین تھے اور خانقاہ عصمت میں کیسے کیسے حضرات عزت

وحرمت کے مصلے پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے اور دل ہی دل میں سمجھ رہے تھے کہ خلافت ہم سے باہر کہاں جاسکتی ہے، کہ ناگاہ، نسیم لطف کے ایک جھونکے نے آب وخاک کے بنے ہوئے کو کہاں سے کہاں پہنچایا، ندا ہوئی **اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً** اور ان سات لاکھ برس عبادت کرنے والوں کی کچھ پرواہ نہ کی۔ جانتے ہو، ایسا کیوں کیا، اس لئے کہ کوئی مطیع اپنی اطاعت پر اور کوئی عابد اپنی عبادت پر ناز نہ کرے اور کوئی مفلس وعاصی ناامید نہ ہو۔ (مکتوبات صدی)

سورج وچاند کا مومن کے دل سے روشنی حاصل کرنا

اے بھائی، جہاں تک ہماری اور تمہاری نظر پہنچتی ہے، یہی دیکھتے ہیں کہ انسان ضعیف واقع ہوا ہے، اس کے قویٰ محض مختصر ہیں، لیکن باطنی اسرار اور خزانے جو اس کو سونپے گئے ہیں، ان کے اعتبار سے یہ عالم اکبر کی حیثیت رکھتا ہے۔ آسمان کے تارے، جو اس دنیا میں ہم کو اتنے اونچے دکھائی دیتے ہیں اور یہ چاند، جو بادشاہ کا درجہ رکھتا ہے اور یہ آفتاب جو سبھوں کا شہنشاہ ہے اور جہاں کی روشنی کی خدمت اس کے سپرد ہے یہ سب کے سب مومن کے دل سے روشنی حاصل کرتے ہیں، اور مومن کا دل حق تعالیٰ کی نظر سے نور حاصل کرتا ہے۔ (مکتوب ۴۳)

جب کبھی خدا کے فضل کی ہوا چلتی ہے، (مومن) مست اور خوش ہوجاتا ہے، اور جب قہر وعتاب کی لو اس پر سے گذرتی ہے، پگھل جاتا ہے، ان دونوں صفتوں کے بیچ میں یہ ضعیف مدہوش۔ اور ان دونوں حالتوں کے بیچ میں بے ہوشی اس کا کام ہے۔ (مکتوبات صدی صفحہ ۳.۳)

شیطان کی طرف سے
حضرت سلامت کو شریعت سے دور کرنے کی کاوشیں

صوفیوں کی ایک جماعت ایسی بھی ہے کہ خواہشات نفسانی سے کوسوں دور ہے، ریاضت شاقہ کرچکی ہے، دل، اسم ذات کے سوا کسی طرف رخ نہیں کرتا، اسرار ورموز ان پر کھلتے ہیں، کشف احوال ہوتا ہے۔ دشمن کی طرف ہمت باندھیں تو ہلاک ہوجائے، بیمار کیلئے دعا کریں تو شفا ہوجائے، ان حالتوں کو دیکھکر ابلیس کو رشک وحسد ہوتا ہے اور وہ اس فکر میں لگ جاتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو، حضرت سلامت کو اپنے جیسا

شیطان مجسم بنا ڈالے، چنانچہ ان پر اسرار شریعت ظاہر کرنا شروع کردیتا ہے۔ وہ ایک پٹی تو یہ پڑھاتا ہے کہ مقصود، ترک معصیت سے یہی ہے کہ خواہشات نفسانی دور ہوجائیں اور صفات بشریت مغلوب ہوں، تاکہ خدا سے تقرب حاصل ہو اور دوسرا سبق یہ پڑھاتا ہے کہ عبادت ریاضت سے مقصود یہ ہے کہ ذکر حق، دل پر غالب ہوجائے اور شریعت کے احکام سے بھی یہی غرض ہے تو اب جبکہ تم کو ہر وقت ذکر حق حاصل ہوگیا تو اب شریعت کی کیا ضرورت ہے۔ (مکتوبات صدی)

محبت ومعرفت کے حقیقی پیمانے

(حضرت عطاء اللہ اسکندریؒ)

''الحکم'' مشہور صوفی بزرگ عطاء اللہ اسکندری کی کتاب ہے، یہ کتاب انہوں نے اپنے مرشد کے ایما پر لکھی تھی، کتاب تو مختصر ہے، لیکن اللہ کی محبت کے رازدانوں کے لئے بیش بہا خزانے کی حیثیت رکھتی ہے۔ ''الحکم'' کو غیرمعمولی قبولیت کا شرف حاصل رہا ہے۔ متعدد بزرگوں نے اس کی تشریحات وتوضیحات پر کتابیں لکھی ہیں، ہم نے کتاب کے چند نکات ''ڈائری'' میں نقل کئے تھے، یہ نکات پیش کرنے کے ساتھ ساتھ مرتب کی طرف سے ان نکات کی مختصر تشریح بھی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مرتب)

(۱) اپنے وجود کو گمنامی کی زمین میں دفن کردے، اس لئے کہ جو بیج بویا نہ گیا ہو، وہ پھلتا نہیں (یعنی اپنے آپ کو مکمل طور پر فنا کردے، تاکہ اس فنائیت سے شخصیت کو نیا وجود مل سکے۔ مرتب)۔

(۲) کیا قلب منور ہوسکتا ہے، حالانکہ غیروں کی شکلیں اس کے آئینہ میں منقش ہوں، اور کیا وہ حضور الٰہی سے مشرف ہوسکتا ہے؟ حالانکہ ابھی نفسیانی شہوات کی قید میں بند ہے، اور کیا وہ بارگاہ الٰہی میں داخل ہونے کی آرزو کرسکتا ہے۔ حالانکہ ابھی وہ اپنی غفلتوں کی ناپاکی سے پاک نہیں ہوا اور کیا وہ اسرار کے سمجھنے کی توقع رکھتا ہے۔ حالانکہ وہ ابھی اپنی نازیبا حرکتوں سے باز نہیں آیا۔

(یعنی جب تک قلب میں اللہ کے سوا دوسرے بتوں کے نقوش موجود ہیں، اس وقت تک قلب آزاد ہوکر، اللہ کی تجلیات کو سمانے کی اہلیت کا حامل نہیں ہوسکتا، غیراللہ کے سارے تصورات کو مٹائے بغیر کام نہیں ہوسکتا۔ مرتب)۔

(۳) موجودات عالم سب کے سب تاریکیاں ہیں اور ان میں جو باری تعالیٰ کا ظہور ہوا ہے، اس نے ان کو منور کر رکھا ہے تو جس شخص کی نظر مخلوقات تک محدود ہے اور اس نے ان میں یا ان کے قریب یا ان سے پہلے یا ان کے بعد حق سبحانہ کا مشاہدہ نہ کیا تو اس کی نظر بصیرت وجود انوار کی جھلک سے محروم رہی اور معارف کے آفتاب اس سے آثار بادلوں میں چھپ گئے۔ (یعنی جب تک مخلوقات اور مادی ظلمات سے مجاہدوں کے ذریعہ بلند ہوکر،مشاہدہ سے باطن منور نہ ہوگا، تب تک نظر میں بصیرت پیدا نہ ہوگی اور محبوب کے ساتھ حجابات کی دیوار حائل ہوگی۔ مرتب)۔

(۴) بجاآوریٔ اعمال کو وقت، فرصت اور فراغت کے لئے ٹالتے رہنا، نفس کی چالوں میں سے ایک چال ہے۔ (یعنی فرائض واجبات، ذکر وفکر اور اعمال صالحہ کے لئے حالات کے سازگار ہونے کا انتظار کرنا، یہ نفس کی بہت بڑی چال ہے، جو فرد وافراد کو حاصل ہونے والی قیمتی زندگی کو برباد کرنا چاہتی ہے)۔

(۵) اثنائے سلوک، کشف معارف واسرار وظہور انوار کے وقت سالک کی ہمت جب توقف کرنے کا ارادہ کرتی ہے تو حقیقت الامر اسے پکار کر کہتی ہے کہ ابھی منزل مقصود اور آگے ہے۔ اور جب مخلوقات ظاہری کا جمال ظاہر ہوتا ہے تو ان کے حقائق چلاکر کہتے ہیں کہ ہم فتنہ اور آزمائش ہیں اور ہم میں مبتلا ہوکر کفراں مت کیجئے۔ (یعنی راہ سلوک کے دوران حاصل ہونے والے کشف، بزرگوں کی تصویروں اور رنگ ونور میں پھنس کر، طالب بزرگی کے زعم میں مبتلا ہونے کے خطرہ سے دوچار ہیں، کشف، کرامات اور ارواح کے مشاہدے اور خود مادی دنیا کے مظاہر اور اس کی رونقیں ان سب کی حیثیت فتنہ وآزمائشوں کی ہے طالب کو چاہئے کہ ان کو اہمیت نہ دے اور آگے چلتا رہے)۔

(۶) تم پر ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گذرتا، جس میں پروردگار نے تجھ پر کوئی حکم نافذ نہ کیا ہو، خواہ وہ اطاعت اور معصیت کی نوعیت کا ہو یا نوازش اور آزمائش کی قسم کا۔

(یعنی زندگی کا ملنے والا ہر لمحہ اپنے ساتھ بُرائی اور بُرے خیالات سے بچنے اور نیکی اور نیکی کے احکامات ساتھ لاتا ہے، اس لئے ہر لمحہ کی حفاظت ضروری ہے، بالخصوص خیالات کی دنیا ایسی ہے کہ فرد چوبیس گھنٹے میں ایک لمحہ کے لئے بھی خیالات کی خرابیوں سے بچ نہیں سکتا۔ ان خیالات کی حفاظت کرنا اور انہیں صحتمند رخ دینا ضروری ہے۔)

(۷) راہ الٰہی کے سالکوں نے انوار توجہ سے ہدایت پائی اور راستہ دیکھا اور واصلین بارگاہ ایزدی کے لئے انوار خود حاصل ہیں تو پہلی جماعت انوار ہی کے لئے ہوتی ہے۔ جب کہ دوسری جماعت ہی کے لئے انوار ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ دوسری جماعت، اللہ کے لئے ہی مخصوص ہوجاتی ہے اور ماسویٰ کی طرف سے آزاد ہوجاتی ہے۔ (یہاں متوسط صوفی اور منتہی صوفی کے انوارات کی ایک دوسرے سے مختلف نوعیت بیان کی گئی ہے۔)

(۸) اپنے بشری اوصاف میں سے ہر اس وصف سے باہر نکل جو راہ عبدیت کی مخالف ہے۔ تاکہ تو حق سبحانہ کی ندا سن سکے اور اس بارگاہ اقدس کی قربت اور معیت حاصل ہو سکے۔(نفس کی قوتوں، ان کی طاقتور خواہشات اور بشری اوصاف سے بڑی حد تک آزادی اور ان سے نجات کے بغیر اللہ کی قربت ومعیت ممکن نہیں)۔

(۹) ہر معصیت، غفلت اور ہر شہوت کی بنیاد خواہش نفس پر مبنی ہے اور ہر اطاعت، عفت اور ہوشیاری کی بنیاد ناراضگی نفس سے وابستہ ہے۔ (نفس کے غلبہ کا نتیجہ گناہ اور ذکر وعبادت واطاعت سے غفلت، سستی اور شہوت وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اطاعت وفرمانبرداری اور چستی کا لازمی نتیجہ نفس کی تہذیب کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے)۔

(۱۰) اپنی حاجت روائی غیر سے طلب نہ کر، اس لئے کہ تمہیں اس حاجت میں حق تعالیٰ نے ہی مبتلا کیا ہے۔ اور غیر اس تکلیف کو کیسے رفع کر سکتا ہے، جس کا رکھنے والا اللہ تعالیٰ ہو، بھلا جو شخص اپنے مشکل کاموں کو حل کرنے کی استعداد نہیں رکھتا، وہ غیر کی حاجت کس طرح پوری کر سکتا ہے۔ (اللہ کی محبت کے طالب کو چاہئے کہ اس حاجت کے لئے لوگوں کی بجائے محبوب حقیقی کی طرف رجوع ہو، اس لئے کہ محتاجی اسی کی طرف سے ہے اور وہی طالب کی محتاجی کو دور کر سکتا ہے)۔

(۱۱) ایسے شخص کی ہم نشینی اور رفاقت اختیار نہ کر، جس کا حال تمہیں حق تعالیٰ کی محبت کی طرف آمادہ نہ کر سکے، اور جس کا کلام تمہیں باری تعالیٰ کی اطاعت پر تیار نہ کر سکے۔ (ہر ایسا شخص، جس کا دل حق تعالیٰ کی محبت سے خالی ہے اور اس کی صحبت سے اطاعت اور ذکر وفکر سے غفلت طاری ہوتی ہے، اس لئے اس کی صحبت سے ہر ممکن حد تک بچنا چاہئے۔)

(۱۲) ذکر میں حضور الٰہی نہ ہونے کے سبب ذکر کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ اس لئے کہ ذکر سے غافل رہنا زیادہ مضر ہے، بہ نسبت اس کے کہ ذکر کیا جائے، لیکن اس میں حضور نہ ہو، بلکہ اس صورت میں امید سے رہنا چاہئے، بلکہ ذکر بے حضوری کی ایک بڑی اہمیت یہ ہے کہ وہ طالب کو ذکر بیدار اور دل بیدار تک پہنچانے کا ذریعہ بنتا ہے (اس لئے نفس کے نہ چاہنے کے باوجود اس پر جبر کر کے بھی ذکر کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے کوشاں ہونا چاہئے۔ ذکر بے حضور ہی طالب کو ذکر دوام کی طرف لانے کا موجب بنتا ہے)۔

(۱۳) حق تعالیٰ تمہارے مرتبہ کو ذکر بے حضوری سے بڑھا کر ذکر (بیداری) جس میں غفلت نہ ہو تک پہنچادے، اور ذکر بیداری سے ذکر حضور تک اور ذکر حضور سے اس ذکر تک تمہارا رتبہ بلند فرمائے، جس میں نظروں سے ماسویٰ اللہ چیزیں غائب ہوجاتی ہیں، اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ دشوار نہیں۔ (ذکر میں لذت کی کیفیت پیدا ہو یا نہ ہو، دل ذکر کے لئے آمادہ ہو یا نہ ہو، ذکر ہر صورت میں جاری رہنا چاہئے ذکر کی کثرت ہی فرد کے لئے ماسویٰ اللہ سے بیزاری اور اللہ میں محویت کا موجب ثابت ہوگی)۔

(۱۴) طاعات وحسنات کے فوت ہوجانے پر غم زدہ نہ ہونا اور گناہوں کے واقع ہونے پر پشیمانی کا نہ ہونا، یہ قلب کے موت کی نشانی ہے (اطاعت اور نیکی سے محرومی پر اگر ندامت واضطراب نہ ہو تو یہ دل کی موت کی علامت ہے، جو بہت زیادہ تشویش کی بات ہے۔)

(۱۵) انوار معرفت سالک کے قلب کے لئے لشکر ہیں، بالکل اس طرح جس طرح غفلت کی تاریکیاں نفس کی فوجیں ہیں۔ جب اللہ اپنے بندہ کی مدد کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے انوار معرفت کے لشکر سے تقویت پہنچاتے ہیں اور اسے اغیار اور تاریکیوں

کی دستبرد سے بچا لیتے ہیں۔ (معرفت کے انوار طالب کو محبوب کی راہ پر دوڑاتے رہنے اور ایک نیکی کے بعد دوسری نیکی کرنے، اس طرح نیکیوں میں مسلسل ارتقائی راہ کا ذریعہ بنتے ہیں، حق تعالیٰ جس سے بھلائی کرنا چاہتے ہیں، اسے انوار معرفت عطا فرماتے ہیں اور معرفت نفس و معرفت رب کی راہ پر گامزن کرتے ہیں۔)

قلب کا مختلف تجلیات کے ساتھ متغیر ہوتے رہنا

(ابن عربی)

جانور اور ملائک ایک ہی حالت میں رہتے ہیں۔ اور ان پر ایک ہی قسم کی تجلی ہوتی ہے۔ یہ تقلب یعنی الٹ پلٹ مختلف حالتوں میں متغیر ہونا، انسان کے ساتھ خاص ہے، کل یوم ھو فی شان کا مظہر قلب انسان ہی ہے لہٰذا قابل اعتبار قلب، عارف کا قلب ہے۔

جس انسان کا دل مختلف تجلیات کے ساتھ متغیر نہ ہو، وہ صوفیہ کے نزدیک بمنزلہ حیوان کے ہے۔ (فصوص الحکم صفحہ ۱۹۹)

تصور دل کے اثرات کا اولاد پر پڑنا

اگر خاوند اور بیوی کے تعلقات زمانہ جنگ میں ہوتے ہیں تو لڑکے اور سپاہی زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ آرام وراحت کے زمانے میں ہوں تو عورتیں، اور نازک آدمی زیادہ پیدا ہوتے ہیں، ان کے تصور دل کا اثر اولاد پر پڑتا ہے۔ خوبصورت اشیاء ماحول اور فضا میں ہوں تو اولاد بھی حسین ہوگی، غرض ماں باپ کے تخیل کا اثر اولاد پر ہوتا ہے۔ (فصوص الحکم صفحہ ۳۵۳)

کچھ اہم نکات

(مولانا رومی کی ملفوظات سے)

یکے لحظہ ازاں دوری نشاید — کہ از دوری خرابی ہا فزاید

محبوب سے ایک لمحہ بھی دوری یعنی جدائی نہ ہونی چاہئے، کیونکہ اس سے بہت خرابیاں رونما ہوتی ہیں۔

فرماتے ہیں، جو پرندہ زمیں سے آسمان کی طرف پرواز کرتا ہے، اگرچہ وہ آسمان تک نہیں پہنچتا، لیکن دم (صیاد کے جال) سے تو دور ہوجاتا ہے، اسی طرح اگر کوئی درویشی اختیار کرے اور درویشی کے کمال تک نہ پہنچ سکے تو کم ازکم عوام کالانعام اور بازاری لوگوں کے زمرے سے تو نکل جاتا ہے۔ دنیا کے مصائب سے چھوٹ جاتا ہے، اور سگ یار بن جاتا ہے، نیز فرماتے ہیں، آزاد مرد وہ ہے، جو کسی کے رنج دینے سے رنجیدہ نہ ہو اور جوانمرد وہ ہے، جو رنج کے مستحق کو رنج نہ دے۔ کسی نے پوچھا، کیا درویش بھی گناہ کرتا ہے، فرمایا، ہاں، جب وہ طعام بغیر بھوک کے کھاتا ہے، کیونکہ بھوک کے بغیر درویش کے لئے کھانا، کھانا گناہ عظیم ہے۔

قبول یافتہ مرید کی علامت یہ ہے کہ وہ بے گانہ لوگوں کے ساتھ بالکل صحبت نہیں رکھ سکتا۔ اگر مجبوراً صحبت بیگانہ مل جائے تو وہ اس طرح ہوتا ہے، جیسے منافق مسجد میں، بچہ مدرسہ میں، قیدی، قیدخانے میں اور مولوی، مرض میں۔ (مرۃ الاسرار، مولانا رومی، اردو ترجمہ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)

زندگی کا ارتقائی نظریہ

(مولانا روم کا بیان کردہ نکتہ)

جب ہر موت کے بعد میں اپنی پہلی منزل سے برتر اور اعلیٰ منزل میں داخل ہوا تو موت سے آخر کیوں ڈروں، کیا میرے پچھلے تجربات اس بات کی شہادت نہیں دیتے کہ مرنے کے بعد جب میں دوبارہ اٹھونگا تو موجودہ حالت سے بہتر حالت میں اپنے آپ کو پاؤنگا۔

مجاہدات کا دوزخ کی آگ کا قائم مقام ہونا

(حضرت عبدالکریم جیلی)

دنیا میں نفسانی طبیعت دوزخ کی آگ سے مشابہت رکھتی ہے کہ جس نے مجاہدات وریاضات سے اس کا تزکیہ کیا تو اس کے نفس کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ نفسانی طبیعت مطلقاً جاتی رہی تو یہ بھی صحیح ہے، اگر یہ کہا جائے کہ وہ انوار تزکیہ الٰہی کے نیچے دب گئی ہے تو یہ بھی بجا ہے۔ یہ مجاہدات وریاضات وتکالیف جو

اہل اللہ، دنیا میں تزکیہ نفس کے سلسلہ میں اٹھاتے ہیں، وہ بمنزلہ عذاب دوزخ کے ہے اور ان دہشتوں کے ہے، جو قیامت کے دن ہوں گی۔ اور ان دہشتوں کی طرح ہے، اقسام اور ان کی زیادتی اور کمی کی مجاہدات وریاضات میں تمکن پانے کی قوت کی نسبت ہے۔ وہ شخص جس کی طبیعت میں نفسانیت غالب ہوگئی ہے، کہ زائل نہیں ہوتی، بڑی بمشقت کے بعد۔ اس کا حال ان دوزخیوں کی طرح ہوگا، جسے تھوڑا عذاب دیا جائے گا اور دوزخ سے جنت کی طرف نکالا جائے گا۔ (انسان کامل، صفحہ۳۴۲۔ مصنف سید عبدالکریم جیلی، نفس اکیڈمی کراچی)

”**وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا** اورتم میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ ہوگا، جس کا گذر دوزخ پر نہ ہو، پس وہ اس کے بعد دوزخ کی آگ پر نہیں گزریں گے، یہ اللہ تعالی کی ان پر عنایت ومہربانی ہے کہ وہ اپنے بندہ کو دو مرتبہ عذاب نہ دے اور اسے دو مرتبہ خطروں میں نہ ڈالے۔ یہ مشقتیں جو انہیں دنیا میں اٹھانی پڑینگی، وہ اس عذاب کا عوض ہوں گی، جو دوسروں کو آخرت میں ہوگا۔ اس کی تائید وہ حدیث بھی پیش کرتی ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ بخار ہر مومن کی آگ کا قائم مقام ہے، جب بخار آگ کا قائم مقام ہوسکتا ہے تو مجاہدات، ریاضات اور مخالفتیں، جن سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور جن پر دنیا کی ہر تکلیف سے بڑھکر تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ دوزخ کی آگ کا قائم مقام کیوں نہیں ہو سکتے۔ اس لئے حضورﷺ نے نفس کے خلاف مجاہدات کو جہاد اکبر فرمایا ہے اور تلوار سے جہاد کو جہاد اصغر فرمایا ہے۔ (ایضا)

دنیا میں محبوب کے جلالی صفات
سیگذرنے کے نتائج

”یہ گروہ محشر کے عالمگیر محاسبہ اور محشر میں موجودگی سے مستثنٰی ہے، قرآن مجید میں ہے **وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ**. جب صور پھونکاجائیگا تو آسمانوں اور زمین میں ہر ایک کے ہوش اڑ جائینگے بجز اس کے کہ جس کو اللہ چاہے۔ (سورہ زمر آیت ۶۸)

یہ آیت ضمنی طور پر ظاہر کرتی ہے کہ ایک جماعت جس کی تصریح نہیں کی گئی،

قیامت کی گھبراہٹ اور جزع وفزع سے محفوظ ومامون رہیگی۔ جب اس آیت کو دوسری آیت **فَإِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ**. لوگ ضرور (روزمحشر) حاضر کئے جائینگے مگر ہاں، جو اللہ کے خالص کئے ہوئے بندے ہیں۔ (سورہ صافات آیت ۱۲۷-۱۲۸) کے ساتھ ملایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جماعت **عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ**. کی ہے۔ اللہ کے مخلص بندوں کے اعمال کی ماہیت ایسی نہیں ہوتی کہ انہیں میدان حشر میں حساب کتاب کیلئے حاضر کیا جائے، یہ لوگ پہلے ہی مراقبہ، شرعی ریاضت اور جہاد نفس کے نتیجہ میں مقتول ہوکر، حیات ابدی حاصل کر لیتے ہیں، ان پر پہلے ہی قیامت گذر چکی ہوگی اور مجاہدوں کے دوراں ہی ان کا حساب ہو چکا ہوگا، یہ تو مقتول فی سبیل اللہ ہونے کی بنا پر حیات ابدی کی خلعت سے ممتاز اور اپنے پروردگار کے خزانہ غیب سے روزی پانے والے ہیں۔

مذکورہ بالاتفصیل سے ظاہر ہوگیا کہ سلوک کے آخری مرحلے یعنی مخلصین کے مقام کے کیا فیوض وبرکات ہیں، لیکن یہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ ان فیوض وبرکات کا ظہور اسی وقت ممکن ہے، جب کہ سالک کا مجاہدہ اس قدر بڑھا ہوا ہو کہ اسے مقتول فی سبیل اللہ کہا جا سکے اور وہ اس طرح درجہ شہادت پر فائز ہوجائے، جس طرح میدان جنگ میں شہید کی روح اور اس کے بدن کا تعلق ظاہری تلوار کاٹ دیتی ہے۔ اسی طرح سالکِ راہ خدا بھی اپنی روح کا تعلق جسم اور اس کے متعلقات سے نفس امارہ سے جنگ کے نتیجہ میں باطنی تلوار سے منقطع لیتا ہے، اور اس سلسلے میں اپنی جسمانی قوت کے بجائے رحمانی قوت ومدد کا استعمال کرتا ہے۔ (علامہ محمد حسین، سیروسلوک)

(مجاہدوں کو دوزخ کا قائم مقام سمجھنا، یہ بات اگر کشف صحیح اور نصوص سے استنباط سے ہے تو بھی بندہ مؤمن کی خاصیت تو یہ ہے کہ وہ ہر حالت میں اللہ جل شانہ کے جلال سے لرزاں وترساں رہتا ہے، منتہی صوفی تو نفسی قوتوں اور اللہ کی شان جلال وعظمت کے ایسے مظاہر سے گذرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ اس نفسیات کا حامل ہوجاتا ہے کہ لوگوں میں اللہ کے جلال وعتاب کا سب سے زیادہ مستحق تو وہ خود ہے۔ وہ ہر وقت اللہ سے اس کے فضل خاص کا متمنی ہوتا ہے۔ بعض اہل اللہ کو اپنے طالبوں کی حوصلہ افزائی کے لئے اس طرح کی خوش خبریاں بھی سنائی جاتی ہے،

جو حضرت عبدالکریم جیلی جیسے ممتاز بزرگ نے سنائی ہے۔ لیکن اس طرح کی باتوں کی حیثیت حوصلہ افزائی سے زیادہ نہیں۔ مرتب)۔

راہ محبت میں چلنے والوں کو اہم ہدایات

(حضرت مجدد الف ثانیؒ)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات حکمت، دانائی، معلومات ومعارف کا بے بہانہ خزانہ ہیں۔ مکتوبات پڑھتے وقت طالب کی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ وہ بار بار پڑھتا ہے، ہر بار جہاں اپنے ایمان ویقین میں اضافہ محسوس کرتا ہے، وہاں نئے نئے نکتے افشاں ہوتے رہتے ہیں۔ مکتوبات کی اس اہمیت کے پیش نظر راقم الحروف نے اپنی دو ڈائریوں میں مکتوبات کی تلخیص کی تھی، کتاب کی ضخامت کے خطرے کی وجہ سے یہاں پانچ سات خطوط کے اقتبات پیش کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔ مرتب)

صحبت اہل دنیا کے اثرات بد

اہل دنیا کی صحبت سے اس سے بھی زیادہ بھاگو، جتنا شیر سے بھاگتے ہو، اس لئے کہ شیر پھاڑے گا تو زیادہ سے زیادہ موت دنیوی واقع ہوجائے گی، جو آخرت میں مفید ہے۔ لیکن اختلاط ملوک، ہلاک ابدی اور خسارہ سرمدی کا باعث ہے، ان کی صحبت سے بچو، ان کے لقمے سے، پرہیز کرو، ان کی صحبت اور ان کے دیکھنے سے بچو، بات جو اتنے اہتمام سے کہی جارہی ہے، وہ اس بنا پر ہے کہ میں جانتا ہوں کہ لقمۂ چرب اور صحبت ناجنس نے آں فرزند کے دل کو وعظ ونصیحت کے سمجھنے سے دور کر دیا ہوگا، وہ صرف ایک یا دو باتوں سے متاثر نہ ہوگا۔ (مکتوب ۱۳۸)

اپنے دوستوں کے بارے میں
اللہ کا مقابلہ

شیخ الاسلام ہروی نے فرمایا ہے کہ، الٰہی تو نے یہ کیا عجیب معاملہ اپنے، دوستوں کے بارے میں برتا ہے کہ جس نے ان کو پہنچانا، تجھ کو پایا اور جب تک

تجھے نہ پایا، ان کو نہ پہنچانا۔ (مکتوب ۱۵۶)

غیرحق کو فراموش کرنا عطائے قرب ہے

''اللہ تعالیٰ اپنا قرب اپنے اولیاء کو اس وقت عطا فرماتے ہیں، جب وہ غیرحق کو فراموش کردیتے ہیں۔ (مکتوب ۹۲)

جمہور علماء اہل حق سے مطابقت

کتاب وسنت سے جمہور علماء اہل حق یعنی علماء اہل سنت وجماعت نے جو معانی ومطالب سمجھے ہیں، وہی معانی ومطالب برقرار رکھنا ضروری ہیں۔ اگر فرض کرو کشف والہام سے ان معانی ومطلب کے خلاف کوئی معنیٰ ظاہر ہوں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایسی بات سے بچکر پناہ خداوندی کو ڈھونڈنا چاہئے۔ (مکتوب ۲۸۶ بنام امان اللہ فقیہ)

''میں نے یہ جو کہا ہے کہ علماء حق کے سمجھے ہوئے معانی قابل اعتبار ہیں اور ان کے خلاف معتبر نہیں، اس وجہ سے کہا ہے کہ علماء حق نے ان معانی کو صحابہ کرام اور سلف صالحین کے اقوال کی تلاش وجستجو کرکے لیا ہے اور ان ہدایات کے ستاروں (صحابہ کرامؓ) کے انوار سے استفادہ کیا ہے۔ لہٰذا نجات اخروی اور فلاح سرمدی ان علماء حق کو نصب ہوئی۔ یہ اللہ والوں کا گروہ ہے اور اللہ والوں کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔ اگر کچھ علماء اپنے اعتقاد کو صحیح رکھتے ہوئے فروعی مسائل میں کچھ سستی برتیں اور اعمال میں کوتاہی کا ثبوت دین تو اس سے تمام علماء سے برگشتہ ہونا اور سب کو نشانہ ملامت بنانا محض بے انصابی اور دھاندھلی کی بات ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس صورت میں ضروریات دین سے ایک قسم کا انکار پایا جاتا ہے، اس لئے کہ یہ علماء ہی تو ضروریات دین کو ہم تک منتقل کرنے اور کھرے کھوٹے کو پہنچاننے والے ہیں، اگر علماء حق کا نور ہدایت نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پا سکتے۔ وہ حضرات صحیح وغلط کو جواز کرتے تو ہم گمراہ ہوجاتے۔ علماء حق ہی نے دین مبین کا کلمہ بلند کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کی ہے۔ انہوں نے ہی کثیر التعداد لوگوں کو صراط مستقیم پر چلایا ہے، پس جس نے ان حقانی علماء کی پیروی

کی وہ نجات پا گیا اور جس نے ان کی مخالفت کی، وہ خود گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، اور جس طرح اعتقاد بمطابق کتاب وسنت ضروری ہے، اسی طرح کتاب وسنت پر عمل بھی اس طریقے پر کرنا ضروری ہے، جس طرح ائمہ مجتہدین نے کتاب وسنت سے احکام اخذ کرکے بتایا ہے۔

ایک مقلد کو یہ حق نہیں ہے کہ مجتہد کی رائے کے خلاف خود کتاب وسنت سے احکام اخذ کرکے اس کے مطابق عمل کرے۔

جہاں تک ہو سکے، ائمہ کے اقوال کو جمع کرنے میں پوری کوشش کرے تاکہ ایسے قول پر عمل ہو، جو سب کے نزدیک مسلم ہو، مثلاً امام شافعیؒ وضو میں نیت کو فرض قرار دیتے ہیں، لہٰذا حنفی بے نیت وضو نہ کرے، اسی طرح وضو کے اندر اعضا کے دھونے میں ترتیب کو امام اور پے درپے وضو کرنے کو امام شافعی ضروری قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا ترتیب وار اور پے درپے یعنی مسلسل بڑے وقفہ کے بغیر وضو کرنا چاہئے۔ امام مالک اعضا کے دھونے میں اعضاء کا ملنا بھی فرض قرار دیتے ہیں، اس لئے بہتر ہے کہ وضو میں اعضا کو اچھی طرح مَل لیا جائے۔ ایسے ہی عورت کو چھو لینے اور شرمگاہ کے چھو لینے کو وضو کا توڑنے والا بتاتے ہیں، اس لئے اگر ایسا ہوجائے تو احتیاطاً وضو ازسرنو کر لیا جائے۔ اسی پر اور بہت سارے مسئلوں کو قیاس کر لینا چاہئے۔ مثلاً چوتھائی سر کا مسح امام ابوحنیفہ کے نزدیک فرض ہے اور امام مالک کے ہاں تمام سر کا مسح فرض ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ حنفی پورے سر کا مسح کرلے، اس صورت میں اختلاف ائمہ سے بھی نکل جائیگا اور سنت بھی ادا ہوجائیگی۔ (ایضا)

مشکوک چیزوں سے بچنا

''اس راہ (سلوک) کی سب سے بڑی شرط نفس امارہ کی مخالفت کرنا ہے، اور یہ مخالفت موقوف ہے، اس بات پر کہ مقام تقویٰ کی رعایت وپاسداری کی جائے۔ تقویٰ کہتے ہیں، حرام چیزوں سے باز رہنے کو اور حرام چیزوں سے اس وقت

تک باز نہیں رہا جا سکتا، جب تک قدر ضرورت سے زائد مباحات سے پرہیز نہ کی جائے، اس لئے کہ ضرورت سے زائد مباح کاموں میں ڈھیل دے دینا مشکوک اشیاء تک پہنچاتا ہے، اور مشکوک حرام سے قریب ہے، مشکوک کے ارتکاب سے حرام میں داخل ہونے کا احتمال ہے۔

(حدیث میں آتا ہے) ''جو چرواہا مخصوص شاہی چراگاہ کے قریب اپنی بکریاں چراتا ہے، بعید نہیں کہ ایسی صورت میں اس کی بکریاں اس چراگاہ خاص میں داخل ہوجائیں۔

پس تقویٰ کے سلسلہ میں زیادتی مباح سے بچنا ہی (خاص طور پر) قابل لحاظ ہے، ترقی وعروج، تقویٰ ہی سے وابستہ ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اعمال کے دو جزء ہیں، ایک اوامر کی تعمیل کرنا، دوسرے مناہی ( ) سے باز رہنا، اوامر کی تعمیل میں تو فرشتے بھی شامل ہیں، اگر (فقط) اوامر کی تعمیل ہی سے ترقی وابستہ ہوتی تو فرشتوں کے درجات میں بھی ترقی ہوتی، لیکن ان کو اس سے ترقی درجات حاصل نہیں ہوتی) پس معلوم ہوا کہ انسان کو بھی صرف اوامر کی بجا آوری سے ترقی نہ ہوگی، جب تک وہ مناہی سے باز نہ رہے۔ مناہی سے باز رہنے کا سوال فرشتوں میں اس لئے پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اپنی ذات کے لحاظ سے معصوم ہیں۔ وہ مخالفت حکم کی طاقت نہیں رکھتے۔ (مکتوب ۲۸۶، بنام مولانا امان اللہ فقیہ)

سالک کے لئے راہ عمل

ہم فقیروں پر جو باتیں لازم ہیں، وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) دوام وانکسار وتضرع والتجا (۲) ادائے وظائف عبودیت (۳) محافظ حدود شرعیہ (۴) متابعت سنت نبویﷺ (۵) تصحیح نیت (۶) باطن کو ماسوئی سے آزاد کرنا اور ظاہر کو طاعات میں مشغول رکھنا (۷) اپنے عیوب اور گناہوں کے غلبے کا مشاہدہ (۸) خوف وانتقام علام الغیوب (۹) حسنات کو، چاہے وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہوں کم سمجھنا، اپنے گناہوں کو چاہے وہ کم ہی کیوں نہ ہوں، زیادہ جاننا (۱۰) اپنی شہرت

اور قبولیت مخلوق سے لرزاں وترساں رہنا۔

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ آدمی کی بُرائی کیلئے یہی کافی ہے کہ اس کی طرف (اس کی شہرت کی بنا پر) انگلیاں اٹھائی جائیں، دین کے بارے میں یا دنیا کے بارے میں۔ مگر جس کو اللہ محفوظ رکھے۔ وہ اس بُرائی سے محفوظ ہے۔ (۱۲) اپنے افعال اور اپنی نیتوں کو متہم کرنا، اگرچہ وہ مثل صبح روشن ہوں، (۱۳) اپنے احوال ومواجید کی طرف توجہ نہ کرنا، اگرچہ وہ صحیح اور مطابق ہی کیوں ہوں (۱۴) محض تائید دین تقویت ملت اور ترویج شریعت اور دعوت حق کی کوشش پر بھروسہ نہ کر بیٹھنا، کیونکہ تائید دین کبھی کبھا کافر وفاجر سے بھی ہوجایا کرتی ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی فاجر فرد سے بھی اس دین کی تائید کرالیتا ہے۔ (مکتوب بنام ملا طاہر بدخشی)

دنیا کی مذمت اور ترک دنیا کی حقیقت

سعادتمند وہ ہے، جس کا دل دنیا سے سرد اور حرارت محبتِ حق سے گرم ہو۔ محبتِ دنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے اور اس کا ترک جمیع عبادات کی اصل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دنیا اللہ کی ناپسندیدہ اور مبغوض چیز ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ (**الدنیا ملعونة وملعون ما فیھا الا ذکر اللہ**) چونکہ ذاکریں اور ان کے وجود کا ہر ذرہ ذکر اللہ سے پُر ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اس وعید سے خارج ہونگے اور اہل دنیا کی فہرست میں نہ آئینگے۔ دنیا وہ ہے کہ دل کو حق سبحانہ سے باز رکھے اور اس کے غیر کے ساتھ مشغول رکھے۔ خواہ اموال واسباب ہوں، خواہ جاہ وریاست، خواہ ننگ وناموس ہوں، **فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا** پس روگردانی کر اس سے جو ہمارے ذکر سے روگردانی کرتا ہے) یہ نص کا قطع ہے۔

جو چیز دنیا سے تعلق رکھتی ہے، بلائے جان ہے، اس کے مالک دنیا میں ہمیشہ پریشان ہیں، آخرت میں ندامت وحسرت والوں میں ہونگے۔ ترک دنیا کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی طرف رغبت نہ ہو اور عدم رغبت اس وقت ثابت ہوگی، جب سروسامان دنیا کا ہونا نہ ہونا دونوں مساوی ہوں، یہ بات اس کو غنیمت شمار کرنا اور خود کو ان کے سپرد کردینا چاہئے۔ (مکتوب ۱۹۷ بنام پہلواں محمود)

نفس امارہ کے ساتھ
ایمان کی حقیقت

سیروسلوک اور تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب سے مقصود آفات معنوی اور امراض قلبی کا ازالہ ہے، جس کی طرف یہ آیت کریمہ اشارہ کررہی ہے۔ **فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ** یعنی ان کے دلوں میں مرض ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ دل کے روگ اور امراض جیسے (غفلت، نافرمانی تکبر وطمع وغیرہ) دور ہونے کے بعد ہی انسان حقیقت ایمان سے موصوف ہوتا ہے۔ دل کے امراض کے ساتھ جو ایمان ہے، وہ صرف ظاہری ایمان ہے، کیونکہ نفس امارہ کا ذوق ووجدان ایمان کے خلاف اور حقیقت کفر پر مصر رہتا ہے۔ اس قسم کا ایمان اور اس قسم کی تصدیق محض ظاہری ہے اور مرض صفرا میں مبتلا شخص کی طرح ہے، جو مٹھاس کی حلاوت کا اقرار تو کرتا ہے۔ مگر اس کا وجداں اس کے اقرار کے خلاف ہوتا ہے۔ شکر کی مٹھاس حقیقی یقین صفرا کا مرض دور ہوجانے کے بعد ہی میسر آسکتا ہے۔ اس لئے نفس مطمئنہ ہوجانے اور اس کی صفائی کے بعد ہی حقیقت ایمان صورت دکھاتی ہے اور اس قسم کا ایمان زوال کے خطرے سے محفوظ رہتا ہے۔ (مکتوب ۴۶ دفتر اول بنام شیخ فرید)

طلب خدا کا بیج دل میں بونا

(حضرت خواجہ محمد معصوم)

اللہ تعالیٰ کا یہ قرب خاص جس کا نام نسبت ہے، یہ چیز اس عالم اسباب میں حضرات صوفیہ ہی کے طریق پر چلنے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ چنانچہ ان بزرگوں نے حضرت حق جل وعلا کی محبت میں نہ اپنے کو دیکھا، نہ غیر کو، بلکہ سب سے یک لخت خالی ہوگئے اور عشق مولیٰ میں اپنے نفس کو بلکہ سارے ہی جہاں کو چھوڑ دیا اور ماسوی اللہ کو اللہ کے راستے میں خیر باد کہکر، خود کو ان کے ساتھ واصل کرلیا، اس طرح سے کہ اب اگر کسی سے تعلق رکھتے ہیں تو اسی سے تعلق رکھتے ہیں، کسی سے واصل ہیں تو اسی سے واصل ہیں۔ چنانچہ ان حضرات کے باطن کو ماسوی اللہ سے ایسا انقطاع کلی ہوجاتا ہے کہ اب اگر ماسویٰ کو سالہا سال یاد بھی کریں تو یاد نہ آوے۔ اسی طرح نفس کی

انانیت اور رعونت سے اس طرح نکل جاتے ہیں کہ اب لفظ انا کا استعمال بھی ان کو شرک معلوم ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد باندھا تھا، اس کو سچ کر دیا، اور یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تجارت اور بیع، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی، خداوندا! تو مجھے بھی اسی گروہ میں شامل کردے یا کم ازکم ان کی زیارت کرنے کے لائق بنادے، کیونکہ ان دو کے علاوہ تیسرے گروہ میں ہونے کی طاقت نہیں رکھتا، اب جو شخص طریق میں داخل ہونے کی ہوس رکھے اور طلب خدا کا بیج اپنے دل میں بونا چاہے تو اس کو لازم ہے کہ تمام چیزوں سے یکسو ہو کر، مشائخ طریق کی صحبت اختیار کرے، کسی نے خوب کہا ہے اس کے بعد مصلحت کار اس میں سمجھتا ہوں کہ مے خانہ کے دروازہ پر جا پڑوں اور خوشی خوشی وہیں ایام گزار دوں۔"

اللہ والوں کی زندگی کے حقیقی خطوط و نقوش

حضرت عبدالوھاب شعرانیؒ کی کتاب
"ہم سے عہد لیا گیا" سے کچھ اقتباسات

حضرت عبدالوہاب شعرانیؒ دسویں صدی ہجری کے مصر کے بزرگ ہیں، مختلف بزرگوں کی پچاس سال تک صحبت و معیت اختیار کرتے رہے۔ موصوف کا علمی اور تصنیفی کام بلند پایہ کام ہے۔ تین سو سے زائد کتابیں لکھیں۔ ان کی درج ذیل کتاب ایسی ہے، جسمیں تصوف و احسان کی اصلیت و حقیقت کو سمجھنے اور معاملات کے سلسلہ میں تصوف، جس مزاج کے حامل افراد کو تیار کرنا چاہتا ہے، اس کی نہ صرف عکاسی کی گئی ہے، بلکہ اس سلسلہ میں وہ بنیادی اصول متعین کئے ہیں، جو منتہی صوفی کی زندگی کا حصہ ہونے چاہئے، ان اصولوں کی پابندی کے بغیر صوفی کے مجاہدے ناتمام رہتے ہیں اور اس کی حیثیت خام صوفی کی ہوتی ہے، زیادہ صحیح الفاظ میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ یہ کتاب ایسی ہے، جو صوفیاء و اہل اللہ اور علمائے ربانی کو پرکھنے کے لئے ایک معیار

اور کسوٹی کی حیثیت رکھتی ہے، جو اس معیار پر پورا نہیں اترتے، وہ صوفیاء خام ہی شمار ہوں گے، زیر نظر نکات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ ہماری اصلاح کی صورت پیدا فرمائے۔ موصوف کی عربی کتاب "الدر المنضود" کا ترجمہ حضورت مولانا ظفر احمد عثانیؒ نے "ہم سے عہد لیا گیا ہے" کے عنوان سے کیا ہے، زیر نظر مضمون میں اسی کتاب کے خاص خاص نکات پیش کئے گئے ہیں (مرتب)

اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں سے کم سمجھنے کی نفسیات کا ہونا

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) اور ہم فضل خداوندی سے اس کے پورا ہونے کی امید کرتے ہیں کہ ہم اپنے پاس بیٹھنے والے ہر مسلمان سے اپنے نفس کو اس سے کم ہی سمجھیں، تمام سلف صالحین کا یہی مزاج رضی اللہ عنہم جیسے وہب بن منبہ اور (خلیفہ راشد) عمر بن عبدالعزیز اور حسن بصری اور سفیان ثوری اور فضیل بن عیاش و عمرو بن بحید رحمت اللہ علیہم اجمعین۔ (صفحہ ۵۸ "ہم سے عہد لیا گیا" حضرت مولانا حضرت عبدالوھاب شعرانی، ترجمہ مولانا ظفر احمد عثانی)

زندگی بھر کے گناہوں کو نفس کے سامنے پیش کرنا

اور میں نے سید علی خواص رحمت اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ تکبر و رعونت والوں میں سے جو کوئی اس بات میں شک کرے کہ اس کا عکس اس کے اتنی عمر میں اس سے سرزد ہوئی ہیں، وہ اپنے نفس کے سامنے پیش کرے، پھر ان کا ان نقائص سے مقابلہ کرے جو اس کے پاس بیٹھنے والے کے اندر اس کے علم میں ہیں، تو غالب یہ ہے کہ اپنے گناہوں کو پاس بیٹھنے والے کے نقائص معلومہ سے یقیناً زیادہ پائے گا، کیونکہ اکثر یہی قاعدہ ہے کہ انسان اپنے نفس کے نقائص کو دوسرے کے نقائص سے زیادہ جانتا ہے اور جو شخص گناہوں میں پانے ہم نشین سے بڑھا ہوا ہو، وہ مرتبہ میں بھی اس سے (یقیناً) کمتر ہوگا (اپس اب کیا حق کے کہ اپنے آپ کو اس سے افضل سمجھے اور بعض لوگوں کو جب دوسروں کے گناہوں کا پوری طرح علم نہیں

ہوتا تو یہ خیال کرلیا کرتے ہیں کہ اس کے بھی گناہ بہت ہوں گے، اگرچہ میں نہیں جانتا۔ (صفحہ ۵۸)

متکبر کا فیض سے محروم رہ جانا۔ صاحب تواضع کا فیض اخذ کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہونا

پھر اے عزیز! تم پر یہ بات چھپی نہ رہنی چاہئے کہ یہ عہد اس کتاب کے تمام عبود پر عمل کرنے کے لئے دہلیز ہے، پس جو کوئی اس دہلیز سے داخل نہ ہوگا، وہ اس کتاب کے عبود کے ساتھ خوگر ہونے کی بو نہ سونگھ سکے گا، اس لئے کہ جو شخص اپنے نفس کو لوگوں سے زیادہ یا ان کے برابر سمجھے گا، وہ ان کی مدد (اور فیض باطنی) سے محروم رہے گا، اس لئے کہ فیضان باطن پانی کے مانند ہے اور پانی کے نیچے کی جانب پست مقامات ہی میں چلا کرتا ہے، بلند مقامات کی طرف نہیں چڑھا کرتا اور برابر جگہ میں پانی ٹھرا رہا کرتا ہے، پس اگر اپنے آپ کو کسی کے برابر بھی سمجھو گے تو اس کا فیض ٹھرا رہے گا، تم تک نہ پہنچ سکے گا، اس لئے متکبر کو کسی سے بھی فیض نہیں پہنچ سکتا اور اس مرتبہ والا یعنی صاحب تواضع ہر پاس بیٹھنے والے سے فیض لے لیتا ہے، اس طرف فیض خود بخود بہہ کر چلا آتا ہے، دوسرا چاہے یا نہ چاہے، پس اس کے مشائخ کا کوئی شمار نہیں کیا جا سکتا۔ سیدی شیخ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے ان کے مشائخ طریق کی بابت سوال کیا کہ کس قدر ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے مشائخ کی شمار نہیں کرسکتا، کیونکہ میں ہر شخص سے جس کے بھی پاس بیٹھ جاؤں، فائدہ حاصل کرلیتا ہوں، پھر آپ نے شعر پڑھا۔

وکل شیخ نلت منه علما   او ادبا فهو امام حتما

جس کسی سے بھی مجھے علم و ادب حاصل ہو وہی شیخ مراد اور امام کامل ہے (صفحہ ۶۰)

متواضع کی کچھ علامتیں

اور میں نے سیدی علی خواص رحمۃ اللہ سے بارہا یہ کہتے سنا کہ مقام تواضع کے ساتھ سچے طور پر خوگر ہوجانے والے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ تمام مخلوق کی اذیت

کو برداشت کرے اور تکلیف کا مقابلہ انتقام سے نہ کرے (اور ایسا برتاؤ کرے) جیسا غلام اپنے آقا کے ساتھ کرتا ہے، اسی بات نے فقراء کو مخلوق کی تکالیف برداشت کرنے پر دلیر بنا رکھا ہے، ورنہ اگر وہ اپنے کو مخلوق سے بڑا یا ان کے برابر سمجھتے تو اسی طرح مقابلہ کرتے، جیسا کہ مخلوق کا برتاؤ ہوتا ہے (مگر وہ تو اپنے آپ کو سب کا غلام سمجھتے ہیں)۔

اور اے عزیز! غلام کی حالت میں تم ذرا غور کرو کہ جب اس کو اپنے آقا کا رتبہ معلوم ہوتا ہے جس نے اس کو خرید کیا ہے اور اس کی قیمت تولکر دی ہے، تو آقا اس کو گالی بھی دے لیتا ہے اور مارتا بھی ہے، مگر وہ کیسا خاموش سر جھکائے جھڑا رہتا ہے، یہی حال متواضع کا ہونا چاہئے۔

اور سچے متواضع کی یہ بھی علامت ہے کہ جب کوئی شخص اس سے کوئی چیز مانگے تو اس سے انکار نہ کرے، (البتہ کوئی شرعی مصلحت ہو تو خیر) جیسا کہ غلام اپنے آقا کے ساتھ کیا کرتا ہے۔

نیز ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کے دل میں کبھی یہ بھی خطرہ نہ آئے کہ اس کی تعظیم کے واسطے کوئی کھڑا ہوگا یا وہ قیام کا مستحق ہے، جیسا کہ غلام اپنے آقا سے اس کا امیدوار تو کیا، وہم بھی نہیں کرسکتا۔

نیز ایک علامت یہ بھی ہے کہ اگر کوئی اس کی ہجو (یعنی برائی) کرے اور اس کو عیوب کے ساتھ متہم کرے، تو اس سے متاثر (یعنی رنجیدہ و غضب ناک) نہ ہو، بلکہ دل میں یوں کہے) کہ یہ مذمت اور اتہام بجا ہے، میں ایسا ہی ہوں، بلکہ اس سے بھی بدتر ہوں، کیونکہ میرے اصلی عیوب کی تو برائی کرنے والے کو بھی خبر نہیں، اور یہ شخص اگر مجھے برا بھلا کہے تو یہ اس کا اہل ہے (کیونکہ یہ مجھ سے افضل ہے) البتہ اگر شرعی مصلحت اس کے خلاف ہو (تو دل سے اپنے کو ان عیوب کے ساتھ متہم ہی سمجھے، مگر زبان سے اپنی براءت ظاہر کردے۔ (صفحہ ۶۵)

صوفی کو دوران سلوک اپنے گناہوں کا نظر آتے رہنا

نیز سچے متواضع کی یہ علامت ہے جو لوگ اس کو مجلس میں بیٹھنے دیں یا

سلام کا جواب دیدیں یا خود اس کو سلام کریں وہ ان کا احسان مند ہو۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ صوفی اپنے سلوک میں ایسے مقام پر پہنچتا ہے، جہان اس کو اپنے اندر بہت سے عیوب نظر آتے ہیں اور اپنی خطائیں اور گناہ ایسے کھلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا ان کی سب کو اطلاع ہے، اس وقت وہ اپنے آپ کو ایسا فاسق (و بدکار) سمجھتا ہے، جس کا فسق کھلم کھلا ظاہر ہے، وہ اب آپنے آپ کو سلام کے بھی لائق نہیں سمجھتا ، کیونہ (اس کی نظر میں) اپنے اندر گناہ بہت معلوم ہوتے ہیں اور وہ اس کے سامنے ایسے ظاہر اور واضح ہوتے ہیں، گویا کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہیں ، اس کے سوا (اس کو اپنے اندر) کچھ مشاہدہ نہیں ہوتا، خصوصا اگر غضب و جلال خداوندی پر نظر کرکے، ان گناہوں کی ہیبت اس کے دل میں زیادہ ہوگئی ہو یا وہ ان لوگوں میں سے، جن کے نزدیک باطنی (قلبی) گناہ مرتبہ میں ظاہری گناہوں کے برابر ہوگئے ہیں، کیونکہ حق تعالٰی شانہ تو سب کو خوب جانتے ہیں، (ایسی حالت میں تو وہ اپنے آپ کو کسی قابل بھی نہ سمجھے گا)۔ (صفحہ ٦٧) (واضح ہو کہ دوران سلوک طالب پر ذکر کے نور کے اثرات اور محبوب کی جلالی تجلیات کی وجہ سے عرصہ تک اپنے ہیچ سب سے اور سیہ کار ہونے کا نقش غالب رہتا ہے۔ مرتب)۔

دربار الٰہی میں داخل ہونے کے
نتیجہ میں آنے والی آزمائشیں

پھر اے عزیز! تم پر یہ بات مخفی نہ ہونا چاہئے کہ قوم صوفیہ کی آبرو کے پیچھے جو اکثر لوگ پڑتے ہیں، اس کا سبب یہی ہے کہ ان میں سے ہر ایک دربار الٰہی میں داخل ہونے کی تمنا کرتا ہے اور اس دربار میں داخل ہونا، اس شخص کے لئے حرام ہے، جو مخلوق کی نگاہوں میں کوئی بھی مرتبہ اپنے لئے چاہتا ہو، اس لئے حق تعالٰی شانہ ان پر مخلوق کو مسلط فرماتے ہیں اور مخلوق کو جھوٹ اور بہتان سے ان کی آبرو کو چاک کرتے ہیں، یہاں تک کہ بجز حق تعالٰی شانہ کے کسی کی طرف ان کو میلان نہیں رہتا۔ اور اس وقت وہ لامحالہ حق تعالٰی پر ہی بھروسہ کرتے ہیں اور فقط اسی کے پاس مرتبہ قرب کے طالب ہوتے ہیں، ایسی حالت میں حق تعالٰی شانہ ان کو خاص اپنا بنا لیتے ہیں، اس کے

بعد وہ درجات قریب میں ترقی کرتے ہین، جہاں تک کہ حق تعالٰی نے کسی کے لئے مقدر فرمایا ہے اور جب تک بندہ مخلوق کی نگاہوں میں کسی مرتبہ کا خواہاں رہے، وہ حق تعالٰی سے محجوب (پردہ میں) ہے اور جس قدر صفات خبیثہ زیادہ ہوں گی، اسی قدر حجابات بڑھتے جائیں گے، حتیٰ کہ بعض اوقات بندہ کے اور اس کے خدا کے درمیان ستر ہزار یا اس سے بھی زیادہ پردے حائل ہوجاتے ہیں (خدا تعالٰی سب کو اس سے پناہ دے)۔

اور میں نے سیدی علی خواص رحمتہ اللہ علیہ سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ حق تعالٰی کسی بندہ کو اس وقت تک خاص اپنا نہیں بناتے، جب تک کہ شیان الانس والجن گروہ بندی کرکے، اس کو جھوٹ اور بہتان کا نشانہ نہ بنائین، جب اس کا نفس مخلوق سے بیزار ہو جاتا ہے اور کسی کی طرف اسے التفات نہیں رہتا، اس وقت اس کو منتخب فرمالیتے ہیں۔ (صفحہ ٦٩ ۔ ٧٠)

اپنے مسلمان بھائیوں کے حق میں نرم ہونے کا نکتہ

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے ہاتھ میں نرم ہوکر رہیں، جب تک کہ وہ کسی بڑی بات کی طرف ہم کو نہ بلائیں، حدیث میں جہاں صف برابر کرنے کا امر ہے، وہاں یہ بھی ارشاد ہے۔

"لینو فی ید اخوانکم" کہ اپنے بھائیوں کے یاتھ میں نرم ہوجاؤ (یعنی جب کوئی تم کو آگے یا پیچھے کرے تو اس کی اطاعت کرو، ضد اور ہٹ دھرمی نہ کرو۔) (صفحہ ٧٢)

نرمی کی کچھ علامتیں

اے عزیز! یہ بات بھی نرمی میں داخل ہے کہ جب تمہارا گذر ایسی جماعت پر ہو، جو کہ اہل مغرب کے طریقہ پر، یا اہل عجم کے، یا صوفیہ مطاوعہ یا شناویہ کے، یا فرقہ رفاعیہ کے طریقہ پر ذکر الٰہی میں مشغول ہوں، تو تم بھی انہی کی طرح اسی آواز اور لہجہ میں ذکر کرو اور ان کے خلاف طریقہ اختیار نہ کرو، جس سے ان کو تشویش ہو، اور نہ خاموش رہو کہ تم سے ذکر کا ثواب فوت ہوجائے گا۔

اور نرمی میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جب تم کسی مجلس میں جاؤ اور قرائن سے یہ بات تم کو معلوم ہے کہ لوگ تم کو کسی معمولی جگہ پر نہیں بیٹھنے دیں گے تو ادب اور سہولت کی بات یہ ہے کہ تم قصہ مختصر کرکے، خود اس جگہ جا بیٹھو، جہاں وہ تم کو (تمہارے خیال میں) بٹھائیں گے، ورنہ بعض دفعہ وہ تم کو کھینچیں گے، اور تم رکو گے، پھر وہ تم گھسیٹیں گے، تم ان کو گھسیٹو گے، جس سے لوگوں کے دل مشغول ہوجائیں گے، خصوصا اگر مجلس علم کی یا حلقہ وظیفہ کا ہو، تو بعض دفعہ مجلس میں ایسی گڑبڑ ہوگی کہ شیخ جس مسئلہ کی تقریر کر رہا تھا، وہ تمہارے قصہ میں مشغول ہوکر اسے بھول جائے گا، چناچہ ''عبود محمدیہ'' میں ہم نے اس کو بوضاحت بیان کردیا ہے۔ والحمد للہ رب العلمین (صفحہ ۷۳)

اصلاح کی کوشش فساد کا ذریعہ نہ بننے پائے

سیدی ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب تک حق تعالیٰ کسی کو ایسی حسن تدبیر اور سیاست عطا نہ فرمائیں، جس سے وہ نصیحت کے لئے ایسی تمہید قائم کرسکے کہ دوسرا آدمی اپنی مصلحت اور خوبی سمجھ کر، خود اس کام کے لئے سبقت کرنے لگے، وقت تک کسی کو سند نصیحت ووعظ پر بیٹھنا جائز نہیں، جس کو حسن سیاست سے حصہ نہیں عطا ہوا، وہ اصلاح سے زیادہ فساد برپا کرے گا، میں نے ایک بار حمام میں ایک شخص کو دیکھا کہ دونوں رانیں کھولے ہوئے تھا، اس کو ایک عالم نے ڈانٹا کہ او کتے! او یہودی! اپنا ستر ڈھانک، او خدا سے نہ ڈرنے والے! اپنا بدن چھپا، اس شخص کو غصہ آیا، اس نے وہ کپڑا بھی اتار کر پھینک دیا، جو بیچ میں شرمگاہ کے اوپر تھا اور ننگا بیٹھ گیا، اور کہا کہ یہ تیرے منہ کے قابل ہے اے فقیہ۔ اور اگر وہ عالم اس طرح کہتے کہ صاحب، اپنی ران ڈھانک لیجئے، کیونکہ آپ بڑے لوگوں میں سے ہیں اور مجھے غیرت آتی ہے کہ کوئی آپ کا ستر دیکھے، تو وہ ان سے یہی کہتا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے (آپ نے اچھی بات فرمائی) اور ان کو چھپا لیتا، اسے خوب سمجھو۔ (صفحہ ۷۷)

مرید کی طرف سے کسی دوسرے کو محبت
میں شریک کرنے سے اہل اللہ کو اذیت کا ہونا

ان اردت تسمع قولی فرغ لقولی مسمعک

اگر چاہتا ہے سنے بات میری تو غیروں کی باتوں سے کر کان خالی۔

نیز آپ نے اپنی کتاب ''الوصایا'' میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ بات جان لینی چاہئے کہ اہل اللہ کے دل پہاڑوں کے مانند ہیں، سو جس طرح پہاڑ کو سوائے شرک باللہ کے، کوئی چیز ان کی جگہ سے نہیں ہٹا سکتی، چناچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، **وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا** کہ پہاڑ ٹوٹ کر اس بات کی وجہ سے گر پڑتے ہیں کہ لوگوں نے اللہ کے لئے اولاد بنالی۔ اسی طرح ولی کے دل کو اس کی جگہ سے کوئی چیز نہیں ہٹاتی سوا اس کے کہ اس کا مرید اس کے ساتھ کسی کو محبت میں شریک کرے، یہی بات اس کو اپنی جگہ سے ہٹاتی ہے، نہ کہ خدمت میں کوتاہی کرنا، خوب سمجھ جاؤ (صفحہ ۸۲)

(واضح ہو کہ صاحب دل شخصیت کے زندگی بھر کا سرمایہ، راہ محبت میں چلنے والے چند مخلص طالب ہی ہوتے ہیں۔ اگر کوئی طالب، ان سے محبت کا رشتہ منقطع کرتا ہے یا اس محبت میں دوسروں کو شریک کرتا ہے تو ایسی صورت میں ایک تو طالب کی روحانی ترقی بُری طرح متاثر ہوتی ہے، دوم یہ کہ صاحب دل شخصیت کا دل مجروح ہوتا ہے بلکہ وہ محسوس کرتا ہے کہ گویا اس سے جگر کا ٹکڑا چھین گیا ہے سوم یہ کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایسا شخص کہیں بھی جم کر راہ سلوک میں چل کر نفس کو مطیع کرنے کی سعادت سے بے بہرہ ور ہی رہتا ہے۔ (مرتب)

مخلوق کا رجوع مجاہدہ پورا ہونے کے بعد ہونا

اور اگر انسان کو یہ خواہش نہ ہو کہ اس کے شہر میں صرف اسی کی شہرت ہو تو وہ اس شخص سے کبھی بھی پریشان نہ ہوتا، جس کی طرف اسے چھوڑ کر لوگ متوجہ ہوجائیں اور اس کی تعظیم کرنے لگیں اور اگر وہ دنیا سے بے رغبت ہوتا تو اس شخص

سے بہت خوش ہوتا، جو اس کے شہر میں ایسا مشہور ہوگیا ہو کہ یہ اس کے سامنے گمنام ہوگیا ہو۔

اور مشائخ کا قول ہے کہ صدیقین کے سروں میں سے سب سے آخر میں حب ریاست نکلتی ہے، کیونکہ مخلوق کسی درویش کی تابعدار مجاہدہ پورا کرنے کے بعد ہی ہوتی ہے، اس وقت اس کو ریاست (مقام و منصب) حاصل ہوسکتی ہے تو اس کے ذمہ واجب ہے کہ منصب کی محبت اپنی طبیعت سے نکال دے اور سیدی الشیخ ابو العباس عمری رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ منصب کی محبت طالب کی ترقی فیض کو روکتی ہے۔ (صفحہ ۸۵)

شیطانی وسوسوں کا آخری وقت تک جاری رہنا

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہم مقامات سلوک میں ترقی کرنے لگیں تو شیطان سے پہلے سے زیادہ ڈرتے اور بچتے رہیں، کیونکہ جب بندہ ترقی کرکے، دربار خداوندی سے قرب حاصل کرتا ہے تو اس کی شیطان سے دشمنی بڑھ جاتی ہے اور وہ اس کے لئے لشکر زیادہ تیار کرتا ہے۔

اور اس عہد سے طالبین بہت کم خبردار ہیں، وہ تو جب اپنے نفس کو دیکھتے ہیں کہ ترقی کرنے لگا، یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ بس اب شیطان پیچھے لوٹ گیا اور یہ اس سے محفوظ ہوگیا (حالانکہ یہ خیال غلط ہے) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے وسوسے اللہ کی طرف متوجہ ہونے والوں سے کبھی منقطع نہیں ہوتے، بلکہ اس وقت ایسے دقیق اور باریک وساوس قلب میں ڈالتا ہے، جن کو بجز اس شخص کے کہ خدا نے اس کو ہدایت دیدی ہو، کوئی نہیں سمجھ سکتا، اس کا بہت خیال رکھو (پس حصول نصبت کے بعد بھی سالک کو بے فکر نہ ہونا چاہئے اور نہ سمجھنا چاہئے اب تو نسبت حاصل ہوگئی، اب شیطان کیا کرسکتا ہے؟ یاد رکھو! حصول نسبت کے بعد علاوہ معصیت کے بعض مقامات پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔ مقرباں رابیش بود حیرانی (مقربوں کو زیادہ حیرانی ہوتی ہے)۔ (صفحہ ۸۹)۔

ضرورت سے زیادہ دنیا، لینے سے
شیطان کی آمد و رفت کا ہوتے رہنا

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر ہم چاندی سونے کے ڈھیروں پر گذریں، جن کا نہ دنیا میں کوئی مطالبہ کرنے والا ہو، نہ آخرت میں اس کا کوئی حساب ہو، تب بھی اس میں سے بجز اس دن کی خوراک کے زیادہ نہ لیں اور اگر کوئی گدھا سونے سے لدا ہوا ہمارے گھر میں گھس آئے تو ہم کو چاہئے کہ اس کو نکال دیں اور گھر کا دروازہ بند کرلیں اور اپنے لئے اس میں سے کچھ نہ لیں، البتہ کسی دوسرے کی نیت سے لے لیں تو مضائقہ نہیں۔

سیدی ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا ابلیس کی بیٹی ہے، پس جو کوئی ضرورت سے زیادہ دنیا لے گیا، وہ شیطان کا داماد بن جائے گا اور اس کے پاس شیطان کی آمد و رفت اپنی بیٹی کی وجہ سے زیادہ ہوگی۔

میں کہتا ہوں کہ لینے کی مثل دنیا کی آرزو کرنا بھی ہے، کیونکہ آرزو کرنا مثل پیغام بھیجنے کی ہے، اور پیغام بھیجنے کے بعد بھی داماد خسر میں ملاقات اور آمد ورفت عادۃ ہونے لگتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس نے ابلیس کی بیٹی سے نہ نکاح کیا، نہ اس کو پیغام بھیجا، ابلیس اس کے پاس نہیں پہنچ سکتا، چناچہ انبیاء علیہ السلام کے پاس شیطان نہیں پہنچ سکتا۔

اور اس عہد پر پوری طرح عمل کرنے والوں میں سے فضیل ابن عیاض اور امام شافعی رحمھما اللہ وغیرہم تھے اور اس عہد سے معلوم ہوگیا کہ فقراء کاملین، کیمیا بنانے اور مطالب و مقاصد بتلا کر روپیہ پیسہ لینے سے مستغنی ہوتے ہیں، کیونکہ جب وہ بے محنت و مشقت ملنے والے سونے کے ڈھیروں کو چھوڑ دیتے ہیں اور ان میں سے کچھ نہیں لیتے، تو ان کی نسبت یہ کیونکر خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی جانوں کو کیمیا بنانے کے لئے جڑی بوٹیاں یا دھونکی دوائیں خریدنے کی یا مقاصد و مطالب کے لئے مٹی کھودنے کے مشقت میں ڈالیں گے، تاکہ اس ذریعہ سے یہود و نصاری کے گندے مال اور ان کی خیرات وصول کریں، جو کہ طالب معلوم کرنے کے لئے الگ رکھتے

ہیں۔ (صفحہ ۹۷)

(اہل اللہ کا دنیا سے بے نیاز ہونے کا نکتہ ایسا ہے جو تقریبا سارے اکابر اہل اللہ نے لکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر اکابر اہل اللہ کا اجماع ہے، دنیا کے لئے جدوجہد کرنا، دنیا چاہنا، دنیا داروں کی سی شان و شوکت کی زندگی اختیار کرنا یا اس کی چاہت کرنا، یہ اہل اللہ کے شان منافی ہے، للہ ہمیں دنیا و اہل دنیا سے بے نیاز ہوجانے والے خوش نصیب افراد میں شامل فرمائے۔ آمین۔مرتب)

آخرت کی محبت
دنیا سے بے رغبت ہوئے بغیر نہیں ہوتی

اور اے عزیز! خوب سمجھ لے کہ اس عہد پر عمل کرنا، درویشوں کے اخلاق میں سے ایک ادنیٰ بات ہے، کیونکہ وہ آخرت سے محبت صحیح طور پر اس وقت تک نہیں کرسکتے، جب تک کہ دنیا سے بے رغبت نہ ہوجائیں، جیسا کہ دنیا کی محبت کامل اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی، جب تک کہ اس کے ماسوا سے بے رغبت نہ ہوجائیں، اس بات کو سمجھ کو اور اولیاء اللہ میں سے جو کوئی اس عہد کے ساتھ موصوف ہونے کا اظہار کرے ، اس کا ادب لازم سمجھو، کیونکہ انشاء اللہ وہ سچا ہوگا اور اس کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو کہ یہ قیاس تمارا غلط ہوگا۔ کارپاکاں را قیاس از خودمگیر (پاک لوگوں کے کام کو اپنے کام پر قیاس مت کرو) ۔ (صفحہ ۹۸)

نفاق سے پاک صاف ہونے کے لئے
غیر معمولی مجاہدوں کی ضرورت ہے

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے نفس کے ساتھ ریاضت و مجاہدہ اس قدر کریں کہ ہمارا ظاہر و باطن یکساں ہوجائے ، (کہ جیسے ہم ظاہر میں نیک اعمال کرتے ہیں، اسی طرح دل کو بھی امراض باطنہ سے پاک صاف رکھیں) اور اس میں سے ہرگز سستی نہ کریں (بلکہ ظاہر سے زیادہ باطن کے سنوارنے میں کوشش کریں)۔

اور (اس عہد پر عمل کرنے کی زیادہ ضرورت اس لئے ہے تاکہ) ہم صفت نفاق

سے پاک صاف ہوجائیں (کیونکہ جو شخص ظاہر میں نیک اور باطن میں بد ہو، وہ بھی ایک طرح کا منافق ہے، نیز اس کے اس لئے بھی ضرورت ہے، (کہ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو گویا) ہم نے لوگوں سے تو شرم و حیا کی کہ اس سے اپنی برائیوں کو چھپایا اور خدا سے شرم نہ کی (دل میں برائیوں کو جگہ دی، کیونکہ وہ تو دل کی حالت کو بھی ویسے ہی جانتے ہیں، جیسے ظاہری حالت کو، پس اگر ہم کو حق تعالیٰ سے شرم و حیا ہوتی تو ہم ظاہر و باطن دونوں کو گناہوں سے پاک کرتے)۔

خضر علیہ السلام نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز کو ایک وصیت یہ بھی فرمائی تھی کہ اس بات سے (ہمیشہ) بچو! کہ تم ظاہر میں تو خدا کے دوست بنو اور باطن میں دشمن (اس کا مطلب یہی ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہئے کہ ظاہر میں اولیاء اللہ کے کام کرتے رہو اور دل میں تکبر و حسد وغیرہ لئے بیٹھے رہو، جوکہ دشمنان خدا کے کام ہیں) اس کو خوب سمجھ لو اور اس پر اچھی طرح عمل کرو۔ خدا تعالیٰ تم کو ہدایت کرے۔ (صفحہ ۱۰۱)

حق تعالیٰ شانہ غیر یا غیروں کی محبت کو دیکھنا پسند نہیں کرتے

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دل میں دنیا کی محبتوں میں سے کسی کو جمنے نہ دیں، خواہ محبت مال کی ہو یا اولاد کی یا محبت ازواج و متاہ کی یا کسی دوست کی یا کسی مرغوب شے کی (کسی کو اپنے دل میں جگہ نہ دینی چاہئے) کیونکہ حق تعالیٰ شانہ بڑے صاحب غیرت ہیں، وہ اپنے بندہ مومن کے دل میں غیروں کی محبت دیکھنا پسند نہیں کرتے، ہاں جن لوگوں کی محبت کا خود حق تعالیٰ شانہ نے حکم فرمایا ہے، جیسے کہ انبیاء و ملائکہ، صحابہ اور تابعین اور تمام علماء صالحین و اولیاء کرام تو ان لوگوں کے ساتھ حکم الٰہی کی بجا آوری کے لئے محبت کرنی چاہئے (یہاں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ذکر نفی اثبات "لا الہ الا اللہ" میں جو مشائخ طریق تعلیم فرماتے ہیں کہ لفظ "لا" کے ساتھ یہ تصور کرنا چاہئے کہ ماسوائے خدا کی محبت دل سے نکل رہی ہے، اس سے مراد وہی محبت ہے، جس کا حق تعالیٰ نے ہم کو حکم نہیں فرمایا۔ انبیاء و مشائخ کی محبت نکالنا، اس سے مراد نہیں، جیسا کہ بعض لوگوں کو شبہ ہوا کرتا ہے، کیونکہ انبیاء و اولیاء کی محبت تو وہ بعینہ محبت حضرت حق جل مجدہ ہے، اس لئے کہ صوفیہ کرام کی اصطلاح میں محبت غیر سے

مراد وہ محبت ہے، جس کو وصول الی اللہ میں داخل نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ اور جملہ انبیاء علیہ السلام اور اپنے شیخ اور جملہ اولیاء کرام کی محبت تو حق تعالیٰ کی طرف پہنچانے والی ہے، وہ تو حکما حضرت حق کی ہی محبت ہے) غرض ہم کو نقصان اسی محبت سے پہنچا ہے جس کا ہم کو حق تعالیٰ شانہ نے حکم نہیں فرمایا (البتہ ازدواج و اولاد کے ساتھ اس قدر تعلق و محبت شرعا ضروری ہے، جس کے ذریعہ سے ان کے حقوق ادا کرنے میں سہولت و آسانی ہو، اتنی محبت ان کے ساتھ مضر نہیں، البتہ جب ان کی محبت کی وجہ سے احکام الٰہی میں سستی اور فتور ہونے لگے تو اس سے ضرر پہنچے گا)۔

سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بسا اوقات تمہارے بیوی بچوں کو حق تعالیٰ، اس لئے مصیبت میں مبتلا کردیتے ہیں کہ تمہارے دل میں ان کی محبت جم گئی ہوتی ہے (اس وقت حق تعالیٰ کو تم پر غیرت آتی ہے کہ خدا کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف کیوں متوجہ ہوئے) اور کبھی ان لوگوں کی (زیادہ) محبت کی وجہ سے جن کی محبت کا حکم ہی فرمایا گیا ہے (خود) تم پر عتاب نازل فرماتے ہیں، پس درویش بھ بچتا رہے اور اس کا چاہنے والا بھی بچتا رہے۔ (**واللہ علیم خبیر**)۔ (صفحہ ۱۰۷)

معرفت بڑھنے سے خوف خدا میں اضافہ ہوتے جانا

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جس قدر حقوق اللہ و حقوق العباد ہمارے ذمہ ہیں، ہمیشہ ان پر نظر کرتے رہیں، تاکہ یہ بات معلوم ہوتی رہے کہ ان حقوق کو ہم نے پورا بھی کیا یا نہیں اور اپنے ذاتی حقوق پر کبھی نظر نہ کریں، مگر شکر الٰہی بجا لانے کے لئے ہو تو مضائقہ نہیں اور اس کی ضرورت اس لئے ہے، تاکہ ہم ہمیشہ اقرار کرتے رہیں کہ حجت الٰہی پر قائم ہے، تو جس قدر گناہ ہم سے صادر ہوئے ہوں گے، ان سے توبہ و استغفار کرنے کی ہم کو توفیق ہوگی۔

اور یاد رکھو! عارف کی پہچان یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے بہت ڈرتا ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تم سب سے زیادہ خدا کو پہچانتا ہوں اور سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں، (معلوم ہوا کہ جس قدر معرفت الٰہی بڑھتی جائے گی، اس قدر خوف خدا بھی زیادہ ہوگا) پس عارف ہمیشہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ عفو

و مغفرت نہ فرمائیں تو وہ زمین میں دھنسا دیئے جانے کے قابل ہے۔

ایک مرتبہ فقراء کی ایک جماعت نے سیدی شیخ عبدالعزیز دیرینی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ کوئی کرامت ظاہر فرمایئے، جس سے ہمارا اعتقاد پختہ ہوجائے اور آپ سے طریق سلوک حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو؟ آپ ذرا خاموش ہوئے، پھر فرمایا کہ میرے عزیزو! کیا ہم جیسوں کے لئے آج روئے زمین پر اس سے زیادہ کوئی کرامت رہ گئی ہے کہ حق تعالیٰ نے ہم کو زمین کے اوپر (صحیح سالم) چھوڑ رکھا ہے، اندر نہیں دھنسایا، حالانکہ ہم سالہا سال سے زمین میں گاڑ دینے کے قابل ہو رہے ہیں؟

پھر فرمایا کہ قسم خدا کی، میں جب زمین پر چلتا ہوں اور ایک قدم ڈال کر دوسرا اٹھاتا ہوں اور زمین کو اپنے پیر کے نیچے بدستور قائم پاتا ہوں، تو ہر قدم پر حق تعالیٰ سے شرماتا ہوں کہ اس نے مجھ کو کس قدر مہلت دے رکھی ہے، پھر فرمایا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیٹ میں سے سوختہ جگر کی بو آیا کرتی تھی (کیونکہ خوف الٰہی سے ان کا جگر پک گیا تھا) تو ہمارا کیا حال ہونا چاہئے؟ میں کہتا ہوں کہ خوف الٰہی کے بارے میں سلف صالحین کے حالات ان کے مناقب میں بکثرت مشہور ہیں۔ **واللہ واسع علیم**۔ (صفحہ ۱۰۹)

گنہگاروں پر دل مہربان ہونے کی تاکید

ابن عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس معصیت سے ذلت و انکسار (دل میں) پیدا ہو، وہ اس اطاعت سے بہتر ہے، جو عزت و تکبر پیدا کرے، پس اے عزیز! گناہگاروں پر دل سے مہربان ہوجاؤ، ان کو نرمی کے ساتھ نصیحت کرتے رہو، تم اپنے زمانے میں حکیم وقت ہوجاؤ گے اور اگر تم اپنے دل میں اتنی قوت پاؤ کہ ان کے ساتھ میل جول کرکے، دین پر ثابت قدم رہ سکو، تو ایسے لوگوں سے ملتے جلتے بھی رہو اور اگر وہ تم سے نفرت کریں تو ان کے پیچھے پڑے رہو۔ (مگر آج کل علماء کو مالداروں کے پیچھے اس طرح نہ پڑنا چاہئے کہ ان کو یہ خیال ہوجائے کہ ان کو ہم سے کچھ لالچ ہے کہ اس سے لوگوں کی نگاہ میں علم کی ذلت پیدا ہوتی ہے اور بجائے نفع کے ضرر ہوتا

ہے، امراء کے ساتھ ایسے اعتدال کا برتاؤ رکھنا چاہئے کہ دین کی عزت ان کے قلب میں بیٹھ جائے) پھر آہستہ آہستہ، چپکے چپکے گناہوں کی محبت ان کے دل سے اس طرح نکالتے رہو کہ ان کو خبر بھی نہ ہو، یہاں تک کہ انشاء اللہ تعالیٰ ان کی کجی دور جو جائیگی، اگر تم نے اہل معاصی کو چھوڑ دیا اور ان سے نفرت اختیار کی اور ان کے پیچھے نہ پڑے تو ان کی کجی کو کون درست کرے گا؟ اور گناہوں کی نفرت ان کے دل میں کون بٹھائے گا؟۔

بزرگان دین کا مقولہ ہے کہ تمہارے بھائی کو سب سے زیادہ تمہاری حاجت اس وقت ہوتی ہے، جب کہ گھوڑا ٹھوکر کھاکے اسے گرادے (پس ایسے وقت میں بھی اگر تم کام نہ آئے تو تم کیسے بھائی ہو) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی طرف بلانے والے کے لئے گناہگار لوگ مثل گم شدہ قیمتی چیز کے ہیں کہ ان کی تلاش میں علماء دین کو لگا رہنا چاہئے، اگر علماء ان کی فکر چھوڑ دیں اور یہ لوگ گمراہی میں بڑھتے رہیں تو اندیشہ ہے کہ علماء سے قیامت کے دن حق تعالیٰ اس پر مواخذہ فرمائیں، اس کو خوب سمجھ لو۔ خدا تم کو ہدایت کرے۔ (صفحہ ۱۱۲)

اپنے دل کو مسلمانوں کے ساتھ
بدگمانی سے بچانے کی اہمیت

بخدا آدھی رات میں دو رکعتیں پڑھ لینا یا تھوڑی دیر کے لئے انسان کا اپنے نفس کو دنیا کی محبت سے روک رکھنا یا اپنے اعضاء میں سے کسی عضو پر قابو پالینا یا اپنے دل کو مسلمان کے ساتھ بدگمانی کرنے سے محفوظ رکھنا، ان میں سے ہر بات اس منصب وحکومت سے (ہزار درجہ) افضل ہے، جس کی آج کل ایک دوسرے کو مبارکباد دی جاتی ہے (حالانکہ حقیقت میں مبارکباد دینے کے قابل یہ باتیں تھیں، مگر) پھر بھی ان کی مبارکباد نہیں دیتا۔ (صفحہ ۱۳۸)

اور میں ۹۴۵ھ میں ایک شخص سے ملا، جو خدا کے چھپے ہوئے دوستوں میں سے تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ میری عمر اس وقت ایک سوتیس سال کی ہے، اخیر کے ان تین برسوں میں دنیا جیسے لٹ گئی ہے، ایک سو ستائیس سال میں بھی نہ پلٹی تھی، بیٹا ایسا (معلوم ہوتا ہے) گویا بیٹا ہی نہیں، باپ گویا باپ ہی نہیں، بھائی گویا بھائی ہی نہیں،

قرابت داروں سے گویا قرابت ہی نہیں، پڑوسی گویا ہمسایہ ہی نہیں، تمام قلوب میں سے ایک دوسرے کی محبت نکل گئی ہے اور سب کی ایسی حالت ہوگئی ہے کہ اگر کوئی شخص (بیچارہ) کسی مصیبت میں گرفتار ہوجائے تو اسے کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس سے اپنا حال بیان کرے (اور اس سے کسی امداد کی توقع کرے) کیونکہ ہر شخص یا تو (دوسرے کی مصیبت سے) بے فکر ہوتا ہے یا اس کی مصیبت سے خوش ہوتا ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں رہا۔

پھر فرمایا کہ آج کل انسان درازئی عمر کی کیا تمنا کرے کیونکہ اس زمانہ میں بڑے سے بڑا بزرگ ایک دن بھی اپنے نفس کو حدود احکام خداوندی کا پوری طرح پابند نہیں کرسکتا، بلکہ ہر دن گناہوں کے بوجھ میں اضافہ ہی ہوجاتا ہے، اگر کوئی شخص ایسا بھی فرض کرلیا جائے، جو اپنے گھر میں بیٹھا ہوا قرآن کی تلاوت کیا کرتا ہے (اور کسی سے ملنے ملانے کا علاقہ نہیں رکھتا) وہ بھی (گناہوں سے پوری طرح) نہیں بچ سکتا (کم از کم) اس کے دل میں برے برے خیالات اور خطرات ہی آتے ہوں گے یا کسی مسلمان سے بدگمانی ہی رکھتا ہوگا (اگر اور بھی کسی سے بدگمانی نہ کرے تو اپنے گھر والوں ہی سے کسی بات پر بدگمانی کر بیٹھے گا) حتیٰ کہ گھر کی باندی اور خادمہ اگر اس سے کسی بات کی نسبت یہ کہے کہ یہ بات سچی ہے اور یہ اس کی تصدیق نہ کرے (اور بلاتحقیق اس کی بات کو جھٹلادے) تو اسی سے گناہ میں مبتلا ہوجائے گا۔ "**ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** (صفحہ ۱۳۹)

ہر بد اور متقی کو ڈرتے رہنا چاہئے کہ
کہیں اس کی حالت بدل نہ جائے

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے ذاکر، شاغل، عابد، زاہد، متقی دوستوں کو ہدایت کرتے رہا کریں کہ ان کے ہم جنسوں میں سے جس کی حالت میں تغیر آجائے، مثلاً پہلے وہ جن نیک کاموں کا پابند تھا، اب ان کے بجائے برے کام کرنے لگا یا سستی اور کاہلی کرنے لگا (برے کام تو نہیں کرتا، مگر) ان نیک کاموں کو اس نے چھوڑ دیا، ایسے شخص کی حالت پر رحم کیا کریں (اس پر ہنسیں نہیں اور نہ اپنے آپ کو اچھا سمجھ کر ناز کریں) کیونکہ (ان کو بھی اس قسم کی حالت پیش آنے سے ڈرتے رہنا

چاہئے) ان میں سے ہر ایک پر ایسی حالت پیش آنے کا اندیشہ ہے، کیونکہ ہر زمانہ میں جو حالت اکثر کی ہوتی ہے، اسی پر حکم لگایا جاتا ہے۔ (اور آج کل اکثر کی حالت اسی طرح بدل جاتی ہے، پس سب کو ایسا ہی سمجھا جائے گا، اس لئے کسی کو اپنی طرف سے بے فکر نہ ہونا چاہئے، ایسا اندیشہ ہر ایک کے واسطے لگا ہوا ہے) ہر عابد، زاہد، متقی، ذاکر، شاغل کو ہمیشہ ڈرنا چاہئے کہ مبادا کہیں وہ دین کی دولت، جو اس کے پاس ہے، زائل نہ ہوجائے، کیونکہ اس کا دین پر جما رہنا، اس زمانہ کی حالت کے بالکل خلاف ہے، نیک کام کرنے والے آج کل گھٹتے چلے جاتے ہیں اور برے کام کرنے والوں کی زیادتی اور ترقی ہے۔ یہاں تک کہ آخرکار بدکاروں ہی پر قیامت ہوگی۔ (صفحہ ۱۴۷)

اپنے بھائیوں سے ممتاز بن کر نہ رہنے کی ادا کا ہونا

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) جہاں تک ممکن ہو، اپنے بھائیوں سے کسی خصلت محمودہ میں ممتاز ہوکر نہ رہیں، کیونکہ اس سے ہمارے بھائیوں کی رونق بجھ جائے گی اور ہماری رونق بڑھ جائے گی، تو بس ضرورت کے وقت ہم کو امتیاز ظاہر نہ کرنا چاہئے۔ (بلا ضرورت امتیازی شان بہتر نہیں) اور حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے اسی کو محبوب رکھتے ہیں، جس کو پیچھے کوئی تلاش نہ کرے اور سامنے کوئی تعظیم نہ کرے (اس لئے امتیازی شان سے بچنا چاہئے کہ اس سے شہرت ہوجاتی ہے) ہاں اگر کسی کو حق تعالیٰ نے مقتدیٰ بنا دیا ہو، وہ معذور ہے، کیونکہ خود اس کی نیت تو ممتاز بننے کی نہیں ہوتی (پس وہ اسی حالت میں خدا کا محبوب ہوتا ہے، حق تعالیٰ خود اس کو مشہور کردیتے ہیں، تاکہ مخلوق کو اس سے فیض پہنچے، وہ شہرت اور امتیاز کا طالب نہیں ہوتا)۔ (صفحہ ۱۴۸)

معاشرہ میں دنیا دار درویشوں کا بے وقعت ہونا

آج کل امراء کی نظر میں اس شخص سے زیادہ کسی درویش کی بھی قدر و منزلت نہیں ہوسکتی، جو دنیا سے بے رغبت ہوکر، ان کے چاندی سونے کو انہی کی طرف واپس نہ کردیتا ہو، پس (اس ذریعہ سے اور) اس ٹٹی کی آڑ میں وہ مخلوق کی ہزاروں حاجتیں ان سے پوری کرا سکتا ہے، کیونکہ وہ جب دیکھیں گے کہ یہ شخص ان چیزوں کی بھی قدر

نہیں کرتا، جس کے طالب سلاطین دنیا ہیں تو لامحالہ اس کی عظمت اور قدر و منزلت کریں گے اور اس کے پیر چومیں گے اور ہمیشہ اس کی سفارش کو قبول کیا کریں گے اور اس کے برخلاف جب وہ یہ دیکھیں گے کہ کوئی عالم یا درویش دنیا سے محبت رکھتا ہے اور ان سے مناصب و مراتب کی یا ہدایا و عطایا کی تمنا رکھتا ہے، تولیت وقف اور مدرسی مشیخت کی درخواست کرتا ہے یا یہ چاہتا ہے کہ حکام کے ذریعہ سے شاہی دسترخوان پر اس کا روزینہ مقرر ہوجائے یا اس کو طلب دنیا کے لئے سفر کرتے اور دنیا جمع کرنے کے لئے ان سے بھی زیادہ پوری ہمت صرف کرتے ہوئے دیکھیں تو پھر وہ اس کے کیونکر معتقد ہوسکتے ہیں۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

یا معشر العلما یا ملح البلد   ما یصلح الملح اذا الملح فسد

اے علماء کی جماعت تم شہر میں (بمنزلہ) نمک (کے) ہو تو (بتلاؤ) اگر نمک ہی خراب ہوجائے تو اس کو کون درست کرسکتا ہے؟ (یعنی کھانے کی لذت اور درستی تو نمک سے ہوتی ہے، لیکن اگر نمک میں خرابی آجائے تو اس کو کونسی چیز درست کرسکتی ہے؟ نمک کی خرابی کا کوئی بھی علاج نہیں ہوسکتا، اسی طرح عوام کی حالت تو علماء کے ذریعہ سے درست ہوتی ہے، اگر علماء ہی بگڑ جائیں تو ان کو کون درست کرے گا؟ (صفحہ ۱۴۹)

دنیا کی محبت کا دل کو ناپاک کرنا

اور عزیز من! خوب جان لو کہ سب سے زیادہ دل کو ناپاک کرنے والی چیز دنیا کی محبت ہے، شاید تم تو اس کو گناہ بھی نہ سمجھتے ہوگے اور عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد بھول گئے کہ ''حب الدنیا راس کل خطیئۃ'' کہ دنیا کی محبت ہی سب گناہوں کی جڑ اور تمام گناہوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بالکل یہی الفاظ فرمائے ہیں۔ مرتب) جو شخص دنیا سے محبت رکھتا ہے اس سے کوئی گناہ بھی جدا نہیں ہوا۔

سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص دنیا کی محبت (اول

میں) لے کر مرجائے، اس کا حشر ایسی پھٹکاری ہوئی چیز کے ساتھ ہوگا، جس کو پیدا کرنے کے وقت کبھی حق تعالیٰ نے محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھا ہوگا (یعنی اس کا حشر دنیا ہی کے ساتھ ہوگا، جس کے اوپر حق تعالیٰ نے محبت کی نظر کبھی نہیں ڈالی، بلکہ وہ ہمیشہ خدا کے نزدیک مبغوض ہی رہی) اور حدیث میں ہے کہ ہر شخص اپنے دوستوں کے دین پر (قیامت میں) اٹھے گا، پس ہر کوئی غور کرکے دیکھ لیا کرے کہ وہ کس کے ساتھ دوستی کر رہا ہے (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کو دنیا کے ساتھ محبت ہوگی اس کا حشر دنیا کے ساتھ ہوگا نعوذ باللہ منہا) پس اے عزیز! ہر شام اور صبح دنیا کی محبت سے توبہ کیا کرو اس میں سستی نہ کرنا اور خدا تم کو ہدایت دے۔ (صفحہ ۱۶۲)

نفس کے خلاف مجاہدہ کا واجب کرنا

پس ہر شخص کو لازم ہے کہ ایسے لوگوں (سے ملنا) چھوڑ دے، جو خدا تعالیٰ کے ادب میں سستی (اور کوتاہی) کرتے ہیں اور (بہانہ کرکے) یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس (ادب) کا چھوڑ دینا بھی تو جائز ہے، کیا انسان کو بلاخشوع وخضوع کے نماز پڑھنا (اس حالت میں) جائز ہوسکتا ہے، جب کہ اس کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ اس سے دین میں ضرر پہنچے گا اور (ان لوگوں کو چھوڑ کر) خشوع وخضوع والوں سے ملتے رہنا اور ان کے پاس اٹھتے بیٹھتے رہنا چاہئے کہ اس کی بدولت انشاء اللہ تعالیٰ اس کو خشوع (پیدا ہونے میں امداد و اعانت ملے گی) خلاصہ یہ کہ ہر شخص کے ذمہ تکمیل عبادت کے لئے اس حد تک ریاضت اور مجاہدہ نفس واجب ہے کہ حق تعالیٰ کا حضور اس کو بلاتکلف ایسا حاصل ہوجائے کہ طبیعت ثانیہ بن جائے، ویسا حضور نہ ہو، جیسا کہ بعض وہمیوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ نماز میں حق تعالیٰ کا حضور حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس پر قدرت نہیں پاتے تو بار بار ہوا میں ہاتھوں کو جھٹکتے اور سینے پر دھرتے ہیں، مگر پھر بھی حضور نہیں حاصل ہوتا، تو بات یہ ہے کہ وہ یوں چاہتے ہیں کہ ریاضت اور مجاہدہ کا کام تمام راستہ ایک لمحہ میں خلاف قاعدہ طے کرجائیں اور یہ کبھی نہیں ہوسکتا، اس کو خوب سمجھ لو اور عمل کرو، خدا تعالیٰ تم کو ہدایت دے۔ (صفحہ ۱۹۴)

حاجتمند کے سوال کو رد نہ کرنے کی تاکید

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کسی حاجت مند سوال کرنے والے کو کبھی (خالی) واپس نہ کیا کریں، البتہ اگر وہ کسی ایسی چیز کا سوال کرے، جس کی ہم کو اپنے نفس کے لئے یا ان لوگوں کے لئے جن کی خبر گیری ہمارے ذمہ فرض ہے، ضرورت اور حاجت ہو (تو اس کے ہوال کو رد کرنے کا مضائقہ نہیں) بالخصوص اگر اس چیز کے دینے کے بعد ہماری حالت بھی ویسے ہی ہوجائے، جیسے اس کی حالت ہے کہ ہم خود محتاج بن بیٹھیں (ایسی صورت میں بھی سوال کرنے والے کی درخواست پوری نہ کرنا چاہئے) حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں۔ **ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا**" اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن میں باندھ لینا چاہئے (غایت بخل سے بلکل ہی ہاتھ روک لیا جائے) اور نہ بلکل ہی کھول دینا چاہئے (کہ اسراف کیا جائے) ورنہ الزام کھائے ہوئے تہی دست ہوکر بیٹھ رہو گے (کہ سب الزام دیں گے کہ اتنا کیوں دیا جو آپ محتاج رہ گیا)۔

اور حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بار اپنے آپ کو ایک سائل کی ضرورت کے لئے بیچ دیا تھا، جس نے آپ سے سوال کیا تھا کہ کوئی ایسی چیز اس کو دیدیں، جس سے اپنی، جان بچائے (اس وقت آپ کے پاس کوئی چیز نہیں تھی تو آپ نے اپنے نفس کو کسی کے ہاتھ بیچ دیا یعنی اجارہ پر دے دیا)۔ (صفحہ ۲۰۱)

میری اپنی حالت

اور جب مجھ کو یہ مقام حاصل ہوا تو میرے وہ احباب جو مجھ کو کپڑے وغیرہ دیا کرتے ہیں، کپڑے دیتے وقت یہ شرط لگادیا کرتے تھے کہ اگر میں کسی کو وہ کپڑے دینا چاہوں تو انہی کو واپس کردوں (کسی دوسرے آدمی کو نہ دوں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ میں کسی سائل کی درخواست کو رد نہیں کرتا تو جو کوئی مجھ سے کچھ مانگتا ہے، میں فورا اس کو دے ڈالتا ہوں تو جو ہدیہ میرے پاس آتا ہے، وہ نہ میرے پاس رہتا ہے، نہ دینے والے کے پاس رہتا ہے، مجھ سے بھی گیا اور ان سے بھی گیا، اس لئے دینے والے اب یہ شرط کرلیتے ہیں کہ جب تک میں استعمال کروں کرتا رہوں، جب کسی کو

دینا چاہوں تو ان ہی کو واپس کردوں) وجہ یہ ہے کہ میرا ذریعہ معاش صرف یہی ہے کہ میں ضرورت کے وقت حق تعالیٰ سے مانگتا ہوں (پھر حق تعالیٰ کسی کے دل میں میرا خیال ڈال دیتے ہیں، وہ میری خدمت کردیتا ہے، اس لئے میں اپنے پاس کوئی چیز جمع نہیں کرتا، جب سب خرچ ہوجاتا ہے، پھر حق تعالیٰ سے مانگ لیتا ہوں پھر حق تعالیٰ مجھ کو عطا فرماتے ہیں)۔ واللہ غنی حمید (صفحہ ۲۰۲)

زندگی کی تخلیقی مشکلات کو سمجھنے کی ضرورت

ابن عابدین مصنف ''شامی'' درالمختار میں لکھتے ہیں۔

کچھ چیزیں ایسی ہیں، جنہیں فرد کے لئے سمجھنا ضروری ہے پہلی چیز حسد کے بارے میں ہے **الحسد عشرہ تسعة فی العلماء واحد فی الناس** حسد کے دس حصے کئے گئے نُو حصے اہل علم میں رکھ دیئے گئے، ایک حصہ سارے جہاں کے لوگوں میں۔ دوسری چیز جو سمجھنے کی ضرورت ہے وہ مصیبتوں کے بارے میں ہے۔

البلاء عشرہ سبعة فی الحالح واحد فی الناس جب مصیبتیں نازل ہوئی تو اس کے دس حصے کئے گئے۔ نُو حصے نیک لوگوں میں رکھے گئے، ایک حصہ سارے جہاں کے لوگوں میں تیسری چیز عقل کے بارے میں ہے، **العقل تسعة فی الرجال فی النساء** عقل کے دس حصے کئے گئے ہیں، نُو حصے مردوں کو عطا کئے گئے، ایک حصہ عورتوں کو۔

دس سال تک اخلاص سیکھنے کا عمل

حضرت مجدد الف ثانی کے ہاں ایک مجتہد اور مفتی آئے، جو دس سال تک خدمت میں رہے، ان کے علاقہ کے ایک صاحب نے ان مفتی صاحب سے پوچھا کہ آپ تو خود مجتہد ہیں، یہاں کیا سیکھنے آئے ہیں، انہوں نے فرمایا، اخلاص سیکھنے کے لئے آیا ہوں اور دس سال سے یہ سیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ دس سال کے بعد حالت یہ ہے کہ کوئی کام شروع کرتے وقت تو اخلاص کی نیت غالب ہوتی ہے، لیکن

کام ختم کرتے وقت اخلاص باقی نہیں رہتا۔ یعنی آخر میں نفس کا غلبہ رہتا ہے۔ اخلاص سیکھنا اور اخلاص پر استقامت سے گامزن رہنا، یہ وہ علم ہے، جس میں ظاہری شرعی علوم کی تحصیل سے زیادہ وقت لگتا ہے اور محنت صرف ہوتی ہے۔

معارف ومشاہدے

(حضرت شاہ ولی اللہؒ)

حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلی کی شخصیت ہمہ گیر خصوصیات کی حامل ہے، ظاہری وباطنی علوم، روحانی مشاہدات، قرآن وسنت میں تبحر، قرآنی علوم کی نشرواشاعت اور دین وشریعت کی حکمت کی پیشکش جیسے معاملات میں آپ کو جو کمال حاصل ہے، وہ بے مثال ہے، یہاں ہم آپ کی کتاب ''فیوض الحرمین'' سے آپ کے کچھ مشاہدے اور ان مشاہدوں سے حاصل شدہ نتائج پیش کررہے ہیں، آپ کی اصل کتاب ''حجتہ اللہ البالغہ'' ہے، جس کی ایک تلخیص ان شاء اللہ ہم الگ کتاب میں پیش کریں گے۔ مرتب)

ان علوم سے جو مجھے رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت سے حاصل ہوئے، ایک علم یہ ہے کہ عارف جو معرفت الٰہی میں کامل ہوتا ہے، اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ دنیاوی، جسمانی اور روحانی تعلقات سے پوری طرح دور ہو، وہ اپنی کیفیات اور جذبات واحساسات میں ہر وقت تروتازہ ہو۔

عارف پر اللہ کی ذاتی محبت کا غالب ہونا

جب عارف پر صبغتہ اللہ کا فیضاں ہوتا ہے تو اس کا تعلق دنیوی، اخروی، جسمانی اور روحانیت وغیرہ سے منقطع ہوکر، محبت ذاتی کی صورت اختیار کر لیتا ہے، محبت ذاتی سے مراد وہ محبت ہے، جو سراپا اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

عارف کا مادی چیزوں سے تعلق
ذات حق کے لئے ہوتا ہے

عارف کامل دنیا سے اس طرح منقطع ہوتا ہے (وجدانی طور پر) کہ اس عالم کے مظاہر میں سے کسی چیز کی محبت بھی اس کا رشتہ اللہ سے منقطع ہونے نہیں دیتی۔ عارف، ان چیزوں سے اپنی ذات کے لئے محبت نہیں کرتا، بلکہ اس کی محبت ذات حق کے لئے ہوتی ہے۔

عارف پر باطن سے علوم کے اسرار کا کھلنا

ہر عارف جو معرفت حق میں کامل ہوتا ہے، وہ جو کچھ بھی اخذ کرتا ہے، وہ اپنے باطن سے ہی اخذ کرتا ہے۔ اب جہاں تک ان ذرائع واسباب کا تعلق ہے، جو اس کے اخذ علم کا باعث بنتے ہیں تو ان کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس عارف کے اندر پہلے سے یہ علم موجود تھا، جو اس پر بعد میں ظاہر ہوا۔ اس طرح اس چیز کی حقیقت عارف پر منکشف ہوئی۔ اگر کوئی عارف اخذ علم کے اس طریقہ کے علاوہ کسی اور طریقہ سے یا کہیں اور سے علم حاصل کرتا ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ معرفت الٰہی میں کامل نہیں۔ (شاہ صاحب کے اس نکتہ کو اگر اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنورالله مومن کی فراست سے ڈرا کرو، اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے حدیث کے پس منظر میں دیکھا جائے تو اس پر اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ مرتب)۔

باطنی کدورتوں سے صفائی کے بعد
عارف کو حاصل ہونے والا نور

ان علوم میں سے جو مجھے رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت سے حاصل ہوئے، ایک علم یہ ہے کہ جب عارف کامل کا نفس جسم کی کدورتوں سے صاف ہو کر ملاء اعلیٰ سے متصل ہوجاتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجلی کا ورود ہوتا ہے وہ تجلی اس کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے۔

عارف کا، اللہ کی مخلوق کے لئے ایک تجلی بن جانا

اس تجلی کی وجہ سے عارف کا نفس اور اس کا پورا جسم اس نور سے سرشار ہوجاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ عارف، اللہ کی مخلوق کے لئے اس کی تجلیات میں سے ایک تجلی بن جاتا ہے۔ اس صورت میں عارف کی توجہ میں اللہ کی توجہ شامل ہوجاتی ہے۔ اس طرح وہ کامل اکسیر بن جاتا ہے، جس سے لوگوں کو شفا حاصل ہوتی ہے، عارف اگر اپنی قوت کو مرتکز کئے بغیر بھی متوجہ ہو تو اس کے بھی اثرات ہوتے ہیں۔ (فیوض الحرمین، چھبیسواں مشاہدہ)

عارف کا، ذات حق کی نظر عنایت کا
مرکز بن جانا

ایک عارف جو معرفت اور حال میں کامل ہوتا ہے، اس کی ہمت میں یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ ذات حق کی نظر عنایت کا مرکز بن جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی اس ہمت کا اثر اس عارف کے اہل وعیال پر، اس کے مال پر، اس کے مکان وغیرہ سب پر پڑتا ہے۔ عارف ان سب کی اصلاح کرتا ہے۔ (بیسواں مشاہدہ)

عارف کے ساتھ ملاء اعلیٰ کی ہمتوں کا وابستہ ہونا

جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے تو وہ شخص ملاء اعلیٰ کا چہیتا بن جاتا ہے، یہ جس جگہ اترتا ہے، وہاں ملاء اعلیٰ کی ہمتیں وابستہ ہوجاتی ہیں، اس طرف فرشتے فوج در فوج اور انوار موج در موج لپکتے ہیں۔ (ایضا)

روح کی آنکھ کا جسمانی آنکھ پر غالب آنا

اس زندگی میں بدنی بات کی وجہ سے روح کی آنکھ تجلی کو دیکھنے میں حائل ہوجاتی ہے، اگرچہ روح کی آنکھ جسم کی آنکھ پر غالب ہوتی ہے۔ قیامت کے دن جب حجابات چھٹ جائیں گے تو روح کی آنکھ بذات خود مستقل حیثیت اختیار کرے گی، وہاں جسم کی آنکھ روح کی آنکھ کے تابع ہوگی۔ آخرت کی زندگی، اس دنیا کی زندگی کا ہی حاصل ہوگی۔ چنانچہ روح کی آنکھ اور اور وہ آنکھ جو آخرت میں عامة

المسلمین کو میسر ہوگی، اس میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ عامۃ المسلمین کو اس زندگی کے بعد حجابات بدن اتارنے کے بعد ہی روح کی اس آنکھ سے بہرہ یاب ہونے کا موقعہ ملتا ہے، لیکن بعض ممتاز افراد کو اس دنیا کی زندگی میں ہی یہ آنکھ میسر ہوجاتی ہے۔ (تیسرا مشاہدہ)

بہیمی قوت کا ملکوتی قوت کے رنگ میں رنگ جانے کا عمل

روحیں جب بدنوں سے جدا ہوتی ہیں تو ایک تو ان کی بہیمی قوت میں کمی آجاتی ہے، دوسرے ان کی ملکی قوت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ نیز روحوں نے دنیاوی زندگی میں جو کمالات حاصل کئے تھے، وہ روحوں کے ساتھ مستقل طور پر ملحق ہوجاتے ہیں۔ ان کمالات کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک کمالات ''نور اعمال'' کے ہیں۔ اس کی نوعیت یہ ہے کہ انسان کی ملکی قوت جب اس کی بہیمی قوت کو مجبور کرتی ہے کہ وہ نیک کام کرے تو بہیمی قوت اس کا حکم مانتی ہے اور اپنے آپ کو آہستہ آہستہ اس کے تصرف میں دینے لگتی ہے۔ اس سے ایک تو ملکی قوت میں انشراح پیدا ہوجاتا ہے۔ دوم یہ کہ اس کی وجہ سے خود قوت بہیمی بھی ملکی قوت کے مناسب کوئی ہیئت اختیار کر لیتی ہے، قوت بہیمی کا ملکوتی قوت کے رنگ میں اس طرح رنگ جانا دراصل نقطہ کمال ہوتا ہے اس قوت بہیمی کا۔ الغرض اس طرح جب بار بار ہوتا ہے اور بہیمی قوت ملکوتی رنگ میں رنگ جاتی ہے تو اس سے ان دونوں قوتوں کے اصل جوہر ''نور اعمال'' میں کمال حاصل ہوجاتا ہے۔ آگے چل کر یہ ''کمال'' نفس کے لئے بمنزلہ عادت اور جبلت کے بن جاتا ہے، جو کسی حال میں اس سے الگ نہیں ہوتا۔

ان کمالات کی دوسری قسم ''نور رحمت'' ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان جب کوئی ایسا کام کرتا ہے جو اللہ کی خوشی کا موجب ہوتا ہے تو اس پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے اس کام سے یا تو افراد کو تکلیف میں کمی ہوئی، یا وہ کام اللہ کے کسی ارادہ کی تکمیل کا ذریعہ بنا، مثلاً اللہ تعالیٰ دنیا میں ہدایت ونور کی اشاعت کرنا چاہتا تھا، اس شخص نے یہ کام کیا تو یہ کام ہدایت ونور کی تجلی الٰہی کے ظہور کا ذریعہ بن گیا یا وہ شخص خود تجلی الٰہی کے ضمن میں شمار ہونے لگا، اس لئے کہ

یہ شخص ریاضتوں کے ذریعہ خود تجلی کی طرف متوجہ ہوا۔ یہاں تک کہ خود اس کا حصہ بن گیا۔ الغرض کہ نیک کاموں کی وجہ سے فرد کو رحمت الٰہی گھیر لیتی ہے۔ جس سے ملکی سرور وانبساط حاصل ہوتا ہے۔

مجاہدوں کے ذریعہ حاصل ہونے والے احوال سے نفس میں لطافتوں کا پیدا ہونا

کمالات کی ایک صورت نور احوال کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص کے نفس پر جب خوف، امید، بے قراری، انس، ہیبت، تعظیم، احترام، اور اس طرح کی کیفیات برابر وارد ہوتی رہتی ہیں، تو اس سے اس کے نفس میں صفائی اور رقت پیدا ہوجاتی ہے، موت کے وقت اس شخص میں اسمائے حسنٰے کے رنگ اور انوار سرایت کر جاتے ہیں۔ اس سے اس کے نفس میں بہت سی لطافتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ ہر لطافت اس کے لئے مسرت وانبساط کا باعث بنتی ہے۔

چنانچہ ان انوار سے نفس کی حالت اس آئینے کی طرح ہوجاتی ہے، جو دھوپ میں رکھا ہوا ہو، جس پر سورج کی شعائیں پڑ رہی ہوں، جن کی وجہ سے وہ سرتاپا نور بن جاتا ہے۔ (آٹھواں مشاہدہ)

نماز میں حاصل ہونے والی تکلیف کے ذریعہ احسان کے ملکہ تک رسائی حاصل کرنا

جس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا کمال عطا فرمایا تو اس نے گویا نماز اور طہارت کے نور کی حقیقت کو پالیا۔ اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اسے جب کبھی نماز میں دیر ہوجاتی ہے یا کثافتوں کا ہجوم ہوتا ہے تو اس میں طرح طرح کے رنگ اور آوازیں بھر جاتی ہیں اور اسے خاص حالتوں سے سابقہ پیش آتا ہے، جس سے اسے سخت اذیت محسوس ہونے لگتی ہے اور اس کی طبیعت مکدر ہوجاتی ہے۔ لیکن جوں ہی وہ نماز اور ذکر میں مشغول ہونے لگتا ہے تو اس کی پاکیزہ کیفیات پھر بحال ہونے لگتی ہیں۔

الغرض جو شخص ناپاکی اور کثافتوں کے ردعمل سے نفس میں پیدا ہونے والی

کیفیات سے آشنا ہوجاتا ہے۔ اور نماز اور ذکر کی مسرت آمیز کیفیات سے بھی۔ تو
وہ شخص صحیح معنوں میں مومن ہے، ایسے مومن کی صفت ایمان کو ''احسان'' سے تعبیر کیا
گیا ہے۔

جس شخص کو دعا اور ذکر کے ضمن میں کیفیت حضوری کا استحضار حاصل ہوا، خواہ
وہ کیفیت حضوری کو الفاظ، حروف وخیالات سے یکسر مجرد کرکے نہ دیکھ سکے تو اس
نے باب ''احسان'' کے اہم جزو کی تکمیل کرلی۔ (پانچواں مشاہدہ)۔

شیخین کی افضلیت

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کس
اعتبار سے افضل ہیں؟ باوجود اس کے کہ حضرت علیؓ اس امت کے پہلے صوفی، پہلے
مجذوب اور پہلے عارف ہیں، یہ کمالات سوائے ان کی ذات کے اور کسی میں موجود
نہیں ہیں، اور اگر تھوڑے کسی میں ہیں بھی تو وہ محض نبی کریم ﷺ کے طفیلی حیثیت
سے،میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ سوال پیش کیا تو مجھے بتایا گیا کہ آپ کے
نزدیک فضیلت کلی کا مدار امور نبوت پر ہے۔ جیسے کہ علم کی اشاعت، لوگوں کو دین کا
مطیع وفرمان بردار بنانا اوراسی طرح کے امور، جو نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور وہ
فضیلت جس کا مرجع ولایت یعنی ''جذب'' اور فنا ہے یہ تو ایک جزوی فضیلت ہے
اور ایک اعتبار سے یہ فضیلت کم درجہ کی بھی ہے۔ (مشاہدات ومعارف ترجمہ فیوض
الحرمین صفحہ۱۷۳ حضرت شاہ ولی اللہ)

(شاہ صاحب کے اس مشاہدہ سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ کلی فضیلت کا
معیار دین کی اشاعت اور اس کے غلبہ کا کام ہے، جو امور نبوت سے تعلق رکھتا ہے،
اس کام کی فضیلت دوسرے سارے کاموں سے زیادہ ہے۔ رسالتمآب ﷺ کے بعد
نبوت سے متعلق ان کاموں میں شیخین کو سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے، یعنی
شیخین نے ان کاموں کو سب سے زیادہ بہت طور پر سرانجام دیا، اور ان کی شخصیتیں
دنیا کے قابل ذکر حصہ تک فروغ دین اور اشاعت دین کا ذریعہ ثابت ہوئیں اس

لئے نبوت کے بعد انہی کی فضیلت مسلمہ ہے دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ حضرت ابا بکر،
حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی افضلیت ایسی چیز
ہے، جس پر کوئی کلام نہیں اس سلسلہ میں اہل سنت کا اجماع ہے اس مشاہدہ سے
ایک جزوی نوعیت کا مسئلہ جو ہمارے سمجھنے کا ہے، وہ یہ ہے کہ کار نبوت کے کاموں
کے لئے اخلاص، للّٰہیت وبے نفسی کی شرط بنیادی ہے، اس لئے اخلاص وبے نفسی
کے ساتھ اشاعت دین اور غلبہ دین کے لئے ہونے والا کام جذب وفنا کے مقامات
سے گذرنے کے کام سے زیادہ افضل ہے اور ظاہر ہے کہ اخلاص وبے نفسی کے
حصول کا طریقہ تصوف وراہ سلوک سے ہی مخصوص نہیں ہے، بلکہ قرآن کی تلاوت
ونوافل سے خصوصی تعلق اور عبادت سے طبعی مناسبت پیدا ہونے اور مسلسل خوداحتسابی
سے کام لیتے رہنے کے نتیجہ میں بھی اخلاص وبے نفسی پیدا ہوسکتی ہے،جس طرح ابن
جوزی، ابن تیمیہ اور ابن قیم جیسی بزرگ شخصیتوں نے حاصل کی۔ مرتب)

علمائے حرمین کا بعض صوفیاء پر اعتراض

علمائے حرمین نے بعض صوفیاء پر اعتراض کئے تھے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ
سے ان اعتراضات کے جوابات لکھنے کی اجازت چاہی، لیکن آپ نے اس کی
اجازت نہ دی، اس سے میں سمجھ گیا کہ یہ علماء جو صوفیا پر معترض ہیں، ان کا جتنا بھی
مبلغ علم ہے وہ اسی کے مطابق مصروف عمل ہیں، وہ اپنی بساط کے مطابق کسی نہ کسی
حیثیت سے لوگوں کے دلوں کے تصفیہ میں لگے ہوئے ہیں اور علم اور دین کی
اشاعت میں سرگرم ہیں، اس لئے وہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ قریب، زیادہ محترم
اور آپ کی نظروں میں زیادہ محبوب ہیں۔ بہ نسبت ان صوفیائے کے جو ارباب فنا
وبقا ہیں۔

قرب الٰہی کے دو طریقے ہیں۔ ایک علوم کی نشرواشاعت، نیک کاموں کا حکم
دینا، بُرائیوں سے روکنا اور ایسے کاموں میں کوشاں ہونا، جن سے سب انسانوں کا بھلا
ہو۔ یہ سب قرب الٰہی میں داخل ہیں۔ قرب الٰہی کا دوسرا طریقہ فنا وبقا اور جذب

وغیرہ کے مراحل سے گذرنے کا ہے۔ ہماری نظر میں قرب الٰہی کے دوسرے طریقہ میں حضور کے نزدیک نہ تو عالی منزلت تھی، نہ آپ کو مرغوب تھا، آپ کی ذات اقدس تو قرب کے پہلے طریقہ کا عنوان تھی اور اللہ تعالٰی نے آپ کو اس عنایت کا مرکز بنایا تھا کہ آپ کے ذریعہ قرب الٰہی کے پہلے طریقہ کا فیض عام ہو۔ (فیوض الحرمین،صفحہ نمبر ۱۶۹ سے ۱۷۰)

(حضرت شاہ صاحب کا یہ مشاہدہ ایسا ہے، جو تصوف کے حلقوں میں ہضم ہونا دشوار رہا ہے، ایک اس لئے کہ امت کی تاریخ میں اشاعت دین اور خدمت دین کا جو بیشتر کام ہوا ہے، وہ یا تو صاحبان سلوک کی سرپرستی میں ہوا ہے، یا ان کی فیض یافتہ شخصیتوں نے سرانجام دیا ہے۔ دوم اس لئے کہ اشاعت دین اور فروغ دین کے لئے جن باطنی صفات وخصوصیات کی ضرورت درپیش رہی، وہ بیشتر صفات غیرمعمولی مجاہدوں کے ذریعہ صاحبان سلوک میں ہی پیدا ہوتی رہی ہیں، لیکن اس عاجز کی نظر میں شاہ صاحب کے اس مشاہدہ سے نتائج اخذ کرنے کا یہ پہلو بہت اہم اور قابل غور ہے کہ فنا اور بقا کے بغیر بھی ذکر وعبادت کو وظیفہ بنانے، خود احتسابی سے کام لینے اور عاجزانہ روش کے ساتھ اشاعت دین اور فروغ دین کا جو کام ہوگا، وہ خیروبرکت کا حامل ہوگا، اور امت میں ہر دور میں اس طرح کی شخصیتیں موجود رہی ہیں، جنہوں نے ان اصولوں کے ساتھ دعوت دین اور فروغ دین کا کام کیا ہے، اس سے بقائے اسلام اور احیائے اسلام کے کام کو فروغ حاصل ہوا ہے اور کفر اور طاغوت کی طاقتوں کی کسی حد تک مقابلہ کی صورت پیدا ہوتی رہی ہے۔ اس دور میں اس کی واضح مثال حسن البناء شہید کی تحریک اخوان المسلموں ہے، جو پچھلے اسی نوے سال سے مصر اور عالم عرب میں مؤثر طور پر کام کررہی ہے۔ اس تحریک نے لاکھوں سے زیادہ نوجوان نسل کو اسلام پر قائم رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے، ان کے اس کام میں بیان کردہ تینوں بنیادی اصول کارفرما ہیں۔ البتہ مذکورہ بنیادی اصولوں سے ہٹ کر قرآن وسنت کے نام پر فروغ دین اور اشاعت دین کا جو کام بھی ہوتا رہا ہے، اس سے تحرک تو پیدا ہوتا رہا ہے، لیکن یہ کام جلد ہی امت میں ایک نئے گروہ کے اضافے کی صورت اختیار کرتا

گیا ہے۔ اس لئے کہ تزکیہ کے خصوصی اہتمام کے بغیر افراد کے باطن میں موجود فساد کا معاشرہ میں ظہور نہ ہو، یہ ممکن نہیں، شاہ صاحب کے بیان کردہ نکتہ میں صحت کے اجزاء موجود ہیں۔ اس لئے اس پر غوروفکر کی ضرورت ہے، تاکہ امت میں سلوک واحسان کے حلقہ سے باہر ہونے والے دعوتی کاموں سے تعلق خاطر اور ان کے لئے دعا کی صورت پیدا ہوتی رہے۔ مرتب)

حالت فنا کے لوازمات

فرمایا: فنا کے لوازمات لوگوں سے تنہائی ووحشت ہے۔ اور راتوں کو مراقبہ کے ساتھ زندہ رکھنا ہے۔ پھر سالک اپنے آپ سے فانی اور خدا کے ساتھ باقی ہوجاتا ہے، اس کے بعد کثرت مشاہدہ وحدت کے لئے رکاوٹ نہیں ہوتا۔ اور جلوت، خلوت ہوجاتی ہے۔ (انفاس العارفین، صفحہ۱۸۳، شاہ ولی اللہ)

نسبت میں ترقی

سالک کا اچانک منزل سے آگاہ ہونا

نسبت کی ترقی، کشتی کی رفتار کی مانند ہے، اس کا سوار سمجھتا ہے کہ وہ ساکن ہے، جب وہ ساحل پر پہنچتا ہے تو اچانک وہ قطع منزل سے آگاہ ہوتا ہے۔

سماع اور بے خودی سے مقصد بشری مذموم عادات کو ختم کرنا ہے۔ محض عقل وہوش کو مغلوب کرنا مطلوب نہیں ہوتا۔ غوطہ زنی کا مقصد موتی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ ناک اور منہ میں پانی ڈالنا نہیں ہوتا۔

اس ذات کا کثرت ذکر دوسرے اذکار سے زیادہ مؤثر ہے۔ (انفاس العارفین، صفحہ ۴۷)

مبتدی ومنتہی کے حالات کا فرق

مبتدی کا عدم وصول حقیقی ہے۔ اور منتہی کا صوری اور مبتدی کا گریہ وزاری حجابات کی وجہ سے ہے۔ اور منتہی کا رونا عظمت وکبریائی کے مشاہدے کی وجہ سے ہے، مبتدی ابھی ستر ہزار پردوں میں مستور ہے اور منتہی انوار کی شعاعوں میں قدم رکھے ہوئے ہے۔

مبتدی نے ابھی بار ہستی اپنے کندھوں سے نہیں اتارا، اور منتہی اس کی عظمت

کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔

مبتدی خیالوں اور سایوں سے نہیں چھوٹا، جب کہ یہ سایہ سے گذر کر واصل ہو چکا ہے۔ الحاصل یہ کہ اس جان جہاں کے لئے جان جوکھوں میں ڈالنی چاہئے۔ (مکتوب شیخ عبدالاحد، انفاس العارفین)

راہ سلوک کے نشیب وفراز میں طالبوں کی بہتر رہنمائی

(مولانا اشرف علی تھانویؒ)

مولانا تھانویؒ کے درج ذیل ملفوظات اور مواعظ سے اقتباسات اس عاجز نے پچیس سال پہلے اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیے تھے، جب وجدانی وذہنی تھکن اور اضطراب کے آثار غالب آتے تو ان کے مطالعہ سے غیرمعمولی تسکین حاصل ہوتی۔ ڈائری میں نقل شدہ ان اقتباسات کا ایک حصہ یہاں دیا جارہا ہے، یہ اقتباسات راہ سلوک میں چلنے والے طالبوں کی حوصلہ افزائی کے لئے غیرمعمولی طور پر سامانِ تسکین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (مرتب)

رسوخ میں مجاہدہ کی مصلحتیں

کبھی غفلت اور کبھی جبری اور کبھی قلبی ذکر، یہ سب علامتیں ہیں کہ راستہ طے ہورہا ہے، اور فرد مقصود سے قریب تر ہوتا جارہا ہے۔ ابتدا میں بلکہ توسط تک حالت میں تلوین ہی رہتی ہے۔ استقلال تو مدتوں کے بعد ہوتا ہے۔ نسبت کے رسوخ میں کمال کے بعد ہی البتہ ثبات ہوتا ہے حالت کا، نہ اس حالت کا انتظار رکھئے نہ کیفیات وحالات کے ادل بدل سے دلگیر ہوجئے، اپنے کام میں لگے رہئے، قدم اٹھا کر چلنا شروع کردو، پھر چاہے روزانہ ایک بالشت ہی چلا جائے، بلکہ راستہ میں رہ جانا یہ بھی پہنچ جانا ہی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص طلب علم ہیں مرجاتا ہے، اس کا حشر علماء وشہداء میں ہوتا ہے۔ یعنی وہ انہیں میں شمار ہوتا ہے۔

فرمایا، قبض بسط سے بھی ارفع ہے، اس لئے کہ اپنی حقیقت قبض ہی میں معلوم ہوتی ہے۔ اگر بسط دائم رہے تو بہت سے اخلاق رزیلہ پیدا ہوں، چنانچہ حق تعالیٰ

نے رزق کے بارے میں فرمایا ہے: وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ (اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے، رزق کو فراخ فرمادیتے تو وہ شرارت کرتے) سو احوال کے رزق باطنی میں بھی یہی ہوتا ہے، اگر احوال (یعنی بہتر باطنی کیفیات) تو بہت سی باطنی خرابیاں پیدا ہوجائیں، یعنی طغیانیاں، بڑائی اور عجب وغیرہ، پس قبض میں بھی صدہا مصلحتیں پوشیدہ ہیں، یہ بھی علاج ہے بہت سی بُرائیوں کا، اور جو قلب خالی معلوم ہوتا ہے تو واقع میں وہ خالی نہیں ہوتا، بلکہ بھرا ہوا ہوتا ہے، جو چیز اس میں بھری ہوئی ہے وہ ایسی ہوتی ہے، جو بظاہر محسوس نہیں ہوتی (ملفوظات حسن العزیز صفحہ ۳۴۷)

نفس کی شدت سے مخالفت کرتے رہنے کے اثرات

نفس کی شدت کے ساتھ مخالفت کرتے رہنے سے رفتہ رفتہ نفس کا داعیہ کمزور ہوجاتا ہے اور اس کی مخالفت آسان ہوجاتی ہے۔ غرض تحصیل کی جو تدبیر ہے، وہی تدبیر تسہیل کی بھی ہے، لیکن یہ قاعدہ اکثری ہے، کلی نہیں، بعض افراد کو عمر بھر مجاہدہ ہی کرنا پڑتا ہے۔ غرض طالب کو اپنی طرف سے عمر بھر کے مجاہدے ہی میں گذارنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ دنیا میں مجاہدے ہی کے لئے تو بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ اور مجاہدے ہی سے اجر اور قرب بڑھتا ہے۔ جن سالکوں کو مجاہدات میں سہولت حاصل ہوجاتی ہے، ان کو بھی برابر مجاہدے کا اجر ملتا رہتا ہے، کیونکہ انہیں یہ سہولت مجاہدات کی بدولت ہی تو حاصل ہوتی ہے۔ (اشرف السوانح حصہ دوم صفحہ ۱۹۸)

زیادہ عمل کی توفیق سے خرابیاں پیدا ہونے کا اندیشہ

ایک طالب (مولانا عبدالباری ندوی) نے لکھا: پانچ وقت کی الٹی سیدھی نماز کے علاوہ جماعت وتہجد تک کا التزام نہیں قائم رہتا۔ برسوں سے یہی حال ہے۔ اب ہمت بالکل ٹوٹتی جارہی ہے اور یاس کا ہجوم رہنے لگا ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا، اللہ تعالیٰ حکیم ورحیم ہیں، بندوں کی مصلحت کو ان سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔

زیادہ عمل کی توفیق سے دیگر خرابیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہو سکتا تھا، مثلاً عجب وغیرہ کا پھر اسی میں اللہ تعالیٰ کے تصوف وقدرت اور اپنے عجز وعبدیت کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ اذکار واشغال کی کثرت اور تمام فضائل عمل کی بڑی غایت مشاہدہ حق واستحضار ہے۔ الحمدللہ کہ وہ اس طرح بھی حاصل ہے۔

اپنی راندگی کے خیال کا غالب آنا

طالب (مولانا ندوی نے) مزید لکھا خصوصیت سے دینی امور میں ارادوں کے ٹوٹتے رہنے سے کبھی کبھی اپنی راندگی کا خیال آتا ہے۔ فرمایا، یہ خیال صحیح نہیں بُعد اور راندگی کی علامت تو غفلت وبے پرواہی ہے۔ جیسا کہ اس قسم کے لوگوں میں مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، نہ کہ کوتاہیوں کا احساس اور صدمہ وقلق۔

مولانا ندوی نے مزید لکھا: نماز وغیرہ کی جو توفیق میسر ہوتی ہے، اس میں بھی نہ جی لگتا ہے نہ خشوع ہوتا ہے، بار بار اس کی نیت وکوشش کرتا ہوں اور ناکام رہتا ہوں، فرمایا: جی لگنا نہیں، بلکہ لگانا مطلوب ہے۔ اگر اس کے باوجود جی نہیں لگتا تو اس سے مجاہدہ ومشقت سے اجر میں اضافہ ہوتا ہے، خشوع کی مثال کو یوں سمجھنا چاہئے کہ ایک شخص کو نہایت عمدہ قرآن شریف یاد ہے، دوسرے کو خام، چنانچہ دوسرے کو نسبتہ سوچ سمجھکر اور ذرا توجہ سے پڑھنا پڑتا ہے۔ پس خشوع سے مطلوب اس درجہ کی توجہ ہے، باقی وساوس اور خطرات کا سرے سے نہ آنا، یہ صرف استغراق کی حالت میں ہوتا ہے، جو حال ہے، نہ کہ کمال۔ (جدید ملفوظات صفحہ ۳۷۸)

راہ سلوک میں دو چیزوں کا مقصود ہونا

ایک استفسار کے جواب میں فرمایا: مقصود دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ ذکر کا غلبہ ہو، تاکہ غفلت میں کم وقت گذرے۔ دوسرے دوام اطاعت، تاکہ نافرمانی بالکل نہ ہو، یہی دو چیزیں مقصود ہیں۔ اور اسی کے لئے مجاہدات ومعالجات اختیار کئے جاتے ہیں۔ انہی چیزوں سے حسب سنت، اللہ وہ مقصود مرتب ہوتا ہے۔ شروع میں قدرے تکلیف ہوتی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد جس کی مدت معین نہیں، یہ استعداد پر

منحصر ہے، مزاج کا حصہ بن جاتا ہے۔ گو کبھی کبھار ضد کا تقاضا بھی ہوجاتا ہے، مگر ادنی توجہ سے وہ ضد مغلوب ہوجاتی ہے۔ اس رسوخ وثبات کو مقام کہتے ہیں، جو فی نفسہ غیر اختیاری چیز ہے اور اسباب کے اعتبار سے اختیاری چیز ہے، رسوخ یعنی ذکر اور اطاعت کے غلبہ کی حالت کو نسبت بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ایسا قوی تعلق قائم ہوجائے، جس میں ذکر اور اطاعت کا غلبہ ہو۔ (بصائر حکیم الامت صفحہ ۲۲۳)

سارے طریق (تصوف) کا حاصل

میں نے اپنی تمام عمر میں سارے طریق کا جو حاصل سمجھا ہے، وہ یہ فنا وعبدیت ہے، پس جہاں تک ممکن ہو، اپنے آپ کو مٹایا جائے، بس اسی کے لئے سارے ریاضات مجاہدات کئے جاتے ہیں اور ساری عمر فنا وعبدیت میں ہی گذار دینی چاہئے۔ (بصائر حکیم الامت صفحہ ۲۴۰)

سلف کے مجاہدوں کو دیکھکر

مایوسی کا ہوجانا

سلف کے مجاہدات پر نظر کرنے سے اپنے لئے جو یاس لکھی ہے، یہ ایک ایسے خیال کو ظاہر کرتی ہے جس سے استغفار واجب ہے اور وہ خیال یہ ہے کہ گویا آپ مجاہدات کو وصول کا سبب سمجھ رہے ہیں، حالانکہ وصول کا حاصل ہونا محض فضل ہے اور مجاہدہ محض اس کا حیلہ ہے سو حیلہ کبھی قوی ہوتا ہے، کبھی ضعیف، کیا آپ نے وہ حدیث نہیں پڑھی کہ ایک زمانے میں اگر عشر مامور بھی ادا کر لیا جائے گا تو نجات ہوجائے گی۔ (بصائر صفحہ ۲۵۵)

اصل کام میں لگے رہنا چاہئے

فرمایا: فرد کو چاہئے کہ خدا سے تعلق پیدا کرے تو پھر اللہ تعالیٰ بڑے بڑے متکبروں اور فرعونوں کی گردنیں، اس کے سامنے جھکا دیتے ہیں۔ (صفحہ ۳۷۰)

فرمایا: طالب کو کسی مقام پر پہنچ کر بس نہیں کرنا چاہئے۔ (صفحہ ۳۷۰)

معرفت سے سیری کا نہ ہونا

ہر سالک کو بقدر ذوق اور وجدان کے یہ معرفت حاصل ہوجاتی ہے اور بقدر انس ومحبت اور تقویٰ کے یہ نسبت دائمہ حاصل ہوتی ہے اور اس سے عارف سالک ہمیشہ قرب اور ترقی میں رہتا ہے اور اس کو کبھی معرفت سے سیری نہیں ہوتی۔ بلکہ جتنا قرب ہوتا جائے، اتنی ہی خواہش اور باقی رہتی ہے اور یہ خواہش کیوں باقی نہ رہے۔ جس کے حسن وجمال اور عظمت کی انتہا نہیں، اس کی معرفت کی بھی کوئی حد نہیں، اس کا احاطہ کب ہوسکتا ہے اور یہ غلبہ حال یا مکاشفہ جو سالک کو کبھی کوئی شے مدرک ومکشوف اور متحضر ہوتی ہے، اس کو تجلی مثالی کہتے ہیں۔ (بصائر صفحہ ۲۳۷)

مبتدی اور منتہی کی غلطی اور اس کی نوعیت

ایک غلطی تو مبتدی کرتا ہے کہ وہ اپنے کو مشقت سے بچانا چاہتا ہے اور مجاہدہ کرتا ہی نہیں اور اسی انتظار میں رہتا ہے کہ سارا کام بغیر مشقت کے ہوجائے اور ایک غلطی منتہی کرتا ہے کہ وہ ابتدا میں مجاہدہ کرکے آئندہ کے لئے اپنے آپ کو مستغنی سمجھتا ہے اور یہ سخت غلطی ہے، کیونکہ بشری طبائع پھر لوٹ آتی ہیں اور اس وقت منتہی کو بھی معاصی کا تقاضہ ہوتا ہے۔ اور اس کا نفس بھی طاعات میں بعض دفعہ سستی کرنے لگتا ہے۔ اس وقت اس کو مجاہدے کی ضرورت ہے، گویا مبتدی اور منتہی کے مجاہدہ میں بڑا فرق ہے۔ وہ سرکش گھوڑے اور مہذب گھوڑے کا فرق ہے۔ (بصائر ۱۸۸)

مجاہدہ اضطراری کی وجہ سے اعمال میں کمی کا مسئلہ

اگر مجاہدہ اضطراریہ سے عمل میں قلت بھی ہوجائے اور محض فرائض وواجبات پر اکتفا ہوتا رہے، تب بھی مجاہدے کا ثواب ملتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مسافر ومریض کے لئے ان اعمال کا ثواب لکھا جاتا ہے، جو وہ سفر ومرض سے پہلے کیا تھا۔ (بصائر ۱۹۱)

پاس انفاس کا ذکر عمر بھر کے لئے کافی ہے

پاس انفاس کی بھی حقیقت یہی ہے کہ کوئی دم غفلت میں نہ گزرے، خواہ کوئی ذکر اپنا معمول بنائے، پاس انفاس کے مشہور معنیٰ اس ذکر کی حقیقت نہیں، بلکہ وہ بھی ایک طریق ہے، جس طرح دوسرے طریقے ہیں، پھر اگر اس ذکر کے وقت قلب میں خشوع معلوم ہو اور وہ روزانہ بڑھتی جائے اور وساوس اور خطرات میں کمی ہونے لگے اور دل میں ذکر کرے، تب تو میرے نزدیک (دوسرے) اشغال کی حاجت نہیں، تقویٰ کا اختیار کرنا اور یہ ذکر ومراقبہ بہت کافی ہے۔ عمر بھر اس پر مداومت رکھے۔ آخرت میں تو ثمرہ یقینی ہے۔ اور اصل وعدہ عطائے ثمرہ کا آخرت ہی میں ہے۔ لیکن دنیا میں بھی اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے تو اس کے قلب پر عجیب عجیب علوم ومعارف وارد ہوں گے۔

نفس سے آخری وقت تک
مقابلہ کی حالت کا ہونا

ایک مولوی صاحب کے جواب میں فرمایا کہ نفس کو بھی لطائف میں شمار کیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ شر کا داعی ہے، اور مطمئنہ ہونا اس کا عارضی ہے، ریاضت اور مجاہدہ سے وہ دبا رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض سالکین کو دھوکہ ہوجاتا ہے کہ مجاہدہ کے بعد اگر وہ اپنے اندر مذموم طبعی کا اثر پاتے ہیں، تو ان اس سے مجاہدہ کے بیکار ہونے کا گمان کر بیٹھتے ہیں۔ اور اکثر اس کا نتیجہ مایوسی ہوتی ہے اور مایوسی سے تعطل ہوجاتا ہے، میں کہتا ہوں اگر اخلاق ذمیمہ زائل ہوجائیں یا بالکل فنا ہوجائیں تو پھر درجات وثواب کس چیز پر مرتب ہوں۔ ہاں، اگر اس قدر مغلوب ہوجائیں کہ ان کے تقاضا پر عمل کرنے سے بآسانی قوت راسخ ہوجائے تو مقصود حاصل ہے، اگر کبھی کبھی نفس مقابلہ بھی کرے تو اس پر غلبہ حاصل کرنے کی سعی میں لگا رہنا چاہئے۔

پس طالب کی تو حالت یہ ہونی چاہئے کہ۔

اندریں ره می تراش ومی خراش
تادم آخر دمے فارغ مباش

(یعنی راہ سلوک میں تراش خراش بہت ہے لہٰذا مرتے دم تک ایک منٹ کیلئے بھی بے فکر مت ہو)۔ (ملفوظات جدید صفحہ۵۲)

ایمان کی سلامتی کا، صحبت اہل اللہ سے وابستہ ہونا

فرمایا: میں اس زمانے میں اہل اللہ کی صحبت کو فرض عین سمجھتا ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ اس زمانے میں اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت اور ان سے تعلق رکھنا فرض ہے اور اس میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ اور تجربے سے معلوم ہوا ہے کہ آج کل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ اہل اللہ کی صحبت ہے، اس تعلق کے بعد بفضلہٖ کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔ (مآثر حکیم الامت صفحہ۴۰۷)

طالب کے لئے غلطی کی تاویل اور اعتراض کا سم قاتل ہونا

فرمایا: یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ راہ سلوک میں دو چیزیں طالب کے لئے رہزن اور سم قاتل ہیں، ایک اپنی غلطی کی تاویل کرنا دوسرے اپنے معلم پر اعتراض کرنا۔ (صفحہ۴۴۶)

صحبت سے توفیق اعمال کا میسر ہونا

کاملین کی صحبت سے فرق یہ ہوگا کہ پہلے تم عمل کا (صالحہ) کا ارادہ کرتے تھے اور اس کے خلاف تقاضا پیدا ہوتا تھا، ان کی صحبت سے اعمال صالحہ کا تقاضا پیدا ہوگا اور دوسرا تقاضا (یعنی گناہ اور سستی وغفلت وغیرہ کا تقاضا) مضمحل ہوجائے گا تو کیا یہ تھوڑا نفع ہے کہ پہلے جو کام مشکل تھا، اب آسان ہوگیا۔ صرف آسان ہی نہیں، بلکہ اس کی طرف دل کو از خود تقاضا ہونے لگے کہ اس کے بغیر چین ہی نہ آئے۔

یہ تو ان کی صحبت کا ادنیٰ اثر ہے کہ اعمال میں سہولت پیدا ہوتی ہے، اس کے بعد جو نور فہم معرفت اور احوال وکیفیات کی سلامتی اور باطنی مقام کی ترقی حاصل

ہوتی ہے، اس کی تو کوئی انتہا نہیں۔

جن لوگوں کو کاملین سے تعلق نہیں، وہ بھی متقی ہوسکتے ہیں، مگر بڑی مصیبت کے ساتھ انہیں تقویٰ حاصل ہوگا۔ (دین ودنیا صفحہ۲۲۶)

تعلق مع اللہ کے دو درجے

تعلق مع اللہ کے دو درجے ہیں، ایک سیر الی اللہ، یہ تو محدود ہے۔ دوسرا سیر فی اللہ، یہ غیرمحدود ہے۔ سیر الی اللہ یہ ہے کہ امراض کا علاج شروع کیا۔ یہاں تک کہ امراض سے شفا، ہوگئی اور ذکر وشغل سے تعمیر شروع کی، یہاں تک کہ انوار ذکر سے نفس معمور ہوگیا۔ یعنی تخلیہ اور تحلیہ کے قوانین جان گئے، نفس کی اصلاح ہوگئی۔ اخلاق رذیلہ زائل ہوگئے، اور اخلاق حمیدہ اور انوار ذکر سے قلب آراستہ ہوگیا۔ اور اعمال صالحہ کی رغبت طبیعت ثانیہ بن گئی۔ اعمال وعبادات میں سہولت حاصل ہوگئی۔ نسبت وتعلق مع اللہ حاصل ہوگیا تو سیر الی اللہ ختم ہوگئی، اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا حسب استعداد انکشاف ہونے لگا۔ تعلق سابق میں کمی ہوئی، اسرار وحالات کا ورود ہونے لگا۔ یہ غیرمحدود ہے۔ (حکیم الامت صفحہ۳۶۹)

سالک کے قلب میں وصول الی اللہ کی استعداد کا پیدا ہونا

ریاضت ومجاہدہ خواہ تفصیلا ہو یا اجمالا، اس سے سالک کے قلب میں قرب وصول الی اللہ کی استعداد پیدا ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد محض فضل خداوندی سے اس کے قلب کو بالفعل مطلوب حقیقی کے ساتھ ایک خاص تعلق جذبی پیدا ہوجاتا ہے۔ اس کو نسبت سکینہ اور نور سے تعبیر کرتے ہیں، اسی نسبت کے پیدا ہونے کا نام وصول ہے۔ (معارف حکیم الامت صفحہ۳۵۳)

اخلاق ذمیمہ کے علاج میں ذکر کا کردار

فرمایا: اخلاق ذمیمہ کے علاج میں صرف ذکر شغل اس لئے کافی ہے کہ چونکہ ذکر اللہ سے قلب میں ایک قسم کا نور اور انشراح وانبساط پیدا ہوتا ہے اور معصیت سے ظلمت، کدورت اور انقباض ہوتا ہے، اس لئے جب ذاکر سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو وہ نور جو ذکر سے حاصل ہوا تھا، وہ ظلمت وکدورت میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ اور جو حظ اسے پہلے حاصل تھا، وہ زائل ہوجاتا ہے۔ اس لئے اسے فوراً اس معصیت پر انتباہ ہوجاتا ہے۔ چنانچہ وہ اس سے متغیر ہوجاتا ہے۔

رفتہ رفتہ سارے گناہوں سے نفرت ہوجاتی ہے اور اسی طرح صرف، ذکر وفکر ہی اخلاق ذمیمہ کے علاج کے لئے کافی ہوجاتا ہے۔ بشرطیکہ (دل کی) تنبیہ کی طرف بھی توجہ اور تنبہ کے بعد اصلاح کی طرف بھی۔ (صفحہ۲۹۸)

(اللہ کا ذکر جب کسی صاحب شریعت اہل اللہ کی سرکردگی میں کیا جاتا ہے تو ذکر زندگی کے ہر رخ کو بدل کر شریعت کے تابع بنانے کا ذریعہ بناتا ہے، اگر شریعت سے بے نیاز اور صوفیاء خام سے ذکر لیا جائے تو وہ محض کیفیات کا ذریعہ بن کر رہ جاتا ہے، اس سے اسلامی بنیاد پر شخصیت کی تعمیر نہیں ہوسکتی۔ مرتب)

نسبت مع اللہ کے مقابلہ میں
سارے حالات کا ہیچ ہونا

فرمایا سالک کو چاہئے کہ پوری توجہ سے اپنے کام میں لگا رہے۔ جو کچھ اس کی تقدیر میں ہے، اسے خود حاصل ہوگا۔ باقی حالات اور مواجید کا خواہاں نہ ہو، کیونکہ یہ سب اختیاری معاملہ نہیں ہے بلکہ نسبت مع اللہ کی طلب ہونی چاہئے۔ جب یہ حاصل ہوجائے گی تو معلوم ہوگا کہ اس میں کیا لذت ہے اور معلوم ہوگا کہ اس کے مقابلہ میں سارے حالات ہیچ ہیں، کیونکہ یہ نسبت دائم وباقی ہے اور اس کا اثر یہ ہوگا کہ دوسروں کے حقوق ضایع کرنے سے فرد ایسا بھاگے گا، جیسے

بکری بھیڑیے سے بھاگتی ہے۔ (صفحہ۱۱۲)

جس سے اصلاح کا تعلق ہو،
اس سے قیل قال

فرمایا: جس شخص سے ذکر وشغل کا تعلق ہو، اس سے ایسے مسائل فقیہ دریافت نہ کئے جائیں، جس میں قیل وقال ہو، اس طریق میں قیل وقال مضر ہے۔ کم ذہن افراد کو کون سمجھائے۔ یہ ذوقی امر ہے۔ میں تو ایسی باتیں (سالکیں کی) مصلحت سے کہتا ہوں۔ ان کی مصلحت، میرے ذمہ نہیں ہے کہ میں مصلحت کی وجہ بھی بتا دوں، ایک سندھی بزرگ (مولانا فقیر محمد صاحب۔ مرتب) مجھ سے اکثر فقہی مسائل پوچھا کرتے تھے اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ مجھے ذکر وشغل سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا، میں نے کہا کہ تم مجھ سے فقہی مسائل نہ پوچھا کرو، میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ مولانا خلیل احمد صاحب اس فن میں زیادہ مہارت رکھتے ہیں، تم مسائل ان سے پوچھا کرو، چنانچہ جس دن سے انہوں نے ایسے سوالات بند کئے، اس دن سے انہیں فائدہ ہونا شروع ہوگیا۔ (بعد میں انہیں خلافت بھی ملی۔ مرتب) (جدید ملفوظات صفحہ۲۶۳)

(جس سے اصلاح کا تعلق ہو، اس سے غیرضروری گفتگو نقصاندہ ہوتی ہے، البتہ وہ افراد جو زیادہ ذہنی اشکالات کا شکار ہوں، ان کے لئے گنجائش موجود ہے، اس لئے کہ وہ ذہنی طمانیت کے بعد ہی راہ سلوک میں چل سکتے ہیں۔ مرتب)

کیفیات کے ادل بدل میں
مصلحتوں کا کارفر ہونا

فرمایا: دوام تو اعمال پر ہوتا ہے، نہ احوال پر، بلکہ احوال کے بدلنے میں مصلحتیں کارفرما ہیں، جس کا مشاہدہ اہل طریقت کو خود ہوجاتا ہے۔ مثلاً قبض وانوار کی سلبی کے بعد حضور میں زیادہ لذت کا ہونا اور مثلاً انوار کی سلبی کے بعد انکسار وندامت کا غالب آنا اور مثلاً اپنے عجز کا مشاہدہ ہونا۔ (صفحہ۴۲۹)

آخرت کے ثمرات
کا سعی کے بغیر نہ ہونا

دنیوی مقاصد کے حصول کا وعدہ بغیر سعی کے بھی ہے جیسے **وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِی الْأَرْضِ إِلَّا عَلَی اللَّهِ رِزْقُهَا** ہر جاندار کی روزی اللہ کے ذمہ ہے۔ مگر اس پر بھی لوگ دنیوی مقاصد میں سعی ضروری سمجھتے ہیں۔ اور آخرت کے ثمرات کا وعدہ تو بغیر سعی کے ہے ہی نہیں، چنانچہ صاف ارشاد ہے: **مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا** یعنی ہر شخص کو اس کے عمل کا ثمرہ ملے گا، جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ پھر تعجب ہے کہ لوگ دین میں سعی کو کیوں ضروری نہیں سمجھتے۔ جب کہ بغیر سعی کے اس کے حصول کا وعدہ نہیں۔ اہل اللہ نے اس فرق پر نظر کرکے دنیوی مقاصد کے لئے سعی کو ترک کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ روزی کا ذمہ تو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ اس کے لئے سعی کی کیا ضرورت ہے۔ (صفحہ۱۵۵)

ایک بزرگ کا ارشاد ہے، دنیا خدا کا ایک گھر ہے اور ہم یہاں اس کے مہمان ہیں اور حدیث میں وارد ہے الضیافۃ ثلاثۃ ایام مہمانی تین دن تک کرنی چاہئے۔ جب ہم دنیا میں آئے تو تین دن تک تو ہم خدا تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے **وَإِنَّ يَوْماً عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ** تو ہم کو تین ہزار سال کے لئے تو بالکل بے فکری ہے۔ اگر اس سے زیادہ عمر ہوئی تو پھر کچھ انتظام سوچ لیا جائے گا۔

اس سے اہل اللہ کے مذاق کا پتہ چلتا ہے کہ دنیوی کاموں میں سعی اہتمام کو ضروری نہیں سمجھتے۔ کیونکہ روزی کا ذمہ حق تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ لیکن اعمال آخرت کا انہوں نے ذمہ نہیں لیا۔ (دین ودنیا صفحہ۱۵۶)

نسبت کی حقیقت
ذکر واطاعت اور گناہوں سے بچنا

بعض لوگ محض ملکہ یاد داشت کو کامل تعلق کا مصداق سمجھتے ہیں۔ اور نسبت کی حقیقت اسی کو سمجھتے ہیں، اور میں بھی ایک زمانہ تک یہی سمجھتا رہا۔ مگر الحمدللہ کہ اب حق تعالیٰ نے حقیقت منکشف فرما دی کہ حق تعالیٰ سے تعلق ونسبت کا مطلب یہ ہے

کہ دونوں طرف سے تعلق ہو۔ بندہ کو اللہ سے تعلق ہو اور حق تعالیٰ کو بندہ سے تعلق ہو، اگر صرف بندہ کو تعلق ہو اور ادھر سے تعلق نہ ہوا، بلکہ حجاب رہا تو یہ نسبت مطلوبہ نہیں، غرض کہ لوگ محض یادداشت کو نسبت مطلوبہ سمجھتے ہیں، حالانکہ یاد داشت تو مشق سے حاصل ہوسکتی ہے۔

نسبت مقصودہ یہ ہے کہ تم خدا سے راضی ہو، وہ تم سے راضی ہو اور یہ بات محض ذکر کی مشق سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس کے لئے کثرت ذکر کے ساتھ گناہوں سے بچنا اور اطاعت بھی ضروری شرط ہے۔ اگر ذکر کے ساتھ گناہوں سے اجتناب کا اہتمام نہیں اور اطاعت کے بجالانے کی فکر نہیں تو نسبت مطلوبہ حاصل نہیں ہوسکتی۔ بہت سے لوگ اس دھوکے میں مبتلا ہیں کہ جہاں انہیں ذکر کی مشق حاصل ہوگئی اور ہر وقت خدا کا دھیان رہنے لگا، بس وہ اپنے کو صاحب نسبت سمجھنے لگے۔ (دین ودنیا، صفحہ۱۵۰)

(یہ اہم نکتہ ہے جو حکیم الامت نے بیان فرمایا ہے، ہمارا مشاہدہ ہے کہ متعدد درگاہوں میں مریدوں کو ذکر تو دیا جاتا ہے اور بھوکا رہنے کی تلقین بھی کی جاتی ہے، لیکن نماز اور اسلامی شریعت سے اعراض کی روش غالب ہے، ایسے ذکر سے دوسرے فوائد ضرور حاصل ہو سکتے ہیں لیکن اس سے قربت مع اللہ کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ وہ تو اللہ ورسول کی اطاعت سے ہی حاصل ہوسکتی ہے)۔

شریعت کے احکامات میں
نفس کی مخالفت اور اس کے علاج کی صورت

سوال یہ ہے کہ اعمال کامل کیسے ہوں۔ کیونکہ اعمال کے کمال کی تحصیل میں نفس مانع ہے۔ ہر عمل میں نفس کا ایک تقاضا ہوتا ہے۔ شریعت حکم دیتی ہے کہ جاڑوں میں پانچوں وقت وضو کرو، نفس کی آرام طلبی اس کی مزاحمت کرتی ہے۔ شریعت کا حکم ہے کہ زکوٰۃ سالانہ دیا کرو، نفس کا تقاضائے بخل اس کی مزاحمت کرتا ہے۔ شریعت کا حکم ہے کہ رشوت اور سود نہ لو، نفس کا تقاضائے حرص اس کی مزاحمت کرتا ہے۔ شریعت کا حکم ہے کہ لڑکوں اور نامحرم عورتوں کو نہ دیکھو۔ تقاضا شہوت اس

کی مزاحمت کرتا ہے۔ اسی طرح حکم ہے کہ فقر وتنگدستی میں مخلوق کے مال پر نظر نہ کرو، تقاضائے حرص اس کی مزاحمت کرتا ہے۔ اسی طرح جتنے بھی احکام شریعت ہیں، ہر عمل کے مقابلہ میں اس کے خلاف نفس کا ایک تقاضا ہے۔ جو اس حکم کی مزاحمت کرتا ہے۔ (صفحہ۲۲۱ دین ودنیا)

مگر نفس کے ان بے شمار تقاضوں کا کیا علاج ہو، جو ہر چیز پر عمل کرنے میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ سوحق تعالیٰ نے **کونوا مع الصادقین** میں اس مانع کو رفع فرمایا ہے۔ اور نفس کی اس مزاحمت کا علاج بتلایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس راہ میں یعنی اعمال ظاہری وباطنی میں نفس کی جو مزاحمت پیش آتی ہے، کاملین کی معیت میں یہ خاصیت ہے کہ وہ مزاحمت دور ہوجاتی ہے۔ یعنی نفس میں اس درجہ کا تقاضا نہیں رہتا اور جو کچھ رہتا ہے، اس کی مخالفت آسان ہوجاتی ہے، بس اعمال کی تکمیل سہولت سے ہوجاتی ہے۔ اسی طرح دین میں رسوخ حاصل ہوجاتا ہے۔ (صفحہ۲۲۲ دین ودنیا)

دین کے کام شروع کرنے سے دروازہ
کاخودبخود کھلتے جانا

جس طرح تم رزق کے واسطے اسباب کو اختیار کرتے ہو، اسی طرح دین کے لئے بھی اس طرح کے طریقے اختیار کرو، آپ دین کے کام شروع کریں، انشاء اللہ دروازہ خودبخود کھل جائے گا۔ پھر آپ کو دین کے ثمرات بھی حاصل ہوجائیں گے۔ جن میں ایک ثمرہ یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوجائے گا۔ زندگی پُرلطف ہوجائے گی۔ باقی وہ دولت باطنیہ جو اہل اللہ کو حاصل ہے، اس کی کیفیت میں آپ کو بتا نہیں سکتا، کیونکہ وہ ذوقی چیز ہے، جس کو اہل ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں۔ دین کے کاموں میں لگئے، انشاء اللہ آپ کو بھی وہ ذوق حاصل ہوجائے گا۔ اس سے پہلے کتنا ہی سمجھایا جائے، آپ کی سمجھ میں نہیں آسکتا کہ اہل اللہ کو کیا دولت عطا ہوئی ہے۔

نامرد کو عورت کی لذت کا کبھی ادراک نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ اس کے

سامنے اس کی کتنی ہی وضاحت کردی جائے، ہاں جب خدا کرے گا، اسے اس مرض سے شفا ہوجائے گی، اس وقت وہ خودبخود اس لذت کو سمجھ جائے گا۔ پھر کسی کے بتانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ پس خدا کے لئے آپ اس بے حسی کا علاج کیجئے۔ (دین ودنیا صفحہ۵۵)

لوگوں میں ممتاز بن کر رہنے کا
نفس کا مکر

فرمایا: نفس کا ایک خفی مکر یہ ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ (لوگوں میں) ممتاز ہوکر رہے اور اس میں اسے حظ ہوتا ہے، اس لئے بعض لوگ چاہتے ہیں کہ رات کے آخری حصہ میں جاگیں اور نیت یہ ہوتی ہے کہ (لوگوں میں) امتیاز حاصل ہو، سو یہ عجب ہے اور عجب ایسی چیز ہے کہ جس وقت کوئی شخص اپنی نظر میں پسندیدہ ہوتا ہے، اس وقت خدا کی نظر میں ناپسندیدہ ہوجاتا ہے۔ (صفحہ۲۰۴)

دعوتی کام اور اس کے صحیح خطوط

مولانا محمد الیاسؒ کی نظر میں

(مرتب کتاب کے تبصرے وتجزیے کے ساتھ)

مولانا محمد الیاس رحمتہ اللہ اس دور کی بڑی شخصیتوں میں شامل تھے۔ اللہ نے ان سے دعوت وتبلیغ کا وہ کام لیا ہے، جو بہت کم شخصیتوں سے لیا جاتا رہا ہے۔

اللہ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ ہر دور کے حالات وضروریات کی مناسبت سے احیائے دین کے لئے شخصیتوں کو اٹھاتے وابھارتے رہے ہیں اور انہیں اس کام کی استعداد وصلاحیتوں سے بھی بہرہ ور فرماتے رہے ہیں۔ بیسویں صدی میں جب جدیدیت اور عقلیت پسندی کا طوفان بڑھنے لگا اور جدید تعلیم اور اس کے زیر اثر اصلاح کے لئے اہل اللہ کی خانقاہوں کی طرف رجوع کا رجحان ومیلان کم ہونے لگا تو دین کے تحفظ وبقا اور احیاء کے لئے اللہ نے مولانا محمد الیاسؒ کو کھڑا کر دیا اور ان کے دل میں یہ بات ثبت کردی کہ جس طرح صحابہ کرام، دنیا بھر میں اشاعت دین اور فروغ دین کے لئے نکل پڑے تھے، ان کی کاوشوں سے دنیا تک دین کی دعوت پہنچی، اسی طرح اب لوگوں کو دعوت کے کام کے لئے گھروں سے نکال کر، مسجد کے نورانی ماحول میں داخل کرنا ہے اور مسجد کو بنیاد بنا کر شہروں، محلوں اور ملکوں میں اس دعوت کے کام کو چلانا اور فروغ دینا ہے۔ اس سے جہاں لوگوں کی اپنی اصلاح وتربیت کا کام بھی ہوتا رہے گا تو ساتھ ساتھ نئے لوگ بھی تحریک کے ساتھ جڑتے رہیں گے۔

مولانا الیاس رحمتہ اللہ کے سامنے لوگوں کو گھروں سے نکال کر، مسجد کے ماحول میں لانے اور ان سے دعوتی کام لینے کے سلسلہ میں ایک بڑی غرض یہ تھی کہ افراد کی اپنی اصلاح کی صورت پیدا ہو، دوم یہ کہ اس سے مادیت زدہ معاشرے میں دین کے نام پر ہلچل برپا ہو، سوم یہ کہ اس سے دین کے دوسرے شعبوں میں ہونے والے کاموں کو تقویت حاصل ہو۔

ان مقاصد کے لئے مولانا نے جو حکمت عملی اختیار کی، وہ ان کی اعلیٰ بصیرت، بلکہ مجتہدانہ صلاحیت کا نتیجہ تھی، اس لئے کہ بزرگانِ دین، دعوتی کام کی

استعداد پیدا کرنے اور رزائل نفس کی تہذیب کے لئے افراد کو برسوں تک تربیت وتزکیے کے مراحل سے گذارا کرتے تھے، جب نفس کی کدورتوں کی ایک حد تک صفائی ہوجاتی تھی اور ذکر کا نور دل میں جگہ بنا لیتا تھا، اس کے بعد ہی افراد کو دوسروں کی تربیت واصلاح کے کام پر لگایا جاتا تھا۔ مولانا چونکہ بلند پایہ صوفی کی حیثیت سے عرصہ تک نفس کی کدورتوں، اس کی برپا کردہ ظلمات اور نفس پرستی کی قوتوں کے مشاہداتی عمل سے گذرے تھے، اس لئے انہیں اس بات کا خوب اندازہ تھا کہ لوگوں کو دعوتی وتبلیغی کام کے لئے گھروں سے نکال کر، خصوصی تربیتی اہتمام کے بغیر یوں ہی اس کام میں لگانا، فساد فی الارض پھیلانے کے مترادف ہو سکتا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

”آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدوجہد بے کار ہوگی، اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا۔ (گویا یہ علم وذکر دوبازو ہیں، جن کے بغیر اس فضا میں پرواز نہیں کی جاسکتی) بلکہ سخت خطرہ اور قوی اندیشہ ہے کہ اگر ان دوچیزوں کی طرف سے تغافل برتا گیا تو یہ جدوجہد مبادا فتنہ وضلالت کا دروازہ نہ بن جائے۔

(دوچار سطور کے بعد فرماتے ہیں) لہٰذا علم اور ذکر کی اہمیت کو اس سلسلہ میں فراموش نہ کیا جائے۔ اور اس کا ہمیشہ اہتمام رکھا جائے، ورنہ آپ کی یہ تبلیغی تحریک بھی بس ایک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی، خدا نہ کردہ آپ لوگ سخت خسارہ میں رہیں گے۔ (ملفوظات حضرت مولانا الیاس رحمتہ اللہ، صفحہ۳۲، مرتب، مولانا محمد منظور نعمانیؒ)

دوسرے ملفوظ میں فرماتے ہیں۔

”علم وذکر کا کام ابھی تک ہمارے مبلغین کے قبضہ میں نہیں آیا، اس کی مجھے بڑی فکر ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان لوگوں کو اہل علم واہل ذکر کے پاس بھیجا جائے کہ ان کی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں اور ان کے علم وصحبت سے بھی مستفید ہوں۔ (صفحہ۴۶)

علم اور ذکر کی فکرمندی کے علاوہ دوسری چیز جس پر مولانا نے زیادہ زور دیا، بلکہ جسے اپنی تحریک کا حصہ بنایا، وہ تواضع، عاجزی، دوسروں کی الٹی سیدھی باتیں برداشت کرنے اور اکرام مسلم کا جذبہ اور اس کا اہتمام تھا، اس کے لئے انہوں نے ایسے اصول بنائے، جس سے تواضع کی نفسیات پیدا ہونے میں مدد ملنے لگے۔ اس سلسلہ میں مولانا ایک خط میں لکھتے ہیں۔

''ایک دوسرے کے ساتھ عزت وحرمت اور محبت کو ہر چیز سے بہتر سمجھتے رہیں، ہزار مسائل حقہ کی حمایتوں سے اس ایک حق کی نگہداشت اور اس پر پختہ ہونا، افضل، اعلیٰ اور موجب رضاوندی خدا ہے۔

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں۔

''مسلمان کتنے ہی کم درجہ کا ہو، عظمت سے اس کی طرف دیکھنے کی مشق کرو'' (حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی تحریک، صفحہ ۲۱۰ ۔ ۲۱۱، مصنف مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں۔

''اپنے نفس کو تجربہ سے ایسا گندہ، ناقص، خودغرض اور کام بگاڑنے والا دل سے یقین کرو کہ الطاف خداوندی کا قصہ تو کچھ ہے، یہ (نفس) موت تک راست (راہ راستہ پر آتا ہوا) نظر نہیں آتا، لہٰذا اس نیت سے سعی کرو اور حضورﷺ کی باتیں لوگوں میں پھیلاؤ کہ میرے علاوہ اللہ کے سب بندے جو اپنی ذات سے نیک طبیعت اور پاک نفس ہیں، دین کے جس کام کو کریں گے، وہ ظاہر وباطن میں اچھا عمل ہوگا، حق تعالیٰ بقاعدہ الدال علی الخیر کفا علہ اپنے الطاف سے ان پاک ہستیوں کی برکت سے مجھے بھی اس کا حصہ عطا فرمائے۔ (صفحہ۱۷۵)

اللہ نے مولانا کے دل اور دماغ میں اس کام کا پورا تدریجی نقشہ ڈال دیا تھا، اس سلسلہ میں ایک خط میں فرمایا ہے کہ ہمارے کام کی شروعات الف، بے، تے، ثے، سے ہے، یعنی کلمہ اور نماز کی درستگی سے ہم نے کام کا آغاز کیا ہے، آگے جوں جوں کام بڑھتا جائے گا اور ضروریات پیش آتی جائیں گی، حکمت عملی، طریق کار اور اسلوب بیان میں تبدیلی ہوتی جائے گی۔

ایک خط میں لکھتے ہیں ''اہل علم کے لئے عربیت، صحابہ کے کلام، اعتماد باالکتاب والسنۃ اور نشر دین کی تحریص کے مضامین جمع کرنے کی خصوصی اور بہت اہتمام سے غور کی ضرورت ہے، علمی طبقہ کے لئے اس کے تیار ہونے کی بہت شدید ضرورت ہے۔ اس کے بغیر اس تحریک میں لگنے میں علمی ٹھیس اور ناقابل انجبار شکستی اور کسر کا قوی خطرہ ہے، اور اس کی خوبی اور کمی پر علمی طبقہ کا نہوض اور تعود مبنی ہے، اس لائن میں بندہ ناچیز کے دماغ میں کچھ ایسے ایسے خیالات ہیں کہ قبل از وقت ہونے کی بنا پر زبان سے نکالنے کو جی نہیں چاہتا۔ (حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی تحریک'' صفحہ ۲۶۵، تصنیف، مولانا علی میاں)

اس خط کی تفصیل میں مولانا ندویؒ لکھتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس پورے نظام دعوت وتعلیم میں بڑی ترقی وتنظیم کی گنجائش ہے اور اس میں زمانہ کے ساتھ چلنے اور مخالف دین تحریکات اور دعوتوں کا مقابلہ کرنے اور عوام کے لئے ان کا بدل بننے کی بہترین صلاحیت ہے۔ (صفحہ۲٦٦)

مولانا محمد الیاسؒ کو اس بات کی فکر دامنگیر تھی کہ کہیں ہماری یہ تحریک قیل قال کا حصہ نہ بن جائے۔

اس سلسلہ میں ایک خط میں لکھتے ہیں۔

''میں بہت ہی دل وایمان سے متمنی ہوں کہ بہت ہی اہتمام کے ساتھ ہمت کو لگا کر یہ دعا کریں کہ میری یہ تحریک سراسر عمل ہو، اقوال کی کثرت اس کے عمل کو مکدر نہ کرے، بلکہ قول وتقریر قدر وضرورت اور اعانت کے درجہ میں ہو۔'' (صفحہ۱۹۳)

علم سے ذہن اور فکر میں جو وسعت پیدا ہوتی ہے، ذکر سے قلب میں جو نور داخل ہوتا اور مستحکم ہوتا ہے، ظاہر ہے وہ قیل قال سے نہیں ہوسکتا۔ علم (جس میں مطالعہ بھی شامل ہے) اس کی حوصلہ شکنی ہونا اور ذکر (جو نور کے فروغ کا ذریعہ ہے) اس پر قیل وقال کو ترجیح دینا، اس کے جو اثرات نکل سکتے ہیں، وہ محتاج بیان نہیں۔

مولانا نے دعوتی کام کے لئے گھروں سے نکل کر اس کام کو مقصد حیات کی حیثیت دینے کا نکتہ صحابہ کرام کی زندگی سے لیا تھا کہ صحابہ کرام نے اسی مقصد کے لئے مکہ ومدینہ کے مقدس مقامات سے ہجرت اختیار کرکے، دنیا بھر میں دین کی دعوت پہنچانے کی راہ اختیار کی، صحابہ کرام کی زندگی سے یہ استناد بالکل بجا تھا۔ بلکہ اللہ نے یہ داعیہ ان کے دل میں پوری شدت وقوت سے ڈالا تھا، اگر مولانا، بزرگان دین کے تسلسل کو پیش نظر رکھتے تو اس تسلسل میں اس نئے طریق کار کی گنجائش نہیں تھی، لیکن صحابہ کرام، جو رسالتمابﷺ سے براہ راستہ فیض یافتہ تھے، ان کے حالات زندگی سے نتائج اخذ کرکے، ان سے استفادہ کے لئے خوداعتمادی کا ہونا، یہ مولانا کی مجتہدانہ صلاحیتوں اور صاحب عزیمت ہونے کی عکاسی ظاہر کرتی ہے، لیکن ساتھ ساتھ مولانا کو یہ فکرمندی بھی لاحق تھی کہ غیر تربیت یافتہ اور نوآموز افراد کو دوسروں کو دین کی دعوت دینے کے کام پر لگانے سے کہیں نفس پرستی کی قوتیں بیدار ہوکر، فساد کا ذریعہ نہ بنیں، اس طرح شروع کردہ کام سے اصلاح کے ساتھ

انتشار پیدا ہو، نفس کی ان شرارتوں اور کدورتوں سے بچنے کے لئے مولانا نے اپنی تحریک میں علم، ذکر، خدمت اور تواضع کے اجزاء شامل کرنے کی پوری کوشش فرمائی۔

مولانا کے وضع کردہ یہ اصول ایسے تھے کہ اگر تبلیغ میں ان خطوط کو پوری طرح ملفوظ رکھا جاتا تو امت میں اسلامی حوالہ سے درپیش چیلنج کے مقابلہ کی بہت بہتر صورت پیدا ہوتی اور تصوف کی کمی اور اہل تصوف سے عدم استفادہ کی عمومی خلا بڑی حد تک پُر ہوسکتی تھی۔

اس بات سے انکار نہیں کہ اس تحریک نے امت میں ایک حد تک تحرک برپا کیا، مسجدیں آباد ہونے لگیں، نئے نئے مدرسے قائم ہونے لگے اور ان کی رونقیں بڑھنے لگیں، شعائر اسلام کو فروغ ملنے لگا اور افراد کا، دین کی طرف رجوع ہونے لگا،لیکن مادیت پرستی کے ہمہ گیر سیلاب، اس کی ہمہ گیر ظلمات اور کچھ تبلیغ میں علم وذکر وحکمت عملی اور فکری جمود کے نقائص نے معاشرہ میں حقیقی تہلکہ برپا کرنے میں رکاوٹ پیدا کی۔

بلکہ اب تو یہ صورتحال پیدا ہوگئی ہے کہ افراد، چار چار ماہ صرف کرنے کے بعد جب معاشرہ میں واپس آتے ہیں تو دوچار ماہ کے اندر اندر وہ گرنے لگتے ہیں ان پر دنیا داری کا رنگ غالب آنے لگتا ہے،طبیعتوں میں بگاڑ آنا شروع ہوجاتا ہے، معاملات میں احتیاط متاثر ہوتی ہے،اس صورتحال کی نشاندہی کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا تھا ''دوستو! ابھی کام کا وقت ہے، عنقریب دین کے لئے دو زبردست خطرے پیش آئیں گے، ایک تحریک شدھی کی طرح کفر کی کوشش، جو جاہل عوام میں ہوگی اور دوسرا خطرہ الحاد ودہریت کا ہے، جو مغربی (طرز) حکومت وسیاست کے ساتھ ساتھ آرہا ہے، یہ دونوں گمراہیاں سیلاب کی طرح آئیں گی، جو کچھ کرنا ہے، ان کے آنے سے پہلے پہلے کرلو۔ (ملفوظات، صفحہ۸۳، مرتب، مولانا محمد منظور نعمانیؒ)

یعنی جب یہ دونوں فتنے ظاہر ہوں گے تو تبلیغی کام کے نتیجہ میں زندگی میں پیدا ہونے والی ایمانی تبدیلی مؤثر و دیرپا ثابت نہ ہو سکے گی، یہ دور جس کی نشاندہی مولانا نے اپنی بصیرت یا کشف کی بنا پر کی تھی، وہ دور اس وقت عروج پر ہے، الیکٹرانک میڈیا اور مادہ پرستانہ زندگی کے عام مظاہر کی وجہ سے عوام میں گمراہی کا ایک سیلاب ہے، جو تیزی سے بڑھتا ہی جارہا ہے۔ اسی طرح جدید تعلیم یافتہ آبادی میں الحاد ودہریت اور سیکولرزم کے اثرات غالب ہوتے جارہے ہیں۔ عالمی کفر نے

ایسی حکمت عملی تشکیل دی ہے کہ ضرورت کے نام پر ہر گھر میں موبائل اور انٹرنیٹ داخل ہوگیا ہے اور جدید تعلیم نے آزادی اور آسائش کی مادی زندگی کا جنوں پیدا کر دیا ہے، نیز موبائل اور انٹرنیٹ وغیرہ میں لادینیت، خدافراموشی اور خود فراموشی کے سارے لوازمات شامل کرلئے گئے ہیں، جس کی وجہ سے افراد کی اصلاح مشکل سے مشکل تر ہوتی جارہی ہے۔

تاہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ ایسے لاکھوں افراد ہیں، جنہوں نے تبلیغی کام کو مقصود زندگی کی حیثیت سے اختیار کیا ہوا ہے، ایسے افراد ہی اس جماعت کی جان ہیں اور ان جیسے افراد کی وجہ سے ہی معاشرہ میں مذہب ومذہبیت قائم ہے۔

حضرت مولانا الیاسؒ کے خطوط (جو مولانا علی میاں نے ترتیب دیئے ہیں) اور ملفوظات، جو مولانا محمد منظور نعمانی صاحب نے مرتب کی ہیں۔ ان میں موصوف کی دعوتی حکمت عملی اور کام کی صحیح خطوط پر سرانجامی کے لئے بہت قیمتی نکات موجود ہیں۔ ایسے نکات، جن سے استفادہ کرتے ہوئے، ہم اپنی ذات اور معاشرہ کے لئے زیادہ بہتر اور مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ ذیل میں ان دونوں کتابوں سے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ مولانا کے مکاتیب کے اقتباسات میں کہیں کہیں مولانا کے مشکل الفاظ کو آسان الفاظ کی صورت دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ (مرتب)

دعوت کا کام کرنے والے کو اہم نصیحتیں

(خط کا خلاصہ مولانا علی میاں ندویؒ کا ہے)

جس طرح انسان کی زندگی دوسانسوں پر قائم ہے،اسی طرح اس کی ترقی، خواہش کے پورا ہونے اور رکاوٹ پر ہے۔ قبض وبسط درجۂ نبوت تک انسان کے لیے لازمی ہیں، بسااوقات مقاصد کے پورے ہونے پر طبیعت گھبراتی ہے اور بسااوقات پورے ہونے پر طبیعت کھلی رہتی ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے آدمی کے ساتھ محبت رکھتے ہوئے، اعتراض سے بچتے ہوئے اور واقعی صفاتِ حمیدہ پر نظر رکھتے وقت گزارنا، ادب ہے۔ جب خطاب کی ناقدری شروع ہوجائے تو تبلیغ میں براہ راست خطاب کرنا مناسب نہیں، اس کے ماحول میں تبلیغ کرے۔ آدمی ماحول کا اثر لیا کرتا ہے، اس لیے زیادہ تر کوشش عام ہوا کے بدلنے کی کرنی چاہیے۔ دنیاوی

معیشت کے اسباب کی کوشش جب تک دین کی کوششوں سے مغلوب نہیں ہوگی، غیرتِ خداوندی دین کی دولت سے مالا مال نہیں کرے گی۔ دین ایک قلعہ ہے، جو اپنے درست ہونے سے دین داروں کی حفاظت کرتا ہے اور دارین کی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ بنتا ہے۔ آدمی کا جاہل وغافل اور حق کی کوشش میں سست ہونا، ہر فتنے کی کنجی ہے۔ سودی معاملہ کرنا خدا کی خدائی کے خلاف اقدام کرنے پر جرأت کرنا ہے۔ (صفحہ۷۳)

فرد کا جاہل، غافل اور حق کی کوشش
میں سست ہونا سارے فتنوں کی جڑ ہے

میرے دوست! آدمی کا جاہل ہونا، غافل ہونا اور حق کی کوشش میں سست ہونا، یہ ہر فتنے کی کنجی ہے، اور طبیعتوں اور جذبات کے ان نامبارک اور گندی صفتوں کی وجہ سے تم خدا جانے کتنے فتنوں کو اُٹھتے ہوئے دیکھوگے، اور کچھ بھی نہ کر سکوگے، اُٹھتے ہوئے ان فتنوں کو مٹانے اور آئندہ کے فتنوں کو روکنے کے لیے تمہارے ملک میں آئی ہوئی اسکیم کومشق کرنے کے لیے یوپی کے لیے نکلنے پر زور دینے کے سوا اور کوئی علاج نہیں۔ (صفحہ۷۹)

(یہاں مولانا نے نفس کی خرابیوں کی وجہ سے نئے نئے فتنوں کے اٹھنے اور کچھ نہ کر سکنے کے خطرہ کا ذکر کیا ہے، اس کا مشاہدہ اس دور میں پوری شدت سے ہو رہا ہے کہ ہزارہا جماعتیں دنیا بھر میں دعوتی کام کے لئے ہر وقت چل رہی ہیں اور بہت سارے اہل تصوف بھی مصروف کار ہیں، لیکن یہ سارے کام معاشرے کے اجتماعی رخ اور اس کی سیاست ومعیشت ومعاشرت کے نہج کو بدلنے میں ناکام ہیں، اور نئے نئے فتنوں نے معاشرہ کو تباہی کے دہانے کھڑا کر دیا ہے۔ (مرتب)

مدرسہ کی ظاہری پختگی کے کام کو اہمیت نہ دینا

جو قوم کلمۂ طیبہ اور نماز کی تصحیح اور کلمۂ شہادت کے مضمون پر اب تک پوری طرح مطلع نہ ہوئی ہو (جو اسلام کی بنیادی چیز ہے) تو بنیادی چیز کو چھوڑ کر اوپر کی چیزوں میں مشغولی سخت غلطی ہے، اُوپر کی چیزیں بنیادی چیز کے صحیح ہوئے بغیر درست نہیں ہوا کرتی۔

دیگر ہر جگہ عموما اور ان کے مجمع اور اجتماع والے گاؤں میں اور اس کے ماحول میں اپنے اُصول کی نہایت پابندی کے ساتھ تبلیغی فروغ میں کوشش کو بہت

زیادہ بڑھا دو، جہاں تک ہو سکے چھیڑ چھاڑ (بحث مباحث) سے بہت بچتے ہوئے، پھر بھی اگر کہیں ضرورت پڑجائے تو دلائل کے ساتھ بحث ہو، مگر حریفوں کی اسلامی حرمت کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ بہرحال اخیر مضمون کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان کے ساتھ سخت گیری کرنے پر اُن کے ہمیشہ کو نکل جانے کا خیال ہو تو میں منع نہیں کرتا۔

میرے دوستو! آپ مدرسے کی ظاہری عمارت کی پختگی کی فکر کررہے ہیں، میرا دل اندر سے کانپ رہا ہے، اور ہول رہا ہے کہ خدا ناخواستہ میرے احباب اس کی ظاہری فریفتگی (کی فکر ومصروفیت) میں باطنی تعمیر کے کام میں سست نہ پڑجائیں، میری دلی تمنا ہے کہ مدرسہ کی اس ظاہری پختگی کو بے ہودگی کی نظر سے دیکھیں، اور اپنی خوشی اور دل کی تازگی کا ذرا حصہ بھی اس میں مشغول نہ کریں۔ (۸۹)

(اس خط میں ان اہل مدارس کے لئے غور وفکر کا بہت سا سامان موجود ہے، جو مدارس کی شاندار عمارتوں کی تعمیر، کمروں کی آرائش اور ظاہری رنگ وروغن میں توانائیاں صرف کررہے ہیں۔ جب کہ دنیا سے بے نیاز اور دعوتی کام کو زندگی کا مشن بنانے والے علماء تیار کرنے کے کام کو فیصلہ کن اہمیت تو کیا، اسے قابل ذکر اہمیت دینے کے لئے بھی آمادہ نہیں۔ مرتب)

اہل زمانہ کی طبائع کے رجحان کو اب سے پندرہ برس پہلے سے اپنی کوتاہ نظر سے لیکن اللہ کی دی ہوئی توفیق بصیرت سے (دیکھ چکا تھا اور) اندازہ لگا چکا تھا کہ مکاتب اور مدارس کی جو رفتار چل رہی ہے، اس میں دو خرابیاں ہیں: پہلی یہ کہ لوگوں کا میلان اور ان کی وہ رغبت، جس کی وجہ سے مکتبوں اور مدرسوں میں مخلصانہ کوشش کرنے والے کھڑے ہوتے ہیں اور چندہ دینے والے چندہ دیتے ہیں، یہ عنقریب ختم ہونے والی ہے، دوسری یہ کہ علوم، جن اغراض اور اثرات اور منافع کے لیے حاصل کیے جاتے ہیں، اور جن اغراض کے حصول کے لیے علوم تلاش کیے جاتے ہیں، اُن علوم کے ساتھ وہ اغراض وابستہ نہ رہنے کی وجہ سے علوم بے کار ہوتے چلے جارہے ہیں، اب علوم سے وہ منافع اور اغراض حاصل نہیں ہوتے، جن کی وجہ سے علوم کی توقیر اور تحصیل تھی۔ (صفحہ۹۰)

(اس مکتوب میں جہاں تک پہلے نکتہ کا تعلق ہے تو الحمدللہ تبلیغی جماعت کی کوششوں سے دینی مدارس کے معاونین کی کافی بڑی تعداد پیدا ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے دینی مدارس کا سلسلہ جاری ہے۔ البتہ مولانا کا بیان کردہ دوسرا نکتہ قابل غور ہے کہ دینی مدارس میں روحانیت اور اخلاص ویقین کی ایسی فضا پیدا ہونے کی طرف

توجہ بہت کم ہے، جس سے علم دین کے حاملیں، مادیت کی طوفان خیزیوں کے مقابلہ میں زہد، توکل اور اخلاص اور استقامت سے صف آرا ہوجائیں اور اس طوفان کی روک تھام کے لئے ڈٹ جائیں، لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ اخلاص ویقین کے خصوصی اہتمام وانتظام نہ ہونے کے باوجود عالمی کفر کی طاقت پر دینی مدارس کا خوف طاری ہے، اگر دینی مدارس میں اس کمی کا ازالہ ہو تو عالمی شاہوکار راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوسکتا ہے۔ مرتب)

دارالکدورت میں ملنا جلنا
کدورت سے خالی نہیں

سلام مسنون کے بعد یہ شعر ہدیۂ عید ہے اور میرا بدل ہے۔

نہ دوری دلیل صبوری بود   کہ بسیار دوری ضروری بود

وطن کی کشش، دوستوں کی عنایات کا جذبہ، عزیزوں کے دیدار کا تقاضا، اہل وعیال کا تعلق ایک ایک چیز مستقل مقناطیس تھا، مگر ان سب کے بعد کوئی ایسی چیز ان سب پر غالب ہوکر روک رہی ہے کہ جس کی وجہ سے میں آپ سے خواہاں ہوں کہ میرے اس مطلب کے لیے دُعا فرمادیں اور (اللہ تعالی) ہمیشہ چین سے ملے جلے رہنے کی جگہ میں بہ عافیت پہنچادے، کہ دارالکدورت میں کدورت سے ملنا جلنا، کدورت سے خالی نہیں، یہاں کے عیش میں جلا اور صفائی نہیں۔ (صفحہ۹۳)

(اس خط میں دنیا، جو دارالکدورت ہے، اس میں غیرضروری میل میلاپ کو کدورت فرمایا گیا ہے، جو بالکل صحیح ہے۔ (مرتب)

فتنوں کی رفتار کا
ڈاک گاڑی سے بھی تیز ہوجانا

فتنوں کی رفتار ڈاک گاڑی سے بھی زیادہ تیز ہے اور اس کے مقابل کی رفتار چیونٹی سے بھی زیادہ ست ہے۔ فتنے کے زمانے میں مشغول رہنے میں قرب ورضا کی اتنی ہی زیادہ اُمیدیں ہیں، جتنی فتنوں کے اندر تاریکی زیادہ ہے۔ (صفحہ۹۵ مکتوب کی تلخیص مولانا ندویؒ کی)

خوداحتسابی اور سیاہ کار ہونے کے
احساس کے بغیر فساد کا برپا ہونا

اصل اس خط کا جو مغز ہے اور جو ایمان کی جڑ ہے (وہ یہ ہے کہ) فرد ایمان کے صحیح راستے پر اس وقت تک نہیں پڑ سکتا، جب تک اسے اپنے اندر منافقانہ چال کا ڈر نہ ہو، اور اُس کی صورت یہ ہے کہ فرد یوں سمجھے کہ یہ دینی کام، جو میں اس وقت کررہا ہوں، مجھ سے شیطان کرارہا ہے، میں بھلا ایسا کہاں تھا کہ اللہ کی رضا کے لیے یہ کام کرتا، اس طرح فرد اپنے نفس کے نفاق کے دلائل کو ڈھونڈھنے میں لگا رہے، اور تنہائیوں میں نفس کو قائل کرتا رہے کہ تو جھوٹا ہے، چنانچہ آپ کے ملک میں اب تک مدارس کے شوق ہی کی مثال کو لے لیجیے، میرے نزدیک مدارس کے قیام کا شوق خلوص اور اللہ کے واسطے نہیں تھا، بلکہ (مدارس کے بہانے سے) شیطان ہماری گردنوں پر سوار ہوکر، باہمی جنگ کا حیلہ ڈھونڈھ رہا تھا، تاکہ مدارس کے حیلے سے مسلمانوں میں باہمی جنگ اور فتنہ وفساد برپا ہو، اس طرح اسلام اور مسلمانوں کو برباد کیا جائے، کیونکہ اب تک تبلیغ کی برکت سے اس کا یہ داؤ نہ چلا، اس لیے تم سے وہ گُر جو اس بات پر تمھیں آمادہ کرنا تھا، اس نے چھوڑ دیا، اور یہ کام سرے سے رضائے الٰہی کے واسطے تھا ہی نہیں، لہٰذا مدارس کا فروغ رُک گیا، اگر مدارس کی کوشش رضائے الٰہی کے لیے ہوتی تو مجھے بتائیں کہ کیا وجہ ہے کہ اس سال غلے کی فراوانی بھی بہت ہے، اور لوگوں میں دین کا شوق بھی پیدا ہو چکا ہے، اس کے باوجود غلے کی وصولی اتنی بھی نہیں، جتنی قحط اور دین سے جہالت کے زمانے میں تھی، میرے نزدیک اگر یہ کام رضائے الٰہی کے لیے ہوتا تو اب تک سینکڑوں مدارس قائم ہوچکے ہوتے، اس وقت دین دار لوگوں کا اس میں کوشش نہ کرنا صاف بتا رہا ہے کہ ہمارا دشمن فتنہ وفساد پر اُبھار رہا تھا، اس کو اپنی اغراض نظر نہ آئیں، لہٰذا اس نے چھوڑ دیا، رضائے الٰہی کی اتنی طلب ہی نہیں ہے کہ خالص اس کے واسطے جان توڑ کر کوشش ہوجائے، میرا مقصد محض الزام دینا نہیں ہے، بلکہ ایک طرف متوجہ ہوکر اطمینان کے ساتھ ذکر کی تکثیر اور نمازیں پڑھ پڑھ کر پھر ازسرِنو پُرزور کوشش کی ہمتیں کرنے پر ابھارنا ہے اور ان دونوں باتوں میں پوری سعی کریں کہ آدمی بھی کثرت سے نکلیں، تاکہ زمین تیار ہو اور مکاتب کی کثرت ہو، اور زندگی کی وہ روش ہوکہ ہرمسجد ہر مسلمان کے بچوں کے مکتب کی صورت ہو، اپنے دشمن کی گھات سے

ہوشیار ہو اور حق تعالیٰ جل جلالہ کی حصولِ رضا میں جان دے دینے کے رواج میں پوری کوشش کرو۔ (صفحہ ۱۰۱۔۱۰۲)

اس تحریک کے لئے
ہر فرد لاکھ جان سے قربان ہو

پس از سلام واضح ہو کہ ایک نہایت ضروری امر کے لیے تکلیف دینے کے ارادے سے رقعہ تحریر میں لا رہا ہوں، وہ یہ کہ ہماری تحریکِ ایمان جس کی حقانیت اہل جہاں تسلیم کر چکے ہیں، اس کے عمل میں آنے کی صورت بجز اس کے کہ ہر آدمی لاکھ جان کے ساتھ قربان ہونے کو تیار ہو اور کوئی ذہن میں نہیں آتی، دنیا کا یہی فیصلہ ہے، اور فیضِ آسمانی کی ہزار ہا مرتبہ آزمودہ ہو کر ہزاروں اقوام کو ترقی اور تنزل کے نمونے دکھلا چکی، میں اپنی قوت اور ہمت کو تم میواتیوں پر خرچ کر چکا، میرے پاس بجز اس کے کہ تم لوگوں کو اور قربان کردوں، کوئی پونجی نہیں، میرا ہاتھ بٹاؤ۔ (صفحہ ۱۰۶)

کچھ اہم ہدایات

میرے دوستو اور عزیزو! تمہارے ایک ایک سال دینے کی خبر سے جو ابھی سے مسرت ہورہی ہے، وہ تحریر سے باہر ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور توفیق مزید عطا فرمائے، میں چند باتوں کی طرف آپ صاحبان کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں:

اپنے اپنے علاقے کے اُن لوگوں کی فہرست جمع کرکے مجھے اور شیخ الحدیث صاحب کو لکھیں جو ذکر شروع کر چکے ہیں یا اب ذکر کررہے ہیں یا چھوڑ چکے ہیں۔

دوسرے جو بیعت ہیں اور ان کو بیعت کے بعد جو کچھ بتایا جاتا ہے، وہ اُن کو نباہ رہے ہیں یا نہیں؟

ہر مرکز میں جو مکاتب ہیں، ان کی نگرانی ہو اور جدید مکاتب کی جہاں جہاں ضرورت ہو۔ (وہ قائم کریں)

تم خود بھی ذکر اور تعلیم میں مشغول ہو یا نہیں، اگر نہیں ہو تو بہت جلد (شروع کرو اور) اب تک کی غفلت پر نادم ہو۔

نمبر اول سے مراد یہ ہے کہ جن کو بارہ تسبیح بتائی گئی ہیں، وہ پابندی سے پورا کرتے ہیں یا نہیں؟ اور انہوں نے ہم سے پوچھ کر کیا ہے یا خود اپنی تجویز سے ذکر کرنے والوں کو دیکھ کر شروع کر دیا ہے، ہر ہر شخص سے دریافت کرکے نمبر وار

تفصیل لکھو۔

اپنے مرکزوں سے ہر ہر نمبر کے متعلق نمبر وار تفصیل کے ساتھ کارگذاری میرے اور شیخ الحدیث صاحب کے پاس روانہ کرنے کا اہتمام ہو۔

جو ذکر بارہ تسبیح کررہے ہیں، اُن کو آمادہ کرو کہ وہ ایک ایک چلہ رائے پور (حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کی خدمت میں) جا کر گزاریں۔ (صفحہ ۱۰۷)

کچھ اہم اصولوں کی نشاندہی

میرے دوستو! تمہارے نکلنے کا خلاصہ تین چیزوں کا زندہ کرنا ہے: ذکر، تعلیم، تبلیغ، یعنی تبلیغ کے لیے باہر نکلنا اور ان کو ذکر و تعلیم کا پابند کرنا۔

پُرانے آدمیوں کو خصوصاً جو میرے بھائی کے ملنے والے ہیں، ان کو اہتمام سے اس کام میں اپنے ساتھ لگانے میں خصوصی کوشش کریں۔

اپنے اوقات کی قدر کریں اور لایعنی (کاموں) سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی اس سے بچنے کی ترغیب دیں، تمہارا عمل دوسروں کے لیے نمونہ ہوگا۔

شیطان کی کامیابی دو چیزوں سے وابستہ ہے: اول لایعنی (کاموں یا باتوں میں مصروف ہونا) دوسرے اپنی راحت و آرام کی فکر میں پڑ جانا۔ (صفحہ ۱۰۸)

مشکلات سے کام کے ایک باب کا کھلنا

ہمیشہ یاد رکھو! کام کرنے والے کو ہر کام کرتے ہوئے ایک مشکل اور کسی پھساوڑے (یعنی ابتلا و آزمائش کا پیش آجانا) یہ اللہ کی عادات میں سے ہے، اور یہ وہ وقت ہوتا ہے، جو ایک کتاب ختم ہوکر، اس سے اگلی کتاب (یعنی ایک باب ختم ہو کر دوسرا باب) شروع ہونے کے ہم معنی ہے، اور اگلی کتاب (یعنی اگلے باب) کے شروع ہونے کی صورت یہ ہے کہ فرد بلبلا کر اور خلقت سے اور دنیا کی زندگی سے استغنا اختیار کرے اور اللہ کی مرضیات کے لئے اپنی حیثیت اور ہمت کے موافق جم کر کوشش کرے، تب ترقی ہوگی اور اگلے درجے پر چڑھ جائے گا اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو فرد اپنی پہلی حالت سے بھی نیچے گر جائے گا، سو اگر توفیقِ ایزدی شامل حال رہے، اور اللہ تعالیٰ شانہ، اس ابتلا سے نجات بخشیں تو اس کے شکریے کے واسطے شکریۂ ایزدی حق تعالیٰ شانہ واجب ہے، شکریہ کی حقیقت یہ ہے کہ اب تک جو کچھ بھی پیش آیا ہے یا کامیابی ہوئی ہے، فرد اس کو اپنی کوشش کا نتیجہ ہرگز نہ سمجھے، یہ شرک ہے، اسے صرف فضلِ خداوندی سمجھے اور نماز کی کثرت اور تسبیحات کی کثرت

کے ذریعہ خصوصا ان دو دُعاؤں کی تکثیر کے ذریعہ صرف اللہ کے فضل ہونے کا زبان سے اقرار کرے، وہ دو دعائیں یہ ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِعِزَّتِہٖ وَجَلَالِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ. اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ شُکْرًا وَّلَکَ الْمَنُّ فَضْلًا.

اور دین کے کاموں میں بہت جم کر پہلے سے سو درجے زیادہ لگ جائے، اس نے اگر یہ دونوں معاملے کیے تو بے شک شکریہ ادا کیا، ورنہ کفرانِ نعمت ہوگا اور کفرانِ نعمت پر عذاب کی وعید ہے، جس کو فرماتے ہیں: (وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ) الآیۃ اور جب عذاب ہوا تو پکڑ ہوگی اور (اِنَّ بَطْشَ) الآیۃ۔

سو میرے دوستو! یہ مشکل بننے کا موقع آیا ہے، لہٰذا دونوں طرح کا شکریہ ادا کرنا چاہیے، اور تمام ملک میں اس طرز کے ساتھ جابجا شکریہ کی ادائیگی میں سعی کرنی چاہیے۔ (صفحہ ۱۱۰-۱۱۱)

ہماری تحریک کسی کی
دل آزاری کو پسند نہیں کرتی

آپ حضرات کی تحریر سے سرگذشت تبلیغ اور واگذاشت ضروری معلوم ہوئی، آپ لوگ خوب یقین فرما لیجیے کہ ہماری تحریک اور اسلامی تبلیغ نہ کسی کی دل آزاری کو پسند کرتی ہے اور نہ کسی فتنہ فساد کے الفاظ سننا چاہتی ہے، آپ لوگوں نے بدعتی کے لفظ سے بعض جگہ کے لوگوں کو یاد کیا ہے، آئندہ ایسے الفاظ سے احتراز کرنا چاہیے، جو اشتعال انگیز ہوں، فتنہ خیز ہوں، بلکہ اس قسم کے پیہم الفاظ لکھنے چاہئیں، جس سے کسی خاص فرقے یا جماعت پر طعن نہ ہو، مثلا: یہ کہنا کہ بعض جگہ کے لوگ اب تک شبہات وشکوک میں پڑے ہوئے ہیں، ہم اپنی کمزوری اور کوتاہی کی وجہ سے ان کے اشکالات حل نہ کر سکے اور شکوک دور نہ ہو سکے۔ اپنی عیب جوئی اور اس پر توبہ واستغفار وندامت، اپنے عیب اور کوتاہیوں کا ازالہ اور جبر نقصان ہے، دوسروں کے عیب کی کوشش کرنا بے ہنری ہے اور کام کو بے رونق بنانے والی چیز ہے۔ دوسروں میں عیب نکالنے سے اپنا مایہ بھی جاتا رہتا ہے، جب کہ اپنے میں عیب ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنے سے پونجی میں کمی نہیں ہوتی۔ اور اگر اس پر ندامت کے ساتھ استغفار وتوبہ کی تو آئندہ کے لیے رحمت وبرکت نازل ہوتی ہے۔ بہر کیف تحریر وتقریر میں نہ ایسے الفاظ نکلیں، جن سے فساد کا اندیشہ وخطرہ ہو، اور نہ ایسے خیالات کا اظہار

ہو، جن سے بدگمانی اور اور بدظنی بڑھے۔ سارے مسلمان اپنے ہی بھائی ہیں، جب نرمی اور طریقے سے لایا جائے گا تو (ان شاء اللہ) خود ہی حق پر آجائیں گے۔ (صفحہ ۱۱۲)

تبلیغ کو مشائخ طریقت وعلماء شریعت
اور ماہرین سیاست کی ضرورت
(بنام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب)

حضرت عالی! کوئی کام بغیر اُصول اور بنا (بنیاد) کے نہیں چلتا، اس وقت تبلیغ کا یہ کام اس قدر عظیم الشان حالت کو پہنچ گیا ہے کہ اس کی ظاہری وباطنی واُصولیہ وفروعیہ اس قدر کثیر اور وافر ہیں کہ وہ بیانِ تحریر یا فہم کے احاطے سے بالاتر ہوچکی ہیں، اور جیسا کہ میں شروع میں عرض کر چکا ہوں، یہ سب تفصیلات بہرحال بناؤں پر چل رہی ہیں، ان بنائی اُمور (بنیادی امور) پر کسی آدمی کو دفعتا چلانا، بہت دشوار ہے، اس لیے میرے نزدیک کام چلنے کے لیے اس وقت جن چیزوں کی ضرورت ہے، وہ چند مشائخ طریقت وعلمائے شریعت اور ماہرین سیاست کی ہے، جس کی مشاورت کے ماتحت یہ کام ہو، حسبِ ضرورت نظم کے ساتھ مشاورت کا انعقاد خاطر خواہ مداوم رہے، اور سارا عملی کام اس کے ماتحت ہو، سو ایک تو اول ایسی مجلس کے منعقد ہوجانے کی ضرورت ہے (یعنی مذکورہ صلاحیتوں کی حامل شخصیتوں کی مجلس اور) دوسرے اس وقت جو اُمت محمدیہ کے امراضِ کہنہ میں سے ہے، وہ عملی چیزوں کی بجائے تقریر کی کثرت پر اکتفا کرنا ہے، جب کہ اس کے برعکس قول سے زیادہ عمل کے بڑھنے کی ضرورت ہے، لہٰذا تبلیغ میں جو آگے بڑھکر کوشش کرے، وہ اس تبلیغ کے میدان میں نکل چکنے والوں کے ساتھ زندگی گزارے۔ (مکاتیب مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ صفحہ ۱۱۳-۱۱۴)

(اس خط اور بعض ملفوظات سے مولانا کی یہ فکرمندی ظاہر ہوتی ہے کہ تبلیغ کے بڑھتے ہوئے کام کی نگرانی اور اسے صحیح خطوط پر چلانے کے لئے علمائے ربانی اور دعوتی تجربات ومشاہدات کی حامل شخصیتوں کی ضرورت ہے، دوسری صورت میں اس تحریک کے غلط رخ پر مڑجانے کا خطرہ درپیش ہے۔ مرتب)

دولتمندوں سے اصلاح کی خاطر ملنے کی ضرورت

(کچھ ملفوظات سے اقتباسات)

فرمایا، بعض اہل دین اور اصحاب علم کو ''استغناء'' کے باب میں بڑا سخت مغالطہ ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ استغناء کا تقاضا یہ ہے کہ اغنیاء اور اہل ثروت سے مطلقا ملا ہی نہ جائے اور ان کے اختلاط سے کلی پرہیز کیا جائے، حالانکہ استغناء کا منشاء صرف یہ ہے کہ ہم ان کی دولت کے حاجتمند بن کر ان کے پاس نہ جائیں اور طلب جاہ ومال کے لئے ان سے نہ ملیں، لیکن ان کی اصلاح کے لئے اور دینی مقاصد کے لئے ان سے ملنا اور اختلاط رکھنا ہرگز استغناء کے منافی نہیں، بلکہ یہ تو اپنے درجہ میں ضروری ہے۔ ہاں اس چیز سے بہت ہوشیار رہنا چاہئے کہ ان کے اس اختلاط سے ہمارے اندر حب مال وجاہ اور دولت کی حرص پیدا نہ ہوجائے۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ صفحہ۱۴ مرتب: مولانا محمد منظور نعمانیؒ)

دینی مدارس میں دعوت الی اللہ کے کام سے بے رغبتی

فرمایا، اکثر دینی مدارس میں یہ ایک بڑی غفلت اور کوتاہی ہے کہ طلباء کو پڑھا تو دیا جاتا ہے، لیکن اس کی کوئی خاص کوشش نہیں کی جاتی کہ اس پڑھنے پڑھانے کا جو اصل مقصد ہے (یعنی خدمت دین اور دعوت الی اللہ) وہ پڑھنے کے بعد اس میں لگیں، اس غفلت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان مدرسوں کے بہت سے ہونہار فاضل فراغت کے بعد محض تحصیل معاش کو اپنا مطمح نظر بنا کر یا تو طب پڑھنے میں لگ جاتے ہیں اور یا سرکاری یونیورسٹیوں کے امتحان دے کر، انگریزی اسکولوں میں ٹیچری کا پیشہ اختیار کرلیتے ہیں اور ان کی دینی تعلیم پر جو وقت اور روپیہ خرچ ہوا تھا اور جو محنت کی گئی تھی، وہ نتائج کے لحاظ سے اس طرح سب غارت ہوجاتی ہے، بلکہ بسا اوقات وہ دشمنان دین کے کام آتی ہے۔ لہٰذا پڑھانے سے زیادہ ہم کو اس کی فکر اور کوشش کرنی چاہئے کہ جو طلباء پڑھ کر فارغ ہوں، وہ دین کی خدمت ہی میں لگیں اور علمِ دین کے حقوق ادا کریں، اپنی کھیتی میں کچھ پیدا نہ ہو تو یہ بھی خسارہ ہے، لیکن اگر پیدا ہوکر ہمارے دشمنوں کے کام آئے تو یہ اور زیادہ خسارہ کی بات ہے۔ (صفحہ۱۵)

ذاتی زندگی میں اسلام کو نافذ نہ کرنے کی حالت میں اقتدار کیسے ملے؟

اس سوال پر کلام کرتے ہوئے کہ ''مسلمانوں کو حکومت واقتدار کیوں نہیں بخشا جاتا؟'' فرمایا:

اللہ کے احکام اور اوامر ونواہی کی حفاظت ورعایت جبکہ تم اپنی ذات اور اپنی ذاتی زندگی میں نہیں کررہے (جس پر تمہیں اختیار حاصل ہے اور کوئی مجبوری نہیں ہے) تو دنیا کا نظم ونسق کیسے تمہارے حوالہ کردیا جائے۔

ایمان والوں کو حکومت ارضی دینے سے تو منشاء الٰہی یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی مرضیات اور اس کے احکام کو دنیا میں نافذ کریں تو تم جب اپنے حدودِ اختیار میں آج یہ نہیں کررہے تو حکومت تمہارے سپرد کرکے کل کے لئے تم سے اس کی کیا امید کی جاسکتی ہے؟ (صفحہ۱۷)

تکلیف برداشت کرکے دوسروں کے حقوق ادا کرنے کا بدلہ جنت ہے

فرمایا، جنت حقوق کا بدلہ ہے یعنی اپنے حقوق، اپنا چین اور اپنا آرام اللہ کے لئے مٹایا جائے اور اپنے پر تکلیف برداشت کرکے دوسروں کے حقوق ادا کئے جائیں (جن میں حقوق اللہ بھی شامل ہیں) تو اسی کا بدلہ جنت ہے (اسی سلسلہ میں فرمایا) حدیث میں ارشاد ہوا ہے:

"اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ"

ترجمہ: ''تم زمین والوں پر رحم کھاؤ رب السماء تم پر رحمت فرمائے گا۔''

حدیث میں دو عورتوں کے دو واقعے بیان کئے گئے ہیں، جو عام طور سے معلوم اور مشہور ہیں۔ ایک یہ کہ کسی بدکار اور فاحشہ عورت نے کتے کی خبرگیری کی اور اس کی پیاس پر ترس کھا کر کنویں سے پانی نکال کے اس کو پلایا تو اللہ نے اس کے اس فعل کے عوض اس کے لئے جنت کا فیصلہ فرما دیا اور ایک دوسری عورت نے جو بدکار نہیں تھی، ایک بلی کو بھوکا رکھ کر تڑپا تڑپا کر مار ڈالا تو وہ جہنم میں ڈال دی گئی۔ (صفحہ۱۹)

کلمہ ونماز کی تلقین وتعلیم کا ہمارے نصاب کا ابتدائی حصہ ہونا

ایک صحبت میں فرمایا، ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کو "جمیع ماجاء بہ النبی ﷺ" سکھانا (یعنی اسلام کے پورے علمی وعملی نظام سے امت کو وابستہ کردینا) یہ تو ہے ہمارا اصل مقصد، رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت، سو یہ اس مقصد کے لئے ابتدائی ذریعہ ہے، اور کلمہ ونماز کی تلقین وتعلیم گویا ہمارے پورے نصاب کی "الف، بے، تے" ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ہمارے قافلے پورا کام نہیں کر سکتے، ان سے تو بس اتنا ہی ہوسکتا ہے کہ ہر جگہ پہنچ کر اپنی جدوجہد سے ایک حرکت وبیداری پیدا کردیں اور غافلوں کو متوجہ کرکے وہاں کے مقامی اہل دین سے وابستہ کرنے کی اور اس جگہ کے دین کی فکر رکھنے والوں (علماء وصلحاء) کو بیچارے عوام کی اصلاح پر لگادینے کی کوشش کریں۔ (صفحہ۲۶)

علم دین اور ذکراللہ کے پورے اہتمام کے بغیر ساری جدوجہد کا بیکار ہونا

ایک دن بعد نماز فجر جب کہ اس تحریک میں عملی حصہ لینے والوں کا نظام الدین کی مسجد میں بڑا مجمع تھا اور حضرت مولانا کی طبیعت اس قدر کمزور تھی کہ بستر پر لیٹے لیٹے بھی دوچار لفظ بآواز نہیں فرما سکتے تھے تو اہتمام سے ایک خاص خادم کو طلب فرمایا اور اس کے واسطے سے اس پوری جماعت کو کہلوایا کہ آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدوجہد بے کار ہوگی، اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا (گویا یہ علم وذکر دوبازو ہیں، جن کے بغیر اس فضا میں پرواز نہیں کی جا سکتی) بلکہ سخت خطرہ اور قوی اندیشہ ہے کہ اگر ان دوچیزوں کی طرف سے تغافل برتا گیا تو یہ جدوجہد مبادا فتنہ اور ضلالت کا ایک نیا دروازہ نہ بن جائے۔ دین کا اگر علم ہی نہ ہو تو اسلام وایمان محض رسمی اور اسمی ہیں، اور اللہ کے ذکر کے بغیر اگر علم ہو بھی تو وہ سراسر ظلمت ہے اور علیٰ ہذا، اگر علم دین کے بغیر ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو تو اس میں بھی بڑا خطرہ ہے، الغرض علم میں نور ذکر سے آتا ہے اور بغیر علم دین کے ذکر کے حقیقی برکات وثمرات حاصل نہیں ہوتے، بلکہ بسا اوقات ایسے جاہل صوفیوں کو شیطان اپنا آلہ کار بنا لیتا ہے۔ لہٰذا علم اور ذکر کی اہمیت کو اس سلسلہ میں کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اس کا ہمیشہ خاص

اہتمام رکھا جائے، ورنہ آپ کی یہ تبلیغی تحریک بھی بس ایک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی، اور خدانکردہ آپ لوگ سخت خسارہ میں رہیں گے۔ (صفحہ۳۲)

ذکر کے بغیر ظلمت ہی ظلمت کا ہونا

ایک بار فرمایا، مولانا، ہماری تبلیغ میں علم وذکر کی بڑی اہمیت ہے۔ بدون علم نہ عمل ہو سکے، نہ عمل کی معرفت، اور بدون ذکر کے علم ظلمت ہی ظلمت ہے، اس میں نور نہیں ہوسکتا، مگر ہمارے کام کرنے والوں میں اس کی کمی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ تبلیغ خود بہت اہم فریضہ ہے، اس کی وجہ سے ذکر میں کمی ہونا، ویسا ہی ہے جیسا حضرت سید احمد صاحب بریلوی قدس سرہ نے جس وقت جہاد کی تیاری کے لئے اپنے خدام کو بجائے ذکر وشغل کے نشانہ بازی اور گھوڑے کی سواری میں مشغول کردیا تو بعض نے یہ شکایت کی کہ اس وقت پہلے جیسے انوار نہیں ہیں، تو حضرت سید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں، اس وقت ذکر کے انوار نہیں ہیں، جہاد کے انوار ہیں اور اس وقت اسی کی ضرورت ہے۔ فرمایا، مگر مجھے علم اور ذکر کی کمی کا قلق ہے اور یہ کمی اس واسطے ہے کہ اب تک اہل علم اور اہل ذکر اس میں نہیں لگے ہیں۔ اگر یہ حضرات آکر اپنے ہاتھ میں کام لے لیں تو یہ کمی بھی پوری ہوجائے، مگر علماء اور اہل ذکر تو ابھی تک اس میں بہت کم آئے ہیں۔ (صفحہ۳۷)

(علم وذکر کی جس کمی پر مولانا کو سخت فکرمندی تھی، اس کی طرف توجہ دینا وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے، اس لئے کہ کثرت ذکر کے نور کے بغیر محض تبلیغ میں نکلنا اور قیل وقال سے دور جدید کے ہمہ گیر فتنوں سے بچنا ممکن نہیں۔ مرتب)

مسلمانوں کی دین سے محرومی پر رحم کا آنا

ایک بار فرمایا، حدیث میں ہے "مَنْ لَا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ" مگر افسوس! لوگوں نے اس حدیث کو بھوک اور فاقہ والوں پر رحم کے ساتھ مخصوص کرلیا، اس لئے ان کو اس شخص پر تو رحم آتا ہے، جو بھوکا ہو، پیاسا ہو، ننگا ہو، مگر مسلمانوں کی دین سے محرومی پر رحم نہیں آتا۔ گویا دنیا کے نقصان کو نقصان سمجھا جاتا ہے، لیکن دین کے نقصان کو نقصان نہیں سمجھا جاتا، پھر ہم پر آسمان والا کیوں رحم کرے، جب ہمیں مسلمانوں کی دینی حالت کے ابتر ہونے پر رحم نہیں، فرمایا، ہماری اس تبلیغ کی بنیاد اسی رحم پر ہے، اس لئے یہ کام شفقت اور رحم ہی کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اگر مبلغ اس لئے تبلیغ کررہا ہے کہ اس کو اپنے بھائیوں کی دینی

حالت کے ابتر ہونے کا صدمہ ہے تو یقیناً وہ رحم اور شفقت کے ساتھ اپنے فریضہ کو انجام دے گا، لیکن اگر یہ منشاء نہیں، کچھ اور منشاء ہے تو پھر تکبر وعجب میں مبتلا ہوگا، جس سے نفع کی امید نہیں۔ نیز جو شخص اس حدیث کو پیش نظر رکھ کر تبلیغ کرے گا، اس میں خلوص بھی ہوگا، اس کی نظر اپنے عیوب پر بھی ہوگی اور وہ دوسروں کے عیوب پر نظر کے ساتھ ان کی اسلامی خوبیوں پر بھی نظر ہوگی تو یہ شخص اپنے نفع کا حامی نہ ہوگا، بلکہ شاکی ہوگا۔ اور اس تبلیغ کا گُر یہی ہے کہ حمایت نفس سے الگ ہوکر شکایتِ نفس کا سبق ہمیشہ پیش نظر رہے۔ (صفحہ ۳۸۔۳۹)

زکوٰۃ کے صحیح مصرف وہ لوگ ہیں
جو دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں

پھر فرمایا کہ زکوٰۃ دینے والوں پر تفقد مصرف لازم ہے، جیسے نماز پڑھنے والے پر پاک پانی کا تلاش کرنا لازم ہے، اور صحیح مصرفِ زکوٰۃ وہ ہے، جس میں زکوٰۃ کا روپیہ لینے سے طمع مال پیدا نہ ہو۔ شریعت کا زکوٰۃ فرض کرنے سے یہ ہرگز مقصود نہیں کہ غریب مسلمانوں میں مال کی حرص وطمع پیدا ہوجائے کہ لوگوں کی خیرات وزکوٰۃ کے منتظر رہا کریں۔ پس جو شخص اللہ پر بھروسہ کرکے، صبر اختیار کرتا ہے، جس قدر وہ صبر وتوکل کرے گا، اسی قدر اہل اموال پر بقدر اس کے صبر کے اس کی امداد لازم ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ أُحصِرُواْ فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ لاَ يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْباً فِيْ الأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاء مِنَ التَّعَفُّف.

تو صحیح مصرف زکوٰۃ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور صبر سے اللہ پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں، کسی سے سوال نہیں کرتے، نہ کسی سے طمع رکھتے ہیں، مگر آج کل اہلِ اموال پیشہ ورسائلوں کو زکوٰۃ دے کر سمجھ لیتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا ہوگئی، حالانکہ وہ تو پہلی زکوٰۃ کو بھی کھودیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی اموال میں برکت نہیں، حالانکہ قطعی وعدہ ہے کہ زکوٰۃ سے مال میں برکت ہوتی ہے۔ پس جو لوگ زکوٰۃ کے بعد اپنے مال میں برکت کا مشاہدہ نہ کریں، ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ زکوٰۃ مصرف میں نہیں دی گئی اور انہوں نے مصرف کا تفقد نہیں کیا۔ (صفحہ ۴۳)

علم سے عمل اور عمل سے ذکر کا پیدا ہونا

فرمایا، علم سے عمل پیدا ہونا چاہئے اور عمل سے ذکر پیدا ہونا چاہئے، جبھی علم، علم ہے اور عمل، عمل ہے۔ اگر علم سے عمل پیدا نہ ہوتو سراسر ظلمت ہے۔ اور عمل سے اللہ کی یاد دل میں نہ پیدا ہوئی تو پھس پھسا ہے اور ذکر بلاعلم بھی فتنہ ہے۔ (صفحہ ۵۰)

نفاق کا خوف مؤمن کو لاحق ہونا

فرمایا، مجھے اپنے اوپر استدراج کا خوف ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ خوف عینِ ایمان ہے (امام حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے اوپر نفاق کا خوف مؤمن ہی کو ہوتا ہے) مگر جوانی میں خوف کا غلبہ اچھا ہے اور بڑھاپے میں حسنِ ظن باللہ اور رجاء کا غلبہ اچھا ہے۔ فرمایا، ہاں صحیح ہے۔ (صفحہ ۵۰)

ذکر اللہ کے اہتمام پر زور

فرمایا، ذکر اللہ، شرِ شیاطین سے بچنے کے لئے قلعہ اور ''حصن حصین'' ہے۔ لہٰذا جس قدر غلط اور برے ماحول میں تبلیغ کے لئے جایا جائے، شیاطین جن وانس کے برے اثرات سے اپنی حفاظت کے لئے اسی قدر زیادہ ذکر اللہ کا اہتمام کیا جائے۔ (صفحہ ۵۲)

دین کے کاموں سے
اصل مقصود رضائے الٰہی کا ہونا

فرمایا، دین کے کاموں میں اصل مطلوب اور مقصود تو ہونا چاہئے صرف رضاءِ الٰہی اور اجر اخروی۔ اور دنیا میں جن انعامات وبرکات کا وعدہ کیا گیا ہے۔ مثلاً چین کی اور عزت کی زندگی، یا مثلاً استخلاف اور تمکین فی الارض، سو یہ مطلوب نہیں، بلکہ موعود ہیں، یعنی ہم کو جو کچھ کرنا ہے، وہ کرنا تو صرف رضاء الٰہی اور فلاحِ اخروی کے لئے، مگر یقین رکھنا چاہئے، اللہ کے ان مواعید پر بھی (بلکہ ان کے لئے دعائیں بھی کرنی چاہئیں، مگر ان کو اپنی عبادت واطاعت کا اصل مقصود نہیں بنانا چاہئے)۔

موعود اور مطلوب کے اس فرق کو آپ لوگ اس مثال سے شاید اچھی طرح سمجھ سکیں گے کہ نکاح وشادی سے مقصود تو بیوی کا حصول اور اس سے تمتع ہوتا ہے، مگر اس کے ساتھ آتا ہے جہیز وغیرہ بھی، جو گویا عرفاً موعود ہوتا ہے، لیکن ایسا بے

وقوف دنیا میں شاید ہی کوئی ہو، جو شادی ہی صرف جہیز حاصل کرنے کے لئے کرے اور اگر بالفرض کوئی ایسا کرے اور بیوی کو معلوم ہوجائے کہ اس نے شادی میرے لئے نہیں کی، بلکہ میرے ساتھ آنے والے جہیز کے لئے کی ہے تو سوچو کہ بیوی کے دل میں اس کے لئے کتنی جگہ رہے گی۔ (صفحہ۵۴)

کبر کی سزا

فرمایا، جنت متواضعین ہی کے لئے ہے۔ انسان میں اگر کبر کا کوئی حصہ ہے تو پہلے اس کو جہنم میں ڈال کر پھونکا جائے گا، جب خالص تواضع رہ جائے گا، تب وہ جنت میں بھیجا جائے گا۔ بہرحال کبر کے ساتھ کوئی آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔ (صفحہ۵۷)

دین کے لئے دوخطرات

کفر کی عوامی لہر، دوسرے الحاد ودہریت کی تحریک

فرمایا، دوستو! ابھی کام کا وقت باقی ہے۔ عنقریب دین کے لئے دو زبردست خطرے پیش آئیں گے۔ ایک تحریک شدھی کی طرح کفر کی تبلیغی کوشش، جو جاہل عوام میں ہوگی۔ اور دوسرا خطرہ ہے الحاد ودہریت کا، جو مغربی حکومت وسیاست کے ساتھ ساتھ آرہا ہے۔ یہ دونوں گمراہیاں سیلاب کی طرح آئیں گی، جو کچھ کرنا ہے ان کے آنے سے پہلے پہلے کرلو۔ (صفحہ۵۹)

(اس ملفوظ میں مولانا نے آنے والے حالات میں جن دوفتنوں کا ذکر کیا ہے، یہ فتنے اس دور میں بڑی شدت اور تیزی سے ظاہر ہوگئے ہیں۔ ایک عوام کے رخ کو مادیت کی طرف موڑنے کی ہمہ گیر لہر جو ٹی وی، انٹرنیٹ اور موبائل وغیرہ کے ذریعہ پیدا ہوگئی ہے۔ دوسری الحاد دہریت، دین پر اعتراضات اور سیکولرزم کی نظریاتی تحریک ہے، جو جدید طبقات میں سرایت کرتی جارہی ہے۔ مرتب)

لوگوں سے ملنے سے قلب کی حالت کا بگڑنا

اور ذکروفکر کے ذریعہ اس کی درستگی کا ہونا

فرمایا، مجھے جب بھی میوات جانا ہوتا ہے تو ہمیشہ اہل خیر اور ذکر کے مجمع کے ساتھ جاتا ہوں، پھر بھی عمومی اختلاط سے قلب کی حالت اس قدر متغیر ہوجاتی ہے کہ جب تک اعتکاف کے ذریعہ اس کو غسل نہ دوں یا چند روز کے لئے ''سہارنپور'' یا ''رائے پور'' کے خاص مجمع اور خاص ماحول میں جاکر نہ رہوں، قلب اپنی حالت پر

نہیں آتا۔

دوسروں سے بھی کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ دین کے کام کرنے والوں کو چاہئے کہ گشت اور چلت پھرت کے طبعی اثرات کو خلوتوں کے ذکر وفکر کے ذریعہ دھویا کریں۔ (صفحہ۵۹۔۶۰)

(اس ملفوظ سے ایک بڑا راز جو معلوم ہوا، وہ یہ ہے کہ اہل اللہ زندگی بھر کے مجاہدوں کے باوجود مادیت پرست معاشرہ اور عوام کی کدورتوں اور ظلمات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ ان کدورتوں کے اثرات کو توڑنے کی صورت خلوت میں ذکر وفکر ہی ہے، جو اہل اللہ کا معمول رہا ہے، جب غیرمعمولی مجاہدوں کے حامل اہل اللہ کی یہ حالت ہے کہ ماحول کے ظلمات سے ان کے دل متغیر ہوتے ہیں اور اس کے لئے انہیں خلوت میں ذکر وفکر کی ضرورت لاحق رہتی ہے تو دعوتی کارکنوں کو تو ذکروفکر کے لئے خلوت کی کہیں زیادہ ضرورت ہے، دوسری صورت میں ظلمات وکدورتوں کے ماحول میں ہونے والا دعوتی کام غیرمؤثر ہو کر رہ جائے گا۔ مرتب)

ہماری تحریک قلوب میں

ایمان کو راسخ کرنے کی تحریک ہے

فرمایا، ہمارا کام دین کا بنیادی کام ہے اور ہماری تحریک درحقیقت ایمان کی تحریک ہے۔ آج کل عام طور سے جو اجتماعی کام ہوتے ہیں، ان کے کرنے والے ایمان کی بنیاد کو قائم فرض کرکے، امت کی اوپر کی تعمیر کرتے ہیں اور اوپر کے درجہ کی ضروریات کی فکر کرتے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک امت کی اول ضرورت یہی ہے کہ ان کے قلوب میں پہلے صحیح ایمان کی روشنی پہنچ جائے۔ (صفحہ۶۱)

امت کی اصل بیماری

دین کی طلب کا نہ ہونا

فرمایا، ہمارے نزدیک اس وقت امت کی اصل بیماری دین کی طلب وقدر سے ان کے دلوں کا خالی ہونا ہے۔ اگر دین کی فکر وطلب ان کے اندر پیدا ہوجائے اور دین کی اہمیت کا شعور واحساس ان کے اندر زندہ ہوجائے تو ان کی اسلامیت دیکھتے دیکھتے سرسبز ہوجائے۔ ہماری اس تحریک کا اصل مقصد اس وقت بس دین کی طلب وقدر پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہے، نہ کہ صرف کلمہ اور نماز وغیرہ کی تصحیح

وتلقین۔ (صفحہ٦٢)

تبلیغ کے ذریعہ مادی ماحول سے نکل کر صالح ومتحرک ماحول میں آنا

فرمایا، ہمارے طریقۂ کار میں دین کے واسطے جماعتوں کی شکل میں گھروں سے دور نکلنے کو بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اس کا خاص فائدہ یہ ہے کہ آدمی اس کے ذریعہ اپنے دائمی اور جامد ماحول سے نکل کر ایک نئے صالح اور متحرک ماحول میں آجاتا ہے، جس میں اس کے دینی جذبات کے نشوونما کا بہت کچھ سامان ہوتا ہے۔ نیز اس سفر وہجرت کی وجہ سے جو طرح طرح کی تکلیفیں اور مشقتیں پیش آتی ہیں اور دربدر پھرنے میں جو ذلتیں اللہ کے لئے برداشت کرنی ہوتی ہیں، ان کی وجہ سے اللہ کی رحمت خاص طور سے متوجہ ہوجاتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔

اسی واسطے اس سفر وہجرت کا زمانہ جس قدر طویل ہوگا اسی قدر مفید ہوگا۔ (صفحہ٦٢)

قلوب پر عوام الناس کی کدورتوں کا اثر پڑنا

فرمایا، انبیاء علیہم السلام باوجودیکہ معصوم اور محفوظ ہیں اور علوم وہدایات براہ راست حق تعالیٰ سے حاصل کرتے ہیں، لیکن جب ان تعلیمات وہدایات کی تبلیغ میں ہر طرح کے لوگوں سے ملنا جلنا اور ان کے پاس آنا جانا ہوتا ہے تو ان کے مبارک اور منور قلوب پر بھی ان عوام الناس کی کدورتوں کا اثر پڑتا ہے۔ اور پھر تنہائی کے ذکر وعبادت کے ذریعہ وہ اس گردوغبار کو دھوتے ہیں۔

فرمایا سورہ مزمل میں حضور (ﷺ) کو قیام لیل (تہجد) کا حکم دیتے ہوئے جو یہ فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبْحاً طَوِيْلاً (اے رسول! دن میں تم کو بہت چلنا پھرنا رہتا ہے) تو اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سید الانبیاء ﷺ کو بھی دن کی دوڑ دھوپ اور چلت پھرت کی وجہ سے رات کی اندھیری اور تنہائی میں یکسوئی کے ساتھ عبادت کی ضرورت تھی۔ پھر اس آیت سے اگلی آیت میں جو متصلاً فرمایا گیا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلاً (اور اپنے رب کے نام کی یاد کر اور یکسوئی سے ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو) تو اس سے بھی اس مضمون کی مزید تائید ہوتی ہے کہ تبلیغی دوڑ دھوپ کرنے والوں کو ذکر وفکر اور یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت کی خصوصیت سے ضرورت ہے۔ پس ہم کو بھی اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے، بلکہ ہم

اس کے بہت زیادہ محتاج ہیں، کیونکہ اولاً تو ہم خود کچے اور ظلمتوں سے بھرے ہوئے ہیں، پھر اپنے جن بڑوں سے ہم دینی فیوض اور ہدایات حاصل کرتے ہیں، وہ بھی ہماری ہی طرح غیر معصوم ہیں۔ اور جن میں تبلیغ کے لئے جاتے ہیں، وہ بھی عام انسان ہی ہیں۔ غرض ہم میں خود بھی کدورتیں ہیں اور ہمارے دونوں جانب بھی بشری کدورتیں ہیں، جن کا ہم پر اثر پڑنا لازمی اور فطری ہے۔ اس لئے ہم اس کے بہت ہی زیادہ محتاج ہیں کہ رات کی اندھیریوں اور تنہائیوں میں اللہ کے ذکر وعبادت کا اہتمام اور التزام کریں۔ قلب پر پڑے ہوئے برے اثرات کا یہ خاص علاج ہے۔ (صفحہ ٧١۔٧٢)

سالک کو شیخ کے خانگی احوال پر نظر نہ کرنے کی تاکید

اسی سلسلہ میں فرمایا، یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے جن بڑوں سے ہم دینی فیوض اخذ کریں، ان سے اپنا تعلق صرف اللہ کی جانب کا رکھیں اور صرف اسی لائن کے اُن کے اقوال وافعال اور احوال سے سروکار رکھیں۔ باقی دوسری لائنوں کی ان کی ذاتی اور خانگی باتوں سے بے تعلق بلکہ بے خبر رہنے کی کوشش کریں، کیونکہ یہ ان کا اپنا بشری حصہ ہے۔ لامحالہ اس میں کچھ کدورتیں ہوں گی۔ اور جب آدمی اپنی توجہ ان کی طرف کو چلاوے گا تو وہ اُس کے اندر بھی آئیں گی، نیز بسا اوقات اعتراض پیدا ہوگا، جو بعد اور محرومی کا باعث ہوجائے گی، اس لئے ان مشائخ کی کتابوں میں سالک کو شیخ کے خانگی احوال پر نظر نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ (صفحہ٧٢)

جنت کی نعمتوں اور عذاب دوزخ کے بارے میں اہم بات

فرمایا، جنت کی نعمتیں اگر یہاں بھیج دی جائیں تو خوشی سے موت واقع ہو جائے۔ یہی حال وہاں کے عذاب کا ہے۔ اگر دوزخ کا ایک بچھو اس دنیا کی طرف رخ کرے تو یہ ساری دنیا اس کے زہر کی تیزی سے سوخت ہوجائے (جل جائے)۔ (صفحہ٧٦)

دین میں ترقی کرنے یا نیچے گرنے کے عمل کا ہونا

فرمایا، دین میں ٹھہراؤ نہیں۔ یا تو آدمی دین میں ترقی کررہا ہوتا ہے اور یا نیچے گرنے لگتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ باغ کو جب پانی اور ہوا موافق ہو تو

وہ سرسبزی اور شادابی میں ترقی ہی کرتا رہتا ہے اور جب موسم ناموافق ہو یا پانی نہ ملے تو ایسا نہیں ہوتا کہ وہ سرسبزی اور شادابی اپنی جگہ پر ٹھہری رہے، بلکہ اس میں انحطاط شروع ہوجاتا ہے، یہی حالت آدمی کے دین کی ہوتی ہے۔ (صفحہ۸۰)

اسباب کی کمی پر مایوسی
اسباب پرست ہونے کی علامت

فرمایا، اسباب کی کمی پر نظر ڈال کر مایوس ہوجانا، اس بات کی نشانی ہے کہ تم اسباب پرست ہو اور اللہ کے وعدوں اور اس کی غیبی طاقتوں پر تمہارا یقین بہت کم ہے، اللہ پر اعتماد کرکے اور ہمت کرکے اٹھو تو اللہ ہی اسباب مہیا کردیتا ہے، ورنہ آدمی خود کیا کرسکتا ہے، مگر ہمت اور استطاعت بھر جہد شرط ہے۔ (صفحہ۸۱)

اپنی سی کوشش کرنے سے اللہ کی مدد کا شامل ہونا

فرمایا، ہم جس دینی کام کی دعوت دیتے ہیں، بظاہر تو یہ بڑا سادہ سا کام ہے۔ لیکن فی الحقیقت بڑا نازک ہے۔ کیونکہ یہاں مقصود صرف کرنا کرانا ہی نہیں ہے، بلکہ اپنی سعی کرکے اپنی عاجزی کا یقین اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ونصرت پر اعتماد کرنا ہے۔ سنت اللہ یہی ہے کہ اگر اللہ کی مدد کے بھروسہ پر اپنی سی کوشش ہم کریں تو اللہ تعالیٰ ہماری کوشش اور حرکت ہی میں اپنی مدد کو شامل کردیتے ہیں۔ قرآن مجید کی آیت (**وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ**) میں اسی طرف اشارہ ہے، اپنے کو بالکل بے کار سمجھ کے بیٹھے رہنا تو ''جبریت'' ہے اور اپنی ہی قوت پر اعتماد کرنا ''قدریت'' ہے (اور یہ دونوں گمراہیاں ہیں) اور صحیح اسلام ان دونوں کے درمیان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جدوجہد اور کوشش کی جو حقیر سی قوت اور صلاحیت ہم کو بخش رکھی ہے، اللہ کے حکم کی تعمیل میں اس کو تو پورا پورا لگادیں اور اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں، لیکن نتائج کے پیدا کرنے میں اپنے کو بالکل عاجز اور بے بس یقین کریں اور صرف اللہ تعالیٰ کی مدد ہی پر اعتماد کریں اور صرف اسی کو کارفرما سمجھیں۔ (صفحہ۸۳)

جذبات اور دل کے رخ کو
بدلے بغیر زندگی کا بدلنا دشوار ہے

مادی منافع کے لئے دشمنانِ اسلام کا آلۂ کار بننے والے مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''اگر تم ان میں شکم پرستی اور غرض پرستی کے بجائے خداپرستی کا جذبہ پیدا

کرسکوگے تو پھر وہ پیٹ اور دوسری اغراض کی خاطر دشمنوں کے آلہ کار کیوں بنیں گے، جذبات اور دل کا رخ بدلے بغیر زندگی کے اشغال بدلوانے کی کوشش غلط ہے، صحیح طریقہ یہی ہے کہ لوگوں کے دلوں کو اللہ کی طرف پھیر دو، پھر ان کی پوری زندگی اللہ کے حکموں کے ماتحت ہوجائے گی، لاالٰہ الااللہ کا یہی مقصد ہے، اور ہماری تحریک کی یہی بنیاد ہے۔'' (صفحہ۹۲)

دین کی حقیقت
جذبات کو اللہ کے اوامر کا پابند کرنا

دین کی حقیقت ہے، جذبات کو اللہ کے اوامر کا پابند کرنا، صرف دینی مسائل کے جاننے کا نام دین نہیں ہے۔ علماءِ یہود دین کی باتیں اور اپنی شریعت کے مسائل بہت جانتے تھے، لیکن اپنے جذبات کو انہوں نے اوامر الٰہیہ کا پابند نہیں کیا تھا، اس لئے مغضوب ومردود ہوگئے۔ (صفحہ۹۹)

غیبی مدد کا عین وقت پر ساتھ کردینے کی اللہ کی سنت

اس سلسلہ میں فرمایا، غیبی مدد اور غیبی طاقت جس چیز کا نام ہے، وہ پہلے سے حوالے نہیں کی جاتی، بلکہ عین وقت پر ساتھ کردی جایا کرتی ہے، گویا اللہ کے خزانے میں جمع ہے اور ایمان وتوکل کی شرط یہ ہے کہ اس پر اعتماد اپنے ہاتھ کی مکسوبہ (حاصل ہوئی) طاقت سے زیادہ ہونا چاہئے۔ (صفحہ۱۰۵)

علم وذکر میں ترقی کا
اپنے بڑوں کی نگرانی میں ہونا

فرمایا، ہمارے سب کام کرنے والوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ تبلیغ کے لئے باہر جانے کے زمانہ میں بالخصوص علم اور ذکر کی طرف بہت زیادہ توجہ کریں، علم اور ذکر میں ترقی کے بغیر دینی ترقی ممکن نہیں، نیز علم اور ذکر کی تحصیل وتکمیل اس راہ کے اپنے بڑوں سے وابستگی رکھتے ہوئے اور ان کے زیر ہدایت اور ان کی نگرانی میں ہو۔

انبیاء علیہم السلام کا علم وذکر، اللہ تعالیٰ کے زیر ہدایت اور اس کے علم کے ماتحت ہوتا تھا، اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا علم وذکر رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے ماتحت ہوتا تھا، اور آپ کی نگرانی میں ہوتا تھا، پھر ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے اس قرن کے اہلِ علم اور اہلِ ذکر گویا رسول اللہ ﷺ کے خلفاء ہیں، لہٰذا علم

وذکر میں اپنے بڑوں کی نگرانی سے استغناء نہیں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ خاص کر باہر نکلنے کے زمانہ میں صرف اپنے خاص مشاغل میں اشتغال رہے اور دوسرے تمام مشاغل سے یکسو رہا جائے اور وہ خاص مشاغل یہ ہیں۔

(۱) تبلیغی گشت (۲) علم (۳) ذکر (۴) دین کے لئے گھر چھوڑ کر نکلنے والے اپنے ساتھیوں کی خصوصا اور عام خلق اللہ کی عموما خدمت کی مشق۔ (۵) تصحیح نیت اور اخلاص واحتساب کا اہتمام۔ اور اتہام نفس کے ساتھ بار بار اس اخلاص واحتساب کی تجدید۔ (صفحہ۱۱۷)

حضرت ابابکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہا
اس دنیا سے روتے ہوئے رخصت ہوئے

فرمایا، وہاں حال یہ تھا کہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہما بھی دین کی راہ میں اپنے آپ کو فنا کردینے کے باوجود اور حضورﷺ کی کھلی ہوئی اور یقینی بشارتوں کے باوجود اس دنیا سے روتے ہوئے گئے۔ (صفحہ۱۱۹)

ذکر سے عام دینی کاموں میں
ذکر کی شان کا پیدا ہوجانا

فرمایا، علم وذکر کو مضبوطی سے تھامنے کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے، مگر علم وذکر کی حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے۔

ذکر کی حقیقت ہے، عدم غفلت اور فرائض دینی کی ادائیگی میں لگا رہنا، اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے، اس لئے دین کی نصرت اور اس کے فروغ کی جدوجہد میں مشغول رہنا ذکر کا اونچا درجہ ہے، بشرطیکہ اللہ کے اوامر اور مواعید کا خیال رکھتے ہوئے ہو۔

اور ذکر نفلی اس واسطے ہے کہ آدمی کے جو اوقات فرائض میں مشغول نہ ہوں، وہ لایعنی میں نہ گزریں، شیطان یہ چاہتا ہے کہ فرائض میں لگنے سے جو روشنی پیدا ہوتی ہے اور جو ترقی حاصل ہوتی ہے، وہ لایعنی (کاموں میں) میں لگا کے اس کو برباد کردے، پس اس سے حفاظت کے لئے ذکر نفلی ہے۔ الغرض فرائض سے جو وقت فارغ ہو، اس کو ذکر نفلی سے معمور رکھا جائے، تاکہ شیطان لایعنی (کاموں وباتوں) میں مشغول کرکے ہمیں نقصان نہ پہنچا سکے (نیز ذکر نفلی کا ایک خاص اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے عام دینی کاموں میں ذکر کی شان پیدا ہوتی ہے اور اللہ

کے اوامر کی تعمیل میں اور اس کے مواعید کے شوق میں کام کرنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے)۔ (صفحہ۱۲۰۔۱۲۱)

رائج علم سے زعم کا پیدا ہونا
اور زعم سے کبر کا پیدا ہونا

اسی سلسلہ میں فرمایا، علم کے لئے جو وضع محمدیﷺ تھی (یعنی طلب اور عظمت ومحبت کے ساتھ صحبت واختلاط سے علم حاصل کرنا اور زندگی سے زندگی سیکھنا) اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے ذریعہ جتنا علم بڑھتا تھا، اسی قدر اپنے جہل اور اپنی علمی درماندگی کا احساس ترقی کرتا تھا اور علم حاصل کرنے کا جو طریقہ اب رائج ہوگیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ علم جتنا آتا ہے، زعم اس سے زیادہ پیدا ہوتا ہے، پھر زعم سے کبر پیدا ہوتا ہے اور کبر جنت میں نہیں جائے گا علاوہ ازیں علم کے زعم کے بعد تحصیل علم کی تڑپ نہیں رہتی، جس کی وجہ سے علم کی ترقی ختم ہوجاتی ہے۔ (صفحہ۱۲۲)

مؤمن کا روپیہ اس لئے ہے کہ
وہ اللہ کے کام آئے

فرمایا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ اور اسی طرح دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کی آمدنیاں بہت تھیں اور اپنے اوپر خرچ کرنے میں بھی وہ بڑی جزرس واقع ہوئے تھے۔ ان کا کھانا پہننا بہت ہی معمولی تھا اور نہایت سادہ بلکہ فقیرانہ زندگی گذارتے تھے۔ اس کے باوجود اُن میں سے بہت سے دنیا سے مقروض ہوگئے، کیونکہ وہ اپنی ساری آمدنی دین کی راہ میں خرچ کردیتے تھے، دراصل مؤمن کا روپیہ اسی لئے ہے کہ وہ اللہ کے کام آئے۔ (صفحہ ۱۲۵)

محبّ اور محبوب کے جذبات وخواہشات
میں کامل اتحاد کا پیدا ہوجانا

فرمایا، حقیقی محبت کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ محبّ اور محبوب کے جذبات اور خواہشات تک میں کامل اتحاد ہوجاتا ہے۔ میرے بھائی مولانا محمد یحیی صاحب (رحمہ اللہ تعالی) کا یہ حال تھا کہ باوجودیکہ وہ خانقاہ سے دور رہتے تھے، لیکن بارہا ایسا ہوتا کہ اچانک ان کے دل میں خانقاہ جانے کا تقاضہ پیدا ہوتا اور وہ فورا چل دیتے اور جب دروازہ کھولتے تو حضرت گنگوہی (قدس سرہ) کو انتظار میں بیٹھا پاتے۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے جب کسی بندہ کو سچی محبت ہوجاتی ہے تو پھر یہی معاملہ اللہ پاک کے ساتھ ہوجاتا ہے کہ اس کی مرضیات بندہ کی مرضیات ہوجاتی ہیں اور جو باتیں اللہ کو ناپسند ہوتی ہیں، بندہ کو بھی ان سے نفرت ہوجاتی ہے۔ اور اس محبت کے پیدا کرنے کا طریقہ ہے اسوۂ محمدی کا اتباع (قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ) (صفحہ۱۳۱)

کچھ اہم نکات

(مولانا قاری محمد طیبؒ)

مصیبت تو مصیبت اس وقت بنتی ہے، جب دل اس سے اثر لے، جب دل خوش ہو کہ مجھے اللہ نے یاد کیا ہے، یہ تو مصیبت نعمت ہوگئی، مصیبت قلب کی صفت ہے کہ قلب متاثر ہو کر پریشانی کا اثر قبول کرے تو وہ مصیبت ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام قاری محمد طیب، صفحہ۱۷۷ جلد۴)

قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت

حدیث میں ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ ایک عالم اتنا ذلیل ہو جائیگا، جیسے مردہ گدھے کی لاش ہوتی ہے کہ اسے کوئی دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ (صفحہ۹۹ حصہ۴)

نافرمان قوم کے لئے
اقوام دنیا میں عداوت ڈالنے کی الٰہی سنت

حدیث قدسی میں ہے: جب کوئی قوم میری نافرمانی کرتی ہے، میرے قانون کو چھوڑ دیتی ہے تو میں دنیا کی اقوام کے دلوں میں اس کی عداوت ڈال دیتا ہوں، وہ قومیں کھڑی ہوتی ہیں، انہیں سزا دیتی ہیں، تلوار اور ہاتھ سے بھی، دولت وشوکت چھیننے سے بھی، وہ میری طرف سے جلاد کے طور پر کام کرتی ہیں، فرمایا کہ اگر تمہیں یہ ناگوار ہے کہ دنیا کی قومیں تم پر مسلط ہو کر تمہیں ذلیل نہ کریں تو انہیں بُرا بھلا

مت کہو، میرے ساتھ معاملہ درست کرو، میں ان کے قلوب میں عداوت کی بجائے محبت ڈال دونگا، وہی قومیں جو تمہاری مدمقابل تھیں، وہ سرنگوں ہوجائیگی، قلوب میرے ہاتھ میں ہیں۔

کائنات کا اللہ کے ذکر سے قائم رہنا

تمام عالم کی روح ذکر اللہ ہے، جب تک اللہ کی یاد قائم رہے گی، عالم قائم رہیگا، جب دنیا اللہ کی یاد چھوڑ دے گی تو سمجھو کہ عالم کے کوچ کا وقت آ گیا، حدیث میں ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا "لاتقوم الساعة حتیٰ لایقال فی الارض اللہ" قیامت قائم نہ ہوگی جب تک ایک فرد بھی اللہ اللہ کرنے والا رہ جائیگا۔ جب ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہیگا تو قیامت قائم ہوجائیگی، کیونکہ جب روح قائم نہ رہی تو ڈھانچہ کس کام کا نہیں، اسے گرا دیا جائیگا۔ معلوم ہوا کہ سارے عالم کی روح اللہ کا ذکر ہے، مقصود اصلی ذکر الٰہی ہے، یہ نماز روزہ، حج، زکوۃ، وغیرہ احکام سب اس کے پیرائے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا، ذاکر کیلئے موت نہیں ہے اور غافل کیلئے حیات نہیں، کیونکہ اصل زندگی یاد الٰہی ہے، اعمال صالحہ دراصل زندگی کے کام ہیں، اسی واسطے حدیث میں آیا ہے، انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں، اپنی قبروں میں، نمازیں پڑھتے ہیں، یعنی زندگی والے کام کرتے ہیں۔ ان کی قبور والی زندگی بھی عمل صالح سے معطل نہیں۔ (مجالیس حکم الاسلام)

نیکی پر مداومت سے
خیر کے نئے نئے راستوں کا کھلتے رہنا

جو آدمی جس راستے پر چلتا ہے، تو اس راستے کے نشیب وفراز اس پر کھلتے رہتے ہیں اور حکمت کی باتیں سمجھ میں آتی رہتی ہیں۔ لہٰذا جس نیکی پر مداومت ہوگی، معرفت بڑھیگی۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی اجنبی عورت جارہی ہے اور نگاہ پڑ گئی تو پہلی نگاہ تو معاف ہے، جو بلا ارادے پڑجائے، مگر دوسری نگاہ جو ارادے سے پڑے، وہ معاف نہیں ہے۔

فرمایا: اگر کوئی شخص ایسی عورت پر جو سامنے سے جارہی ہو، اس پر نگاہ ڈالنے سے بچنے کیلئے رک جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں معرفت پیدا فرمائینگے اور اس پر نیکی کے بہت سے راستے کھل جائیگے تو کسی بُرائی سے صبر کرلینا، یہ معرفت کے کھلنے کا دروازہ ہے۔ تو اگر ایک شخص نہی عن المنکر کی عادت ڈالے کہ میں منکر کو مٹانے کی کوشش کرونگا تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایسے راستے بھی ڈالتے ہیں کہ یہاں اس طرح کرو، یہاں، ایسا کرو، وہ راستے خودبخود کھلتے ہیں۔ یہ کوئی فن نہیں ہے کہ آپ نے چند اصول پڑھ لئے، پھر اس کے مطابق کرتے رہو، یہ چیزیں تو خود قلب کے اندر القا ہوتی ہیں، بشرطیکہ اس عمل کے ساتھ مداومت جاری ہو۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر اخلاص کے ساتھ کوئی نیک کام چالیس دن تک کیا جائے تو حکمت کا چشمہ اس کے دل سے پھوٹنے لگتا ہے، خیر کے نئے نئے راستے کھلنے لگتے ہیں۔ (مجالیس حکیم الاسلام، قاری محمد طیب، صفحہ۱۶۰)

اہل تصوف کی کچھ کمزوریوں کی نشاندہی

(حضرت شاہ محمد یعقوب مجددیؒ)

شیخ کے مطلوب ومقصود ہونے کی روش

''وقت کے ایک معتمد مرشد وبزرگ حضرت شاہ محمد یعقوب مجدد بھوپالی کا ایک ملفوظ حسب روایت مولانا ابو الحسن علی ندوی ملاحظ ہو: لوگوں نے مشائخ کے اتباع میں بڑا غلو کر رکھا ہے۔ ان کی نقل تقلید کو مقصود اور ان کی اطاعت کو اطاعت مطلق سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اصل، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور ان کی اتباع ہے۔ مشائخ اس کا ذریعہ ہیں۔ مشائخ علماء کی نقل وتقلید اور اتباع وپیروی کی جو حقیقت ہے اور اس کے جو حدود ہیں اس کا نمونہ نماز میں نظر آتا ہے کہ امام کی تکبیر پر قیام ورکوع کیا جاتا ہے اور ہر رکن وجزد میں اس کی پیروی کی جاتی ہے،لیکن جب اس کو سہو ہوجاتا ہے تو مقتدی اللہ اکبر کہنے لگتے ہیں۔ یہ اللہ اکبر اور سبحان اللہ بھی ایک

طرز کی مختصر نویسی یا شارٹ ہینڈ ہے، جس میں بہت بڑی عبارت مضمر ہے، یعنی یہ کہ اب آپ سے سہو ہوگیا ہے آپ اس کی اصلاح کیجئے، گویا مقتدی بجائے اس کی پیروی کرنے کے، اس کی رہبری کرنے لگتے ہیں۔ (الفرقان جولائی ۱۹۶۷ء)

بات سو فیصدی سچی اور کھری ہے۔ لیکن حلقہ عشاق میں اسے کون زبان پر لاتا ہے۔ یہاں تو تلقین تمام تر اتباع شیخ ہی کی رہتی ہے اور وہ مناقب وفضائل فنا فی الشیخ ہونے کے بیان کئے جاتے ہیں کہ گویا بس شیخ ہی مطلوب اور شیخ ہی مقصود ہے، اور خوش اعتقادی نے کتنے قصے ایسے گھڑ لئے ہیں کہ چاہے رسول بلکہ خدا سے نوبت بغاوت کی آجائے، لیکن شیخ کی معصومیت اور مقصودیت پر کہیں سے آنچ نہ آنے پائے۔ اتنی صحیح ومتوازن تعلیم یا تو حضرت تھانویؒ کے ہاں دیکھنے میں آئی تھی اور یا پھر اب ان مجددی بھوپالی شیخ کے ملفوظات میں نظر آرہی ہے۔ (صدق، ۱۷ جولائی ۱۹۶۷ء)

تخیلات سے القا اور خوابوں کا ہونا

حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی کی ملفوظات کی ایک تازہ قسط کے چند جواہر ریزے حاضر ہیں:

''اعمال واحکام شریعت غذا ہیں، اور درد محبت چٹنی، چٹنی سے اشتہا کھلتی ہے اور کھانے ہضم میں مدد ملتی ہے۔ لیکن دونوں میں تناسب ضروری ہے۔ چٹنی چٹنی ہی کی تعداد میں ہونی چاہئے۔ اگر چٹنی غذا بن جائے گی، معدہ ضعیف ہوجائے گا۔''

''جس طرح اطباء جسمانی علاج میں معدہ کو مقدم رکھتے ہیں۔ اطباء روحانی (صوفیہ) علاج میں پہلے دماغ کی فکر کرتے ہیں، دماغ ایک باطنی معدہ ہے۔ جب تک وہ درست نہ ہو، اخلاقی و روحانی نظام صحیح طور پر عمل نہیں کرتا، سب سے پہلے تخیل کو درست کرنے کی ضرورت ہے، لوگ الہام والقا وخواب کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ یہ سب تخیل سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگر ایک تخیل قائم ہوگیا، جم گیا تو بعض اوقات اسی کے مطابق القا بھی ہونے لگتا ہے اور خواب بھی اسی کے مطابق نظر آنے

لگتے ہیں۔

القا والہام کے لئے کسوٹی قرآن وحدیث ہیں۔ جو اس کے مطابق ہے، وہ صحیح ہے اور جو اس کے مخالف ہے، وہ غلط ہے، قادیانی خوابوں سے بہت استدلال کرتے ہیں اور ان کو ان پر بڑا اعتماد ہے۔''

''فوجی بینڈ بڑا مؤثر ہوتا ہے، جس وقت اس کی خاص دھن بجائی جاتی ہے، سپاہی لڑنے کے لئے بے قرار ہوجاتے ہیں اور جوش وجنون میں زمین پر پاؤں ٹپکنے لگتے ہیں۔ اسی طرح جب مومن کا دم واپس ہوتا ہے اور اس کے کان میں یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً کا نغمِ دلکش وجان نواز پہنچتا ہے تو وہ بے قرار ہوجاتا ہے اور قفس عنصری سے جلد رہائی پاکر اپنے محبوب کی، بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے بے تاب ہوجاتا ہے۔''

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تعلیمات سے اس درجہ اقرب واشبہ تلقین اب کسی اور بزرگ کی نظر نہیں آتی۔ اللہ ایسے بافیض وجود کی زندگی اور سلامتی میں زیادہ سے زیادہ برکت عطا فرمائے۔ (صدق، ۱۸ اگست ۱۹۶۷ء)

اہل تصوف کی قرآن وحدیث سے
بے نیازی کی روش

دور حاضر کے ایک عارف حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی بھوپالی کا ایک ملفوظ:

جوانی میں جب میں حیدرآباد میں تھا تو مشائخ کے یہاں تصوف کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ خاص طور پر فتوحات مکیہ اور ''فصوص الحکم'' کا بڑا دور رہتا تھا اور مثنوی مولانائے روم کا تو دن رات ورد رہتا، وحدت الوجود کے نکتے بیان ہوتے تھے اور توحید وجودی کے بارے میں موشگافیاں ہوتی تھیں، لیکن میری آنکھیں قرآن کی تفسیر اور حدیث کا درس ڈھونڈھتی تھیں اور کان ان کے سننے کے لئے بے تاب تھے۔ جی چاہتا تھا کہ کم سے کم ایک ہی آیت کی تفسیر ہوتی اور ایک ہی حدیث کی تشریح

ہوتی، لیکن ان مجالس میں ان کا کوئی ذکر نہ تھا، ذوق وشوق وجدوحال نعرہ آہ کی کمی نہیں تھی، مگر قرآن وحدیث کا سیدھا سادا بیان مفقود تھا۔ وجہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث، پیری اور مشیخت کو توڑتا ہے۔ اور سب کو بندگی وانسانیت کی سطح پر اتارتا ہے اور سارے امتیازات کو ختم کردیتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ عرب کا بدوی نبی ﷺ کی مجلس میں آتا ہے تو کسی قسم کا امتیاز اور مشیخیت کا نشان نہ ہونے کی وجہ سے اس کو پوچھنا پڑتا ہے کہ آپ میں سے خدا کا رسول کون ہے۔''

حدیث نبوی بلکہ خود قرآن مجید تک سے بے تعلقی وبے نیازی اور مدار کار تمام تر صوفی حضرات کی نثر ونظم پر رکھدینے کی مصیبت صدیوں سے ہماری خانقاہوں پر مسلط چلی آرہی ہے۔ اور اس نے ساری ملت اسلامیہ کا حلیہ بگاڑ رکھا ہے۔ (صدق ۶، جون ۱۹۶۷ء)

شخصیت کی نشوونما اور ارتقاء کے سلسلہ میں

علامہ اقبال کے اقتباسات

انسان کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ دنیا کیلئے اس کا وجود زینت کا باعث ہو، اس کے ہر فعل میں ایک قسم کی روشنی ہو، جس کی کرنیں اوروں پر پڑ کر، ان کو دیانتداری اور صلح کاری کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا سبق دیں۔ اس کی ہمدردی کا دائرہ دن بدن وسیع ہونا چاہئے، تاکہ اس کے قلب میں وسعت پیدا ہو، جو روح کے آئینہ سے تعصبات اور توہمات کے زنگ کو دور کرکے اسے مجلّا ومصفا کردیتی ہے۔ (مقالات اقبال، صفحہ۲)

مجاہدوں سے ایک نئی قوت
کا عطا ہوجانا

احتساب نفس اور انقلاب باطن کے حقیقی عمل میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے، جب جدوجہد ختم ہوجاتی ہے، انسان اپنی موجودہ حالت پر مطمئن نہیں رہتا۔ اور نئے اثرات کا منتظر رہتا ہے۔ اگر تجربے کے اس پہلو کو مرکزی اہمیت دی جائے تو یہ تعبیر

بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے کہ انسان، شروع سے آخر تک خدا کے فضل اور بخشش کا مرہون منت ہے۔ جب انسان کو یہ معلوم ہو (جیسا کہ ولادت معنوی پانے والے اشخاص کا تجربہ ہے) کہ نیکی کرنے کی پُرخلوص کوشش، گناہ اور نقص سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی تو وہ اپنے آپ کو بالکل لاچار پاتا ہے۔ وہ اپنی کوشش کو ترک کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس وقت وہ تمام اثرات، جو اس کی روحانی زندگی کی نشوونما کا باعث ہوتے ہیں، خارج سے داخل ہوتے محسوس ہوتے ہیں۔ گویا ایک قوت ہے، جو اس میں ایک نئی شخصیت کی تعمیر کر رہی ہے۔ (مقالات اقبال صفحہ۴۹۶)

علمائے ربانی کی اہمیت

''جن لوگوں کے عقائد واعمال کا ماخذ کتاب وسنت ہے، اقبال ان کے قدموں میں ٹوپی کیا، سر رکھنے کو تیار ہے اور ان کی صحبت کے ایک لمحہ کو دنیا کی تمام عزت وآبرو پر ترجیح دیتا ہے۔

(اقبال کا خواجہ حسن نظامی کے نام خط ''اقبال اور لذت پیکار'' صفحہ۹۱، مصنف حق نواز)

ملت اسلامیہ کے افراد کے کرنے کا کام

''بات دراصل یہ ہے کہ انسان جب اپنی تخلیقی فعالیت سے لطف اندوز ہوتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ زندگی کے نئے نئے جلوؤں کا مشاہدہ کرتا ہے تو اپنے انکشاف ذات سے آپ ہی بے چین ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اس ہر لحظہ آگے بڑھنے والی حرکت میں وہ اپنے ماضی کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اسے اپنی وسعت ذات سے خوف ودہشت سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ہمہ دم آگے بڑھنے والی حرکت میں روح انسان کو بعض ایسی قوتوں سے سابقہ پڑتا ہے، جو اس کا راستہ روک لیتی اور مخالف سمت میں کام کرتے ہوئے نظر آتی ہیں۔ (تشکیل الٰہیات جدید)

''امم اسلامیہ میں ہر ایک کو اپنی ذات میں ڈوب جانا چاہئے، انہیں چاہئے کہ اپنی ساری توجہ اپنے آپ پر مرتکز کریں، حتیٰ کہ ان سب میں اتنی طاقت پیدا

ہوجائے کہ باہم مل کر اسلامی برادری کی شکل اختیار کریں۔ (ایضاً)

خداشناسی کا ذریعہ خرد نہیں، عشق کا ہونا

علامہ اقبال سے دریافت کیا کہ حکماء کے دلائل تو کانٹ نے باطل ٹھیرائے دیئے، اب ہم ذات واجب کا اثبات کریں تو کیسے کریں، علامہ نے میرے اس سوال کا جو جواب دیا، سچ تو یہ ہے کہ اس نے میری زندگی میں ایک بہت بڑا ذہنی انقلاب برپا کر دیا۔ انہوں نے فرمایا۔ عقلی دلائل کی مدد سے واجب الوجود کا اثبات نہیں ہوسکتا، اس کے اثبات کا طریقہ باطنی مشاہدہ یا مذہبی تجربہ ہے۔ خداشناسی کا ذریعہ خرد نہیں، عشق ہے، جسے فلسفہ کی زبان میں وجداں کہتے ہیں۔ (''روزگار فقیر'' فقیر سید وحید الدین)

علامہ نے (مختلف صحبتوں میں) رفتہ رفتہ مجھ پر یہ حقیقت واضح کردی کہ نہ تو خدا کی ہستی پر کوئی عقلی دلیل ایسی قائم ہوسکتی ہے، جو قاطع ہو اور نہ عقل ان اعتراضات کا خاطر خواہ جواب دے سکتی ہے، جو خود عقل ہی خالق کائنات کے وجود پر وارد کرتی ہے۔ (صفحہ۱۷۸)

قرآن کا مقصود

انسان میں اللہ سے ربط قلبی کا شعور پیدا ہونا

علامہ نے کہا، قرآن کو اس زاویہ نگاہ سے مت پڑھو کہ وہ تمہیں فلسفے کے مسائل سمجھائے گا، بلکہ اسے اس زاویہ نگاہ سے پڑھو کہ اللہ سے میرا رشتہ کیا ہے اور کائنات میں میرا کیا مقام ہے۔ قرآن اس لئے نازل ہوا ہے کہ وہ انسان میں خدا سے ربط قلبی کا اعلیٰ شعور پیدا کردے، تاکہ انسان اس ربط کی بدولت مشیت ایزدی سے ہم آہنگی پیدا کرسکے۔ (صفحہ۱۷۹)

واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی تصانیف پڑھکر یہ حقیقت سامنے آتی ہے اور یہی حقیقت ان کا پیام بھی ہے کہ دل کی آنکھیں کھول، تاکہ تجھے وہ عالم نظر آسکے،

جو ظاہر بیں آنکھوں سے مستور ہے۔ بال جبریل میں فرماتے ہیں۔

دل بیدار فاروقی، دل بیدار کراری
مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

دل بیدار نہ ہو تو ان ظاہری آنکھوں سے کیا ہوتا ہے، اقبال کی نگاہ میں ''دل بیدار'' زندگی کی سب سے قیمتی دولت ہے۔ (۱۸۱)

خودی میں ڈوب جانے کی ضرورت

لہٰذا قوائے اضمحلال کے سدباب کا اگر کوئی ذریعہ فی الواقع مؤثر ہے تو یہ کہ معاشرے میں اس قسم کے افراد کی پرورش ہوتی رہے، جو اپنی ذات اور خودی میں ڈوب جائیں، کیونکہ ایسے ہی افراد وہ نئے نئے معیار (علم عمل کے) پیش کرتے ہیں، جن کی بدولت اس امر کا اندازہ ہونے لگتا ہے کہ ہمارا ماحول سرے سے ناقابل تغیر وتبدل نہیں ہے۔ (''تشکیل الٰہیات جدید'' خطبہ ششم)

شخصیت کی اضطرابی کیفیت اسے دوام بخشنے کا موجب ہے

''کسی انسان کے پیکر ہستی کا مرکز اس کی خودی (یعنی اصل شخصیت) ہے۔ شخصیت اضطراب سے عبارت ہے، اس کا تسلسل اس کیفیت کے وجود کا مرہون منت ہے۔

اگر یہ اضطرابی کیفیت برقرار نہ رہے تو شخصیت میں جھول آجائیگا، چونکہ اضطرابی کیفیت انسان کی گراں قدر کامیابی ہے، لہٰذا اسے چاہئے کہ وہ اس کیفیت کی بجائے سستی وکسالت کو جگہ نہ لینے دے، وہ چیز جو ہمیں اضطرابی کیفیت کو برقرار رکھنے کی ترغیب دیتی ہے، ہمیں دوام بخشنا چاہتی ہے، اس طرح ''شخصیت'' کا تصور ہمیں قدر کا معیار بھی عطا کرتا ہے اور خیروشر کا مسئلہ بھی حل کردیتا ہے، جس (چیز) سے شخصیت مستحکم ہو، وہ خیر ہے، جس سے شخصیت کمزور ہو، وہ شر ہے، آرٹ، مذہب اور علم الاخلاق بھی شخصیت کے نقطہ نگاہ سے جانچے جانے چاہئے۔''

''خودی عشق سے مستحکم ہوتی ہے، یہ لفظ بڑے وسیع معنوں میں مستعمل ہے

اور اس کے معنی جذب وانجذاب کی خواہش کے ہے، اس کی ارفع ترین صورت اقدار وتصورات کی تخلیق ہے اور ان کے حصول کیلئے کوشاں رہنا ہے۔

عشق، محبّ اور محبوب دونوں کو دوام بخشا ہے، سب سے زیادہ منفرد خودی کے حصول کی کوشش طالب کو وہ مرتبہ عطا کرتی ہے اور مطلوب کے درجے تک لے جاتی ہے، کیونکہ اس کے بغیر طالب کو کسی پہلو اطمینان نہیں ہوتا، جس طرح عشق سے خودی مستحکم ہوتی ہے اور اسی طرح سوال سے ضعیف ہوتی ہے۔ وہ سب کچھ جو ذاتی کاوش کے بغیر حاصل کیا جاتا ہے، ''سوال'' کے زمرے میں آتا ہے، کسی امیر کا بیٹا جو بہت بڑی دولت وراثت سے حاصل کرتا ہے، سائل ہے، یہی حال اس کا ہے، جو دوسروں کے افکار کی خوشہ چینی کرتا ہے اور استحکام خودی کیلئے ہمیں عشق کو اختیار کرنا ہوگا یعنی جذب وانضمام کی فعال قوت اور ہرقسم کے سوال اور بے عملی سے گریز کرنا ہوگا۔ عشق یعنی فعال انضمام کا سبق ہر مسلمان کو رسول کریم ﷺ کی زندگی سے ملتا ہے۔''
(اقبال بعنوان اسرار خودی کے فلسفیانہ مبادیات اقبال اور لذت پیکار صفحہ ۱۸۲۔۱۸۳ مرتب حق نواز)

کائنات میں زندگی کی حیثیت پر گفتگو

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

کی تشریح علامہ نے خود کی ہے۔

کائنات عالم میں زندگی کو میں ایک وسیع سمندر تصور کرتا ہوں، جس میں چھوٹی چھوٹی موجیں نامعلوم طور پر معرض وجود میں آتی ہیں۔ یہ موجیں محدود اور غیرمشترک انفرادی حیثیتوں سے ایک دوسرے سے ربط رکھتی ہیں، جو بظاہر نظر نہیں آتی، ہر موج بجائے خود ایک عالم ہے۔ تاہم وہ اپنے جیسے دوسرے عالموں کے ساتھ مربوط ہے (برگسان) زندگی کے ان دو ابتدائی اور اصولی نظریوں کو قائم کرنے میں یورپ کے فلسفیوں کو کئی صدیاں درکار ہوئیں۔ لیکن قرآن مجید اس نظریہ کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ ظاہر کرتا ہے۔

خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَّاحِدَة. (اور ہم نے پیدا کیا تم کو نفس واحد سے) ظاہر ہے ہر موج سمندر میں رہ کر اپنی انفرادیت قائم رکھتی ہے۔ اور سمندر سے الگ ہو کر، وہ اپنا وجود کھو بیٹھتی ہے۔ تھوڑے سے غور سے یہ بات معلوم ہوگی کہ ہر فرد، افراد کے اس مجموعے میں اپنے ماحول کا کس قدر ممنوں ہے۔ جسم جو ہماری ہستی کو مادی مفہوم میں بطور فرد مشخص کرتا ہے، زبان جو ہم بولتے ہیں، لباس جو ہم پہنتے ہیں۔ اور بڑی حد تک خیال جو ہم سوچتے ہیں اور مذہب جس پر ہم اپنی زندگی کو منحصر رکھتے ہیں، وہ سب اسی جماعت کے اوضاع واطوار ہیں، جس میں کہ ہم پیدا ہوتے ہیں۔ (کلیات اقبال، صفحہ ۱۰۵)

نصب العین کی محبت اور اس کے تقاضے

(ڈاکٹر محمد رفیع الدین)

عبادت، انسان کا اعلیٰ ترین اور گراں ترین تجربہ ہے۔ یہ شعور انسانی کا اپنے ماخذ یعنی شعور ایزدی سے وصال کا نام ہے، یہ نفس کا اپنی منزل مقصود کی طرف سفر ہے، عبادت کی عادت کو اگر قائم رکھا جائے تو یہ نفس کو جلد ہی ایک عظیم انکشاف کی طرف لے جاتی ہے۔

عبادت کا ہر فعل بشرطیکہ وہ احساس محبت کا ایک موزون اظہار کرے، حسن کے ایک جلوے کو سامنے لاتا ہے۔ اور احساس حسن میں مزید شدت وقوت پیدا کرتا ہے، محبت اسی طرح بڑھتی چلی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ یہ ایک زبردست نصب العین بن جاتی ہے اور فرد کی عام زندگی پر چھا جاتی ہے۔ پھر تمام پرانے نصب العین محض ذیلی خیالات بن کر رہ جاتے ہیں۔

ہر شخص میں خاص مقدار میں محبت کا ہونا

ذہین لوگوں میں محبت کا زیادہ ہونا

ہر شخص میں اس کی خودی کی فطری محبت جو تصور حسن یا نصب العین کے لئے

مخصوص ہوتی ہے، ایک خاص مقدار میں موجود ہوتی ہے۔ اس محبت کی مقدار مختلف اشخاص میں بالعموم ان کی ذہانت کی نسبت سے مختلف ہوتی ہے۔ جس قدر کوئی شخص زیادہ ذہین اور تیز فہم ہوتا ہے، اسی قدر وہ اپنے نصب العین سے زیادہ شدید محبت کر سکتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ذہین لوگوں کے جذبات زیادہ تیز اور قوی ہوتے ہیں، چونکہ خودی کی محبت کی مقدار محدود ہے۔ اس کا جس قدر حصہ وہ ایک مقصد کے لئے صرف کرے گی، دوسرا مقصد جو اس کے ماتحت نہ ہو، بلکہ اس سے متناقض اور مخالف ہو، اسی حد تک اس کی محبت سے محروم ہو جائے گا۔

خودی کی محبت کے ابتدائی مراحل میں خودی کی محبت ایک سے زیادہ تصورات کے درمیاں منقسم ہوتی ہے اور تصور کی محبت کمال کے اس درجہ پر نہیں ہوتی، جو خودی کی فطرتی استعداد محبت کی رو سے ہونی چاہیے۔ لیکن رفتہ رفتہ ایک تصور خودی کی محبت کا مرکز بن جاتا ہے اور اس تصور کی محبت ترقی کرتی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسی نسبت سے دوسرے تصورات کی محبت کم ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی محبت اپنی انتہا پر پہنچ جاتی ہے اور دوسرے تصورات کی محبت مٹ جاتی ہے۔ جب یہ صورت پیدا ہوتی ہے تو انسان کو ایک تربیت یافتہ متحد اور منظم شخصیت حاصل ہوجاتی ہے۔ (اسلام کا نظریہ تعلیم صفحہ ۴۲)

نفسیاتی بلوغ کے دور میں

تولید کی خواہش کا پیدا ہونا

نظریاتی یا تعلیمی نموجوں ہی فرد کو کمال نوبت تک پہنچا دیتا ہے اور ان نفسیاتی امکانات کو جو کسی مسلک پرست انسان یا نظریاتی جماعت کے رکن میں مخفی ہیں، واقعات بنا دیتا ہے تو شخصیت نظریاتی پیکر کو محفوظ رکھنے کے ساتھ اس پر مزید یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ اس نظریہ کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ سرانجام دے۔ اب اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس جیسی دوسری شخصیتیں زیادہ تعداد میں پیدا ہوں۔ اس منزل پر آ کر شخصیت کو شوق دامنگیر ہوتا ہے کہ دوسروں کو تبلیغ وتلقین کی جائے۔ اسے

محسوس ہوتا ہے کہ وہ معلم کے درجہ پر فائز ہوا ہے۔ یہ خیال اسے اکساتا ہے کہ نوخیز نسل کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرے، تاکہ جو کمالات اسے حاصل ہوئے ہیں، وہ دوسروں کو بھی حاصل ہوسکیں۔ عمر کے اس دور کو نفسیاتی بلوغ کا زمانہ کہہ سکتے ہیں۔ جب کہ نفسیاتی ازدواج اور نفسیاتی تولید کی خواہش پیدا ہوجاتی ہے۔

وہ تلاش کرتا ہے کہ بچوں کی سی طبیعت جو آمادہ وقبول ہو، ہاتھ آئے، تاکہ اسے اپنی شخصیت کی سانچے میں ڈھالا جائے۔ (تعلیم کے ابتدائی اصول، حصہ دوم صفحہ۶۲)

'' اگر معلم نے شاگرد کے مشاغل زندگی کا کوئی حصہ یا کوئی شعبہ یوں ہی اپنے حال پر چھوڑ دیا اور بالقصد اس کو نصب العین کامل کے تقاضوں کا تابع نہ بنایا تو اس خانہ خالی میں کوئی ناقص وباطل نصب العین داخل ہوکر، اپنا تسلط جمائے گا اور نصب العین کامل کے ساتھ جو رشتہ محبت تھا، اس کا نمو روک دے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس فرد کا تعلیمی نمو بھی ترقی سے رک جائے گا۔ (تعلیم کے ابتدائی اصول، صفحہ۱۱۲)

اللہ کی کامل محبت کے بغیر
عقل کو شبہات ڈالنے کے مواقع کا حاصل ہونا

''ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ خدا کی محبت کو تفکر فی الخلق (مشاہدہ قدرت) تفکر فی الصفات (عبادت) اور تخلق باخلاق اللہ (حسن عمل) کے ذرائع سے فروغ دے کر درجہ کمال تک پہنچائے، اس طریق سے اس کے دل کے اندر خدا کی معرفت کا وہ نور پیدا ہوگا، جسے اقبال تجلی یا جلوہ کا نام دیتا ہے اور چونکہ اس طریق سے اس کا جذبہ محبت پوری تشفی حاصل کرلے گا اور اس جذبہ کے علاوہ تشفی کا تقاضا کرنے والا اور جذبہ انسان کے اندر ہے ہی نہیں، لہٰذا اس کے لئے بے اطمینانی اور پریشانی کی کوئی وجہ باقی نہ رہے گی اور عقل کے لئے ممکن نہیں رہے گا کہ وہ اس کے دل میں اعتراضات یا شکوک وشبہات پیدا کرسکے، اس کے برعکس انسان کے دل میں خدا کی محبت اس کی استعداد کے مطابق اپنے کمال کو نہ پہنچے گی تو

چونکہ اس کے جذبہ محبت کا ایک حصہ غیر مطمئن رہے گا، اس کا سکون قلب مکمل نہ ہو سکے گا اور عقل کے لئے موقعہ باقی رہے گا کہ اس کو شکوک وشبہات میں ڈالتی رہے۔

اگر انسان کا دل خدا کی محبت کے نور سے پوری طرح منور نہ ہو تو اس کی عقل جو فقط اس نور سے ہی راہنمائی پاسکتی ہے وہ بھٹک جاتی ہے۔

زندگی کی ساری کل کو حرکت میں لانے والی چیز صرف ایک ہے اور وہ نصب العین کی محبت ہے، نصب العین مختلف درجوں اور بلندیوں کے ہوتے ہیں، ہر نصب العین اپنا ایک قانون اخلاق رکھتا ہے، جس پر اس نصب العین کو ماننے والے بشرطیکہ وہ دل سے اسے مانتے ہوں۔ نصب العین کی اندرونی کشش کی وجہ سے پوری رغبت کے ساتھ اور کسی بیرونی مجبوری کے بغیر عمل کرتے ہوں۔

جدید دور میں اجتہاد کا مسئلہ

ہر دور کے اجتماع میں تغیر وتبدل ہوتے رہنا

اسلام کے قانونی نظام میں اجماع کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کا فیصلہ نہایت مستند اور واجب العمل مانا جاتا ہے، اس کی مخالفت ہرگز جائز نہیں ہوتی۔ لیکن چونکہ اجتماعی فیصلے میں زمانہ کے اقتضا اور فقہاء کی فکری وذہنی حالت کو بڑا دخل ہوتا ہے، اس بنا پر اس کا اتباع خاص اسی زمانہ والوں پر واجب ہوگا، بعد کے لوگ حالات کی تبدیلی کی بنا پر دوسرے اجماعی فیصلہ پر عمل کرنے کے مجاز ہوں گے۔ اسی طرح ایک ہی زمانہ میں اگر حالات بدل جائیں تو اجماعی فیصلہ بھی بدل جائے گا۔ (ماہنامہ معارف کا حوالہ)

'' فاضل گیلانی تو اجتماع کے اس پہلو پر اس سے بھی زیادہ صفائی کے ساتھ لکھ چکے ہیں، دلیل قطعی قرآن وسنت ہیں۔ باقی اجماع تو ایک اضافی شے ہے، اس میں تغیر وتبدل ہر دور کے ساتھ ہوسکتا ہے اور ہر دور کا اجماع بہت ممکن ہے، دور سابق کے اجماع سے بالکل ہی مختلف ہے۔ ہر پرانے اجماع کو دانت سے پکڑے رہنا، دلیل رسوخ فی الدین اور استقامت کی نہیں، صرف عصبیت کی ہے۔ (مولانا عبدالماجد دریابادی، صدق،۵فروری ۱۹۵۹ء)

(مرتب کتاب عرض کرتا ہے کہ مسائل ومعاملات میں اپنے دور کے علمائے امت کے اجماع کے بارے میں اصل حقیقت تو یہی ہے، جس کا مولانا گیلانیؒ کے حوالے سے ذکر ہوا ہے، ہر دور کے مسائل کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ وقت گذرنے کے ساتھ ہی ان کی نوعیت بدل جاتی ہے اور نئے مسائل اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ قرآن وسنت جو قیامت تک کی رہنمائی کے لئے بنیادی ماخذی ذرائع ہیں۔ ان کے نصوص کی بنیاد پر وقت کے علماء کی طرف سے اجتہاد ہی وہ ذریعہ ہے، جس سے ہم ہر دور کے حالات ومسائل کے چیلنج سے عہدہ برآ ہوسکتے ہیں، لیکن ایک تو فساد زدہ دور میں طبیعتوں میں پیدا شدہ فساد کی وجہ سے اجتہاد کے نام پر آزادی اور گمراہی کے خطرات زیادہ درپیش ہوتے ہیں، جس سے دین وشریعت کی شکل ہی بگڑ جانے کا خطرہ درپیش ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ اجتہاد کے لئے علمی تبحر، قرآن وسنت پر گہری نظر، تقویٰ، دینداری، سلف سے نسبت ومحبت کا تعلق اور سلف کی تحقیقات پر گہری نگاہ اور حکمت وبصیرت جیسے جو اوصاف ہونے چاہئے، ظاہر ہے، اس کا غیرمعمولی فقدان ہے، سوم یہ کہ نئے دور کے مسائل میں اجتہاد وتحقیق کا حق انہی علماء ہی کو دیا جا سکتا ہے، جنہوں نے قرآن وسنت پر غور وفکر اور فقہ کے وسیع قیمتی ذخیرہ کے مطالعہ اور دینی علوم پڑھنے پڑھانے اور تقویٰ اور خالص دینداری کے ماحول میں زندگی کا بیشتر وقت صرف کیا ہو، دوسری صورت میں نئے مسائل میں اجتہاد کی حیثیت خارجیوں کے اس دعویٰ کی سی ہوجاتی ہے، جو انہوں نے إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ کی نعرہ آڑ میں حضرت علیؓ کی خلافت سے بغاوت کے وقت اختیار کیا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ ان کا قول تو صحیح ہے، لیکن نیت میں فساد میں موجود ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایک ڈیڑھ صدی سے امت میں جدیدیت کے نام پر فسادعظیم برپا ہے۔ قرآن وسنت کی نئی نئی تشریح کے نام پر نئے نئے گروہ وجود میں آتے جارہے ہیں اور ہر گروہ کی قرآن وسنت کی تشریح دوسرے گروہ سے مختلف ہے اور وہ ایک دوسرے سے صف آراہیں۔

ان ساری دشواریوں کے باوجود بہرحال جدید مسائل میں اجتہاد وقت کی اہم

ضرورت ہے، جس سے صرف نظرنہیں کیا جا سکتا اور مسائل میں ائمہ مجتہدین کی رہنمائی کو حرف آخر قرارنہیں دیا جا سکتا۔ لیکن اس رجحان کی حوصلہ شکنی بھی ضروری ہے کہ قرآن وسنت کے طے شدہ اور مسلمہ مسائل جس پر امت متفق رہی ہے، انہیں چھیڑ کر ازسرنو تحقیق اجتہاد کا علم تھامنا، یہ امت میں فساد پیدا کرنے کا موجب ہے)۔

مولانا سید سلیمان ندوی کی نصیحت

’’گو قدیم جواہر کی بقا کے ساتھ جدید نقش ونگار سے پرہیز نہیں، لیکن اگر یہ جدید نقش ونگار اصل قدیم جوہر کو فنا کردے تو اس نقش ونگار سے بے نقش رہنا ہی اچھاہے، یہی اپنی وصیت ہے اور یہی زندگی کی آخری فرمائش کہ سلف کی راہ سے سرموتجاوز نہ ہو۔ (صدق جدید، ۳جون)

قرآن مجید کی آفاقیت اس کی نئی نئی تعبیر کی متقاضی ہے

’’حقیقت یہ ہے کہ آیات احکام وایمانیات کو چھوڑ کر باقی پچاسوں سینکڑوں آیتیں قرآن مجید کی ایسی ہیں، جن میں کسی واقعہ کائناتی، طبعی تاریخی وغیرہ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جن کی تفسیر ہر زمانہ اور ہر دور میں علوم حاضر اور مسلمات وقت کے روشنی میں نئی کرنا ہی پڑے گی اور جو کتاب ہر دور، ہر زمانہ اور ہر ملک کے لئے نازل ہوئی ہے، اس کی تفسیر کو صدیوں قبل کے رجال واکابر کی فہم وعلم کا پابند اور اس سے محدود کردینا، قرآن مجید کی آفاقیت اور ہمہ گیریت پر ظلم کرنا ہے۔ بس احتیاط صرف اتنی رکھنی پڑے گی کہ یہ نئی تفسیر وتعبیر لغت یا کسی دوسری نص کے مخالف نہ پڑے، بڑے بڑے محتاط متقی حضرات کے ذہن کو اس بنیادی حقیقت کی طرف سے ذہول ہوجاتا ہے۔ (۱۸ اگست ۱۹۶۷ء)

(یہ بات بجا ہے، لیکن یہ بات بھی المیہ سے کم نہیں کہ دور جدید کی مناسبت کے نام سے جو بھی تفسیری کام ہوا ہے، وہ بیشتر ایسا کام ہے، جس سے امت میں نئی جماعتیں اور مکتبائے فکر وجود میں آئے ہیں اور آتے چلے جارہے ہیں، جو سلف کی

قرآنی تشریح کو مشکوک سمجھتے ہیں۔ مرتب)

قرآن مجید کو فرنگی رخ دینا

کتاب پر صاف چھاپ موجودہ فرنگی متمدن کی لگی ہوئی ہے۔ کوشش واخلاص وحسن نیت کے ساتھ اسلام کو وہ شکل دینی کی ہے اور اس کے لئے انہیں رخوں کو نمایاں کرنے کی ہے، جن سے وہ مغربی معیار کے قریب سے قریب آ جائے اور ''عقل فرنگ'' کو زیادہ سے زیادہ قابل قبول نظر آنے لگے، قرآن مجید کو قرون وسطی کے رنگ میں رنگ دینے کی کوشش اگر غیرمحمود تھی تو اسے بیسویں صدی میں عیسوی کے تخیلات وتصورات کے ماتحت کرکے قرآن کا ماڈرن ایڈیشن پیش کرنا بھی دین کی کوئی صحیح خدمت نہیں۔ (صدق ۱۵ مئی ۱۹۵۹، مولانا عبدالماجد دریابادی)

تفسیر قرآن کے سلسلہ میں حقیقت دونوں انتہاؤں کے درمیان ہے۔ لغت عربی سے انحراف تو بے شک جائز نہیں، لیکن خود لغت اور محاورہ کے اندر بڑی لچک موجود ہے اور جب سوالات نئے نئے پیدا ہوں گے تو لغت ومحارہ کی اس وسعت سے فائدہ اٹھانا جائز ہوجائے گا۔

ہر دور کے مخاطبین اپنا ایک مخصوص دماغی وذہنی سانچہ رکھتے ہیں۔ تفہیم وتعبیر مطالب میں اس سے بالکل قطع نظر کیونکر کی جا سکتی ہے، البتہ یہ احتیاط لازم ہے کہ کوئی بھی تعبیر، حدود لغت سے باہر اور کسی نص سے معارض نہ ہونے پائے۔

امام ابن جریر، طبری اور امام رازی دونوں اپنی اپنی جگہ انشاء اللہ اجر پائیں گے۔ (صدق، ۳ نومبر ۱۹۶۱ء، مولانا عبدالماجد دریابادی)

کلی نگاہ کے بغیر اجتہاد کا بے معنی ہونا

(مولانا تقی امینی)

مسائل کا ایک دوسرے سے ربط اس طرح ہے کہ کسی ایک جزو کی افادیت پورے نظام سے الگ کرکے نہیں قائم رکھی جا سکتی ہے۔ پھر بعض احکام وقوانین مقصد کے درجہ میں ہیں اور بعض وسائل وذرائع کے درجہ میں اور دونوں کی حیثیتوں میں

فرق ہے۔ جب تک ہمہ جہتی نگاہ نہ ہو اور کلی حکمت وعمومی اصول کے ماتحت مسائل کا مطالعہ نہ کیا جائے محض ایک جزو پر ''ضابطہ'' کی بحث وتمحیص سے خاطر خواہ نتیجہ کی توقع نہیں ہے۔

ہدایت الٰہی بتدریج زندگی اور مسائل میں اعتدال پیدا کرنا چاہتی ہے، اس کیلئے مختلف مراحل سے گذرنا اور موقع ومحل کی مناسبت سے مختلف تدبیریں اختیار کرنا ناگزیر ہے۔ مسائل کے سمجھنے میں ان مراحل وتدابیر سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ اصل ساخت، بگڑ جائیگی۔

مذہب کی غلط نمائندگی

اور انسان کے کل پرزوں کے ڈھیلے ہوجانے کی کمزوریاں

یہ صحیح ہے کہ مذہب کے نام پر عمومی حیثیت سے اس کی جس طرح نمائندگی ہورہی ہے، وہ واقعی اس قابل نہیں کہ انسان کے اندر افادیت وصلاحیت کے ''جوہر'' نمایاں کرکے عزم، شجاعت وغیرہ زندگی کے ''عناصر'' پیدا کرے اور کسی خوش آئند حال ومستقبل کی نشاندہی کرے'' اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ موجودہ ''سیاست'' نے انسان کے کل پرزے اس قدر ڈھیلے کردیے ہیں کہ وہ حد سے زیادہ خودغرض اور ناعاقبت اندیش بن گیا ہے۔ اس کے اندر انتہائی سطحیت اور خودفریبی آ گئی ہے، جس کی بنا پر مذہب کی گہرائی وعالی حوصلگی کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ لیکن یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ ''ضرورت ایجاد کی ماں'' ہے، زندگی کے بہت سے مسائل حل کرنے کیلئے موجودہ دور کی خوردبینی کی نگاہیں بیکار ثابت ہورہی ہیں۔ ان کے حل کیلئے ایمان ووجدان کی حقیقت بینی والی نگاہوں کے بغیر چارہ نہیں رہ گیا ہے، جن کی سچی نمائندگی سچی مذہب ہی کرسکتا ہے۔

نئے دور میں اجتہادی صلاحیتوں کو بروکار لانا

معلومات وانکشافات کے نئے وسائل وذرائع نے انسان کے ذہن ومزاج

میں بڑی حد تک تبدیلی کردی ہے۔ اب وہ ہر چیز کو تجربہ وکسوٹی پر کسنے اور افادیت وصلاحیت کے پیانہ سے ناپنے لگا ہے۔ ایسی حالت میں یہ توقع رکھنا فضول ہے کہ جب وہ مذہب کی طرف مائل ہوگا تو ہر مذہب یا اس کی ہر بات کو بغیر سوچے سمجھے قبول کریگا۔ اورنکراء کی صورت میں علم وتحقیق کے مسلمہ ذخیرہ کو نذر آتش کریگا۔ بلکہ اس کی نظر میں وہی مذہب قابل قبول بن سکیگا، جوعلم وحکمت کا علمبردار اور افادیت وصلاحیت کے پیانہ پر ٹھیک اترتا ہو اور وہی بات قابل وقعت بن سکیگی، جوعقل وتجربے کی کسوٹی پر کسے جانے کے لائق ہو۔

کچھ عالمی سطح کے فلاسفروں کے

حوالہ جات

(یہاں کچھ حوالے عالمی سطح کے مذہبی فلاسفروں کے دیئے جاتے ہیں، حدیث شریف ہے کہ حکمت کی بات مومن کی میراث ہے، اسے یہ میراث جہاں سے بھی ملے، اسے حاصل کرنا چاہیئے۔

زیرنظر فلاسفروں نے ہماری ہی باتوں کو فلسفیانہ رنگ میں پیش کیا ہے، چونکہ جدید دور کا تعلیم یافتہ نوجوان عالمی سطح کے فرد کی حیثیت اختیار کرگیا ہے، جہاں انٹرنیٹ پر دنیا بھر کے سارے علوم اس کے سامنے ہیں۔ اس لئے درج اقتباسات ایسے افراد کے لئے مفید ثابت ہوں گے۔ مرتب)

کچھ عیسائی اہل تصوف کے بارے میں

(ولیم جیمز کا تجزیہ)

صالحانہ زندگی انسانی قوتوں کے متوازن عمل سے پیدا ہوتی ہے، شدید محبت کے ساتھ شدید قوت ارادی بھی ہونی چاہیئے۔ ورنہ انسان، محض جذبے کی رو میں بہہ جائیگا اورمحض تاثر میں فرق ہوجائیگا۔ اسی طرح شدید علمی قوتوں کے ساتھ ساتھ عقل کی معاملہ فہمی بھی لازم ہے۔ اورعقل کے ساتھ گہری انسانی ہمدردیاں نہ ہوں تو وہ

زندگی میں سلامت روی پیدا نہیں کرسکتی۔ غرضیکہ محبت، عقل، قوت ارادی، سب کو بیدار اور استوار رکھنا لازمی ہے۔ ہرقسم کی صلاح وفلاح اس تعاون وتوازن سے پیدا ہوسکتی ہے اور سیرت میں قوت وخوبی اسی توازن سے ظہور میں آئیگی۔

اکثر اولیاء میں روحانی قوتیں غیرمعمولی طور پر قوی ہوتی ہیں، لیکن اگر غور کیا جائے تو ان کی زندگیوں میں غلوکی وجہ سے یہ ہوتا ہے کہ مقابلۃ ان کی عقلی قوتیں کمزور ہوتی ہیں۔ زندگی میں اگر اور اغراض ومقاصد نہ ہوں یا عقل میں وسعت نہ ہو تو روحانی جوش وخروش امراضی یک رخی کیفیت اختیار کرلیتا ہے۔ ان کی زندگی میں جو امتیازی صفات نظر آتے ہیں۔ مثلاً خدا کی گہری محبت، نفسی پاکیزگی، ایثار، زہد وریاضت، انہی صفات میں اگر غلو پیدا ہو تو انسان بھٹک (غیرمتوازن) جاتا ہے۔ (نفسیات وارادات روحانی صفحہ۴۹۹۔ ۵۰۰ مجلس ترقی ادب ۔۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور)

''غالی پن جارحانہ اورتحکمانہ طبائع میں پیدا ہوتا ہے، لیکن اگرعقیدتمندی کے ساتھ طبیعت میں فطرتاً نرمی ہو، مگرعقل کمزور ہو تو خدا کا پرستار اس کی محبت میں ایسا غرق ہوجاتا ہے کہ انسانوں کیلیئے اس کے پاس کچھ نہیں رہتا۔ ایسی محبت معصوم معلوم ہوتی ہے۔ لیکن قابل ستائش نہیں۔ جن لوگوں کے نفس تنگ ہیں، ان میں فقط ایک ہی محبت سماسکتی ہے۔ کسی انسان یا مخلوق کیلیئے اس کیلیئے محبت نہیں رہتی۔ خدا کی محبت ایسی صورت میں صحتمند ہونے کی بجائے مرض کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ (نفسیات واردات روحانی، صفحہ۵۰۴)

بھٹکی ہوئی ولایت میں پاکیزگی کا بھی ایک مبالغہ آمیز تصور پایا جاتا ہے، ایسے ولی کے دل میں یہ بات جم جاتی ہے کہ خدا سے محبت خالص، اور پاکیزہ اسی حالت میں ہوسکتی ہے کہ اس میں کسی دوسرے کی محبت کی شرکت نہ ہو۔

ماں باپ، بہن بھائی، دوست احباب، ان میں سے کسی سے بھی اگر محبت کا تعلق ہو تو وہ خدا کی محبت میں مخل ہوجاتا ہے۔ اگر کوئی نفس حساس ہو، اس کے ساتھ اس میں تنگی بھی پائی جائے، جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو وہ کثرت وتنوع سے

پریشان ہوتا ہے اور سادہ وحدت میں آسائش محسوس کرتا ہے۔ مذہبی جذبہ کے ساتھ اگر تحکم اور اقتدار پسندی بھی ہو تو ایسی صورت میں جبر وتعدی سے وحدت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہر قسم کے اختلاف کو ناقابل برداشت اور خطرناک سمجھکر اس کا صفایا کیا جاتا ہے۔ اگر مذہبی پارسائی میں اقتدار پسندی نہ ہو تو ایک شخص تارک الدنیا ہوکر خلوت پسند ہوجاتا ہے، وہ دنیا کے گوناگوں اغراض ومقاصد اور دھندوں سے الگ ہوکر، اپنے لئے بے رنگی کی وحدت پیدا کرتا ہے۔ وہ اپنے خلوت کدہ میں ایک چھوٹی سی دنیا بنا کر مگن رہتا ہے۔ جہاں زندگی کی گوناگوں توکشاکش معدوم ہوتی ہے)۔ (صفحہ ۵۱۱)

''کسی ولی کی ایسی ولایت، جس میں عقل کی ایسی کمی ہو اور جہاں خدا یا مسیح کی محبت کسی کو دوسروں کی محبت اور ادائیگی فرائض کیلئے بیکار کردے، جدید تعلیم کے لوگوں کیلئے قابل ستائش کم معلوم ہوتی ہے قابل رحم زیادہ۔ (۵۳۲)

قوت ارادی کا ساری رذیلہ خواہشات پر قابو پالینا

(''فلسفہ مذہب'' کتاب سے کچھ حوالے)

مذہب کے متوازن مطالعے کے لئے تصوف کا مطالعہ بھی ضروری ہے، اس لئے کہ صوفیانہ وارداتیں، کشف، فنا اور بقا اور وصال کے تجربات اپنی جذباتی شدت اور کشف حقائق کے لحاظ سے کافی اہم ہیں۔ ان کا تعلق بعض ایسے امور سے ہے، جو ماہر نفسیات کے دائرہ تحقیق میں آتے ہیں اور ان کے صحیح صحیح باہمی رشتے کا پتہ لگانا بڑا مشکل کام ہے۔ صوفیانہ میں بعض ایسی کیفیات پائی جاتی ہے، جن کو وہ تنویم جنسی سراب خیالی اور ذہنی بیماری کا نام دیتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ ہر انسان کی زندگی میں کچھ تناؤ اور کشمکش پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے فطرت نے انسان کے جسم اور ذہن میں کچھ خاص قسم کے عوامل رکھ دیئے ہیں، جن کے مدد سے وہ زندگی میں اس کشمکش کے باوجود ایک قسم کا توازن پیدا کرلیتا ہے۔ (فلسفہ مذہب، صفحہ ۷ ایڈون اے برٹ، مترجم بشیر احمد ڈار)

''خودشعوری سے قوت ارادی پیدا ہوتی ہے۔ جو اپنے وجود کے لئے خودشعوری پر بہت زیادہ انحصار رکھتی ہے۔ اس کو علمائے الٰہیات شہوت معقولہ کا نام دیتے ہیں۔ کم معقول شہوت کا اظہار حسی منزل میں ہوتا ہے۔ جہاں انسان مادی اور حسی خواہشات کی تسکین چاہتا ہے لیکن خودشعوری کے سامنے خیر کی عمومی ماہیت کا ادراک ہے اور اس کے باعث اس میں اس خیر کے حصول کا بے پناہ جذبہ پیدا ہوتا ہے، یہی وہ جذبہ ہے، جسے قوت ارادی کہا جاتا ہے، جب وہ خودشعوری کی راہنمائی قبول کرلے۔ یہ قوت ارادی جائز طور پر ساری شہوات رذیلہ پر حاوی ہوتی ہے۔ (صفحہ ۱۳۴)

انسان کا خیر مطلق سے

کم کسی سے مطمئن نہ ہونا

''جہاں دوسرے حیوانات اپنی محدود فطرت کے باعث محدود اور انفرادی بھلائیوں سے مطمئن ہوجاتے ہیں، انسان جس کی خصوصی صفت ہی خودشعوری ہے۔ وہ خیر مطلق سے کم کسی شے سے مطمئن نہیں ہوتا۔ اس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ خیر کے محدود اور انفرادی مظاہرات سے کمال مطلق کا ادراک کر سکے۔ اور یہی مدرک نصب العین قوت ارادی کا حاصل ہے۔ ظاہر ہے خیر مطلق اپنے محدود مظاہر سے کہیں ماورئی ہے۔ وہ ان سے کہیں بالا ہے، جیسا کہ محدود لامحدود سے اور باقی فانی سے۔ یہ خودشعوری ہی ہے، جو ہمیں اس خیر مطلق کے نصب العین کی طرف کشاں کشاں لے جاتی ہے، ہمیں احساس ہے کہ ہم اس منزل تک پہنچ سکتے ہیں، اس لئے کسی کمتر خواہش پر مطمئن نہیں رہ سکتے۔ (ایضا صفحہ ۱۳۴)

ضمیر کے ذریعہ

قانون اخلاق کا شعور حاصل ہونا

''جہاں کہیں قوت ارادی موجود ہے، اس کے عمل کی صحیح علت قوت عقلیہ ہے۔ جو ماورائے حس خیر مطلقہ کی تلاش میں منہمک رہتی ہے۔ جب ہم ضمیر کے

مضمرات کا تجزیہ وتحلیل کرتے ہیں، تو کسی حد تک یہی حاصل ہوتا ہے، یہ ضمیر ہی ہے، جس کے باعث ہمیں قانون اخلاق کا شعور حاصل ہوتا ہے۔ جس کے احکام کو ہم اپنے لئے فرض قرار دیتے ہیں۔ وہ ہمیں ترغیب دیتا ہے کہ ہم عارضی اور وقتی خواہشات کی بجائے ابدی اصولوں کی پیروی کریں۔ (صفحہ۱۳۵)

عقل کا نفسانی خواہشات کی تاویلی صورت کا ہونا

جدید نفسیات کی اس دریافت میں کافی صداقت ہے کہ ہم عام طور پر جس چیز کو عقل کہتے ہیں، وہ حقیقت میں محض نفسانی خواہشات کی تاویلی صورتیں ہوتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم غلط عقل کی مدد سے اپنی ہر بُری حالت اور ہر غلط عمل کیلئے جواز پیدا کرلیتے ہیں۔ (فلسفہ مذہب، ایڈون اے برٹ، صفحہ۴۹۳)

دنیا میں برپا ہونے والے فساد میں تکبر کا کردار

(ماہر نفسیات ایڈون اے برٹ کا تجزیہ)

اپنے گناہ اور نقص سے چشم پوشی کرنا، کبر، غرور اور خودسری کی علامت ہے، جو گناہ کبیرہ ہے۔ جہاں یہ بیماری پیدا ہوئی، وہیں انسان اپنی کمزوریوں اور خودغرضی کے نقائص سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ اس طرح وہ روحانی ارتقا سے محروم رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کا اساسی گناہ یہی تکبر وغرور ہی ہے۔ نفسانیت، ظلم، ناانصافی اور بے رحمی جیسے گناہ شاید اتنے خوفناک نہیں۔ جہاں غرور موجود نہیں، وہاں اس قسم کے دوسرے نقائص رفع ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ انسان کو ان نقائص کا شعور ہوتا ہے، اس لئے وہ توبہ کرنے سے ان بُرائیوں سے بچ جاتا ہے۔ غرور کے باعث انسان اپنی بیماریوں کی اصلاح نہیں کرسکتا، اس لئے وہ ان کے پھندے میں گرفتار ہوکر، روحانی ترقی سے محروم ہوجاتا ہے، سب سے بڑھکر خطرہ اس وقت موجود ہوتا ہے، جب انسان اس غلط عمل اور خود فریبی کے جواز میں شاندار عقلی استدلال بھی پیش کرتا ہے۔ کتنے لوگ ہیں، جنہوں نے اپنی مفاد پرستی کو قومی مفاد کے مترادف

قرار نہ دیا ہو۔ کتنی قومیں ہیں، جنہوں نے دوسرے ملکوں پر غاصبانہ قبضہ کیلئے دنیا کے انسانوں کی فلاح وبہبود کو بطور عذر پیش نہیں کیا، مذہبی مفکرین کے نزدیک ان حالات کی صحیح تشریح اس وقت ہوسکتی ہے، جب انسان کے گناہگار ہونے کے تصور کو صحیح تسلیم کیا جائے۔ (صفحہ۴۹۴)

خیالی قوت ہی اصل انسانیت ہے

علمائے نفسیات کی تحقیق کی رو سے ہمارے ذہن کا بیشتر حصہ غیر تحت الشعوری ہوتا ہے۔ انسانی شخصیت کی مثال برف کے انبار کی سی ہے، جو سمندروں میں بہتا نظر آتا ہے، اس کا تھوڑا سا حصہ سطح سمندر کے اوپر ہے، باقی سب اس کے نیچے پوشیدہ ہوتا ہے۔ یہ حصہ، جسے شعوری یا تحت الشعوری نفس کہتے ہیں، اہمیت کے لحاظ سے نفس شعور سے کہیں زیادہ عظیم الشان ہے۔ یہ نفس خارجی اثرات سے متاثر ہوتا ہے، اور شعوری نفس کے احکام کو قبول کرتا ہے۔ ان میں قوت اور شدت پیدا کرتا ہے، جس قسم کے خیالات اور تصورات، شعوری نفس سے حاصل کرتا ہے، اسی کے مطابق انسان کے جسم وجاں کی تعمیر کرتا ہے، اسی لئے نفسانی تحقیق کے مطابق یہ ضروری ہے کہ انسان ہمیشہ افکار پر اپنی توجہ کو مرکوز رکھے اور سلبی تصورات اور باطل خطرات سے اپنے قلب کو محفوظ رکھے۔ عارف رومی نے فکر یا خیال کو ہی اصل انسانیت قرار دیا ہے اور تاکید کی ہے کہ خیالات کا خاص طور پر خیال رکھا جائے، انسان کی مسرت یا عدم مسرت کا تعین اسی سے ہوتا ہے، خیالات ہی وہ آلات ہیں، جن کے ذریعہ فرد اپنی جنت یا دروزخ کی تعمیر کرتا ہے۔ (مراقبات۔ ڈاکٹر میر ولی الدین)

عادت اور زندگی پر پڑنے والے

اس کے اثرات

عادت کی وجہ سے دماغ میں کام کرنے کے خاص رستے بن جاتے ہیں، اور

وہاں عام شکلیں اور صورتیں قائم ہوجاتی ہیں۔ ہم اگر اپنے جذبات کو بلاعمل کے ویسے ہی گذر جانے کا موقعہ دیں تو اندر میں بلاعمل کے جذبات کے ٹھنڈے ہوجانے کی عادت اورشکل پیدا ہوجاتی ہے۔ اگر چند بار بھی ایسا کیا گیا تو ایسی صورتحال پیدا ہوجاتی ہے کہ فرد کو اطلاع ہوئے بغیر اس کے اندر سے عمل کی قابلیت اور صلاحیت ختم ہوجاتی ہے۔

ایک عادت میں اتنی قوت ہے کہ وہ دس طبیعتوں یعنی طبعی قوتوں کے برابر ہے۔

جب تک نئی بہتر عادت مسلسل تکرار سے مضبوط ومستحکم نہ ہو، تب تک اس عمل اور عادت میں ایک بار بھی ناغہ نہ ہو۔ اس لئے کہ نئی عادت میں معمولی کوتاہی اور ایک بار کی سستی اتنی نقصان دہ ہے جتنا ڈھاگے کا وہ ریل، جو ہاتھ سے گرجائے تو فرد کو بہت سارا دھاگہ از سرنو لپٹنا پڑیگا۔

نیک کام کی محض آرزو رکھنا، عمل نہ کرنا، یہ نقصاندہ ہے، اس لئے کہ محض تمنا سے عمل کی مہلت ضایع ہوجاتی ہے، پھر عمل اور عملی زندگی کی بجائے باتوں اور ہوائی خیالات میں ہی لذت آنے لگتی ہے، فرد اس لذت کو چھوڑ کر، عمل اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ (امریکی ماہر نفسیات ولیم جیمز کی کتاب ''نفسیات'' سے اقتباس)

انسانی فعال کے محرکات
(ایک قدیم مذہب کے کتاب سے حوالے)

خاص غرض کے بغیر اخلاق کا نہ ہونا

انسان، بغیر ڈر یا لالچ کے یا کسی خاص غرض کے نہ کسی کے ساتھ خلق کے ساتھ پیش آتا ہے اور نہ ہی کسی کی آؤ بھگت کرتا ہے۔

محبت کا غرض کی خاطر ہونا

محبت کا وجود دنیا میں اس وقت تک پایا جاتا ہے، جب تک اس کا کوئی صلہ

ملے، گائے کا بچھڑا جب دیکھتا ہے کہ تھن میں دودھ نہ رہا تو وہ ماں سے جدا ہوجاتا ہے۔

پیــــڑ کا پھل جب ہو چکتا ہے تو چڑیاں اسے چھوڑ دیتی ہیں، سوکھے تالاب سے بگلے اڑ جاتے ہیں، جلے جنگل کے ہرن چپت ہوجاتے ہیں، کنیاں، مفلس سے کوسوں دور بھاگتی ہیں، نوکر جاکر تباہ راجہ سے اور ہر شخص اپنے فائدہ کی تلاش سب سے مقدم سمجھتا ہے۔

تعلیم یافتہ فرد کا کروڑ جاہلوں سے بہتر ہونا

تعلیم یافتہ فرد میں سارے اوصاف پائے جاتے ہیں اور جاہل میں سب عیب ہی عیب ہوتے ہیں۔ پس ایک تعلیم یافتہ، کروڑ جاہلوں سے بہتر ہے۔

افراد میں طلب کے بغیر بولتے رہنا
جنگل میں رونے کے مترادف ہے

عاقل سے جب سوال کیا جائے تو اسے بے دھڑک ہو کر بولنا چاہئے، جب کوئی نہ پوچھے تو بولنا ایسا ہے، جیسے جنگل میں رونا۔

مال کو دیکھ کر جوگی کے دل میں
بھی ہلچل کا برپا ہونا

عاقل کو چاہئے کہ اپنا مال کسی کو نہ دکھائے، چاہے وہ مقدار میں کتنا ہی کم ہو، کیونکہ مال کو دیکھکر جوگی کے دل میں بھی ہلچل برپا ہوجاتی ہے۔
جس دشمن نے پہلے لڑ چکا ہے، وہ اگر دوست بھی ہوجائے تو اس پر اعتماد نہ کیا جائے۔

بداطواری کے خراب ثمرات

انسان کی بد اطواری (وبداخلاقی) ایک ایسا درخت ہے، جس کے پھل بیماری،

رنج والم، سوختہ دلی اور مصیبت ہوا کرتے ہیں۔

بدنفس آدمی کے منصوبوں کا پورا نہ ہونا

سانپ اور بدنفس آدمی دوسروں کا مال چراتے ہیں،ان کی بندشیں اور منصوبے پورے نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کا وجود اب تک قائم ہے۔

محبت کے اثرات پر قیمتی بحث

اس دنیا میں کوئی شخص اس سے زیادہ خوش بخت نہیں ہے، جس کا کوئی ایسا دوست ہو، جس سے وہ باتیں کرسکے، جس کے ساتھ وہ رہ سکے۔

بداطواروں کے ساتھ اختلاط ایسی غلطی ہے، جس سے نیک آدمی بھی بدل جاتا ہے، اس وجہ سے اشراف آدمی کم ظرف سے تعلق نہیں رکھتا، اپنے سے ادنیٰ کی صحبت سے آدمی کم عقل ہوجاتا ہے،ہم پلہ کی صحبت سے اس کے برابر رہتا ہے، اپنے سے اعلیٰ کی محبت انسان کو اعلیٰ درجہ پر پہنچاتی ہے۔

گھوڑا، کتاب، ہتھیار، مرد، عورت ان سب کا بگڑنا یا بننا اس پر منحصر ہے کہ ان کو کیسے آدمی سے سابقہ پڑتا ہے۔ (بحوالہ ''تمدن ہند'' موسیولیبان)

امت کی ایک مہلک بیماری

(مولانا محمد الیاس رحمتہ اللہ کا تجزیہ)

امت کی مہلک بیماریوں میں سے ایک بڑی بیماری وہ اختلاف ہے، جو خوامخواہ غلط فہمیوں، بدگمانیوں اور ایک دوسرے سے دور رہنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ خیال کے تھوڑے سے اختلافات اور عرصہ سے ایک دوسرے سے دور رہنے سے اہلسنت کی مختلف جماعتوں میں ایک دوسرے سے وحشت پیدا ہوگئی ہے۔ ہر جماعت اپنے دین کی حفاظت اس میں سمجھتی ہے کہ دوسرے کے سایے سے بھاگے،ایک کو دوسرے کے محاسن کی بالکل خبر نہیں۔ ایک دوسرے سے نفع اٹھانے کے راستے مسدود ہوگئے ہیں، ان اختلافات کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اخلاق واکرام سے ان کی گرہیں کھولی

جائیں اور دل کی سلوٹیں اور شکن دور کئے جائیں۔ تعلق پیدا کیا جائے۔ ایک دوسرے کو قریب سے دیکھنے سے غلط فہمیاں خودبخود رفع ہوجائیگی۔

مسلمانوں میں جب تک دوسرے مسلمانوں کیلئے تذلل یعنی ان کے مقابلہ میں نیچا ہونے اور ان کے سامنے ذلیل ہونے کی خصلت پیدا نہ ہوگی،اللہ کی رحمت ومدد ہرگز نہیں آئیگی۔''

داعی کے لئے کچھ نصیحتیں

(مولانا سعید احمد خان)

ایک بڑے اصول کی بات یہ ہے کہ کسی کی غلطی اور بے اصولی پر غصہ نہ ہونا، ورنہ اپنے اندر فساد آجائیگا۔ ہاں، غمگین ہونا اور غمزدہ ہوکر اس کے لئے دعائیں کرنا، اس سے اپنی اصلاح ہوگی۔ غصہ ہونے کا مقام ہر ایک کا نہیں، یہ مقام یا تو استاد کا ہے، طالب علم کے اوپر، یا بادشاہ کا ہے، رعیت پر یا ماں باپ کا ہے، اولاد پر یا خاوند کا ہے، بیوی کے اوپر، اس کے علاوہ اگر کوئی غصہ کرے گا تو شیطان ایسے شر کو لائے گا کہ غصہ کرنے والے کے اندر عیوب پیدا کردے گا اور اس کو اپنی اصلاح کی فکر نہیں رہے گی، جب کہ دوسروں کی اصلاح کے پیچھے پڑا رہے گا اور اپنی اصلاح ہونا مشکل ہے۔

''اگر اپنے سے کوئی غلطی اور بے اصولی سرزد ہوتو وہ سوچنے سے سمجھ میں نہیں آسکتی، بلکہ اس کیلئے اپنا مراقبہ ضروری ہے، تاکہ اپنی اصلاح ہوتی چلی جائے، بیان کے بعد بھی ہر ایک اپنا مراقبہ کرے کہ میں نے اصولوں سے بیان کیا، کوئی بے اصولی تو نہیں ہوئی۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ امت کے تمام انفرادی واجتماعی اور سیاسی مسائل کا حل اسی دعوت کے کام سمجھتے تھے، دوسری چیزوں اور کاموں میں تھوڑا سا جزوی نفع نظر آتا ہے۔ اور مجاہدہ زیادہ ہوتا ہے۔

اہل علم واہل ذکر سے محبت کرنا،خواہ وہ تبلیغ میں لگیں یا نہ لگیں، خواہ وہ

موافقت کریں یا مخالفت کریں اور ان کے ساتھ تواضع سے پیش آنا اور ان کی خدمت میں دعا کیلئے حاضر رہنا، کبھی تبلیغ کا علم سے یا ذکر سے مقابلہ نہ ڈالنا، بلکہ تینوں کوضروری سمجھنا۔ (ماہانہ الفاروق ۱۴۱۹ھ،)

داعی، ماحول سے متاثر نہیں ہونا

(حضرت مولانا ابرار الحق صاحب)

فرمایا، دعوت میں نکیر تو کرے، تحقیر نہ کرے، تحقیر حرام ہے، اس سے عناد اور نفرت پیدا ہوتی ہے۔

فرمایا: اسلام کا کام شفقت سے ہوا ہے، اس سے تعلق اور توجہ ہوتی ہے، اگر کسی میں شفقت کی کمی ہوتو اسے إِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَشَاءُ۔

(آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کرتا ہے۔) عادۃ یہی ہے کہ داعی الی اللہ ماحول سے متاثر نہیں ہوتا۔ ہم کوحکم دیا گیا ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا، إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُم کا حکم ہمیں تقویت دے رہا ہے۔

دین کی دعوت کا کام کرنے والے کو حضور ﷺ نے دعا کی ہے اللہ تعالیٰ خوش خرم رکھے، اس آدمی کو جو میری بات سنے، دین کی بات سن کر، اسے محفوظ کرے اور پھر اسے دوسروں کو بتائے، اللہ تعالیٰ اسے سرسبز وشاداب رکھے۔

تعلیم وتربیت اور تزکیہ میں لگنا، یہ سب دین کے کام ہیں۔ جو شخص جس شعبہ میں مصروف ہو، وہ دوسرے شعبہ والوں سے حسن ظن رکھے اور حتی الوسع تعاون کرے، فرد، خود جس دینی کام میں مصروف ہو، اس کی بڑائی دوسرے دینی کاموں پر ظاہر نہ کرے، اس سے مخالفت بڑھتی ہے۔ تعارف کا کام لیا جائے، تفاضل سے تقابل پیدا ہوتا ہے، دوسرے شعبۂ دین میں مشغول ہونے والوں کی خدمات کو بھی سراہا جائے، اس سے دوسرے کو تعلق پیدا ہوتا ہے اور وہ بجائے فریق بننے کے رفیق بنتے ہیں۔ تبلیغ سے اعمال وجود میں آتے ہیں۔ لوگ دین کی طرف

متوجہ ہوتے ہے، لیکن اعمال کی قبولیت تزکیہ سے ہوتی ہے، اس لئے اس کی فکر کی جائے۔ (''سبیل الفلاح''صفحہ۱۰، مولانا ابرار الحق صاحب)

داعی کے ساتھ اللہ کی نصرت کا معاملہ

اللہ نے اپنے خادموں کی تمام ضروریات ومسائل کا ذمہ لیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حالات کو اس طرح ان کے موافق بنا دیگا کہ وہ بآسانی اپنی ضروریات پوری کرسکیں، وہ ایسے امکانات پیدا کریگا، جن کو استعمال کرکے، وہ اپنی کار برآری کر سکتے ہوں۔ وہ لوگوں کے دلوں میں ان کے بارے میں ایسے خیالات ڈالیگا کہ وہ ان کے کام آسکیں، وہ ان کے ذہن کو ایسی تدبیروں کی طرف لے جائیگا، جس کے بعد مسائل خودبخود حل ہوجائیں، وہ ایمان کی بدولت ذہنی اور نفسیاتی صلاحیتوں کو ایسی جلا دیگا کہ کم صلاحیت والے بہتر صلاحیت والوں سے زیادہ کام کرسکیں گے۔ مقابلہ کے وقت وہ ان کے دل کو مضبوط بنا دیگا۔ وہ کم تر وسائل سے زیادہ کام لے سکیں گے۔ اور معمولی سازوسامان کے باوجود اس سے زیادہ نتائج حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکیں گے۔

آج کا انسان سمجھتا ہے کہ اس کا کھیت، اس کا دکان اور ملازمت واحد ذریعے ہیں، جو کسی کو رزق دیتے ہیں۔ اس کو خدا کے عظیم سرچشمے کی سرے سے خبر ہی نہیں، اس کو معلوم ہی نہیں کہ یہاں ایک اور خزانہ بھی ہے، جو تمام معلوم خزانوں سے زیادہ بھرا ہوا ہے۔ اس لئے لوگ خدا کے خزانے کو چھوڑ کر، بس ادنیٰ خزانوں کے سامنے دامن پھیلائے کھڑے ہیں۔ وہ چھوٹے ذریعہ کو پاکر، خوش ہیں، حالانکہ وہ اس سے بڑا ذریعہ بھی پا سکتے تھے۔ ایک شخص کو حکومت کی طرف سے خط ملے کہ تم کو فلاں جنگی علاقہ میں فارسٹ آفیسر بنایا گیا ہے، تم وہاں جاکر اپنی ڈیوٹی سنبھالو تو اس کے ذہن میں فورا چند سوالات پیدا ہوسکتے ہیں، اس وقت وہ سرکاری ملازمتوں کے متعلق حکومت کے شائع شدہ قوائد وضوابط سے رجوع کرے تو وہ دیکھے گا کہ وہاں اس کے سارے سوالات کا پیشگی جواب لکھ دیا گیا ہے۔ گھر سے ڈیوٹی کے

مقام تک جانے کی صورت کیا ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ تم کو پوری مسافت کیلئے معقول سفرخرچ دیا جاتا ہے۔ میں وہاں جاکر کس جگہ رہونگا؟ اس کا جواب یہ ہوگا کہ وہاں تمہارے رہنے کیلئے سرکاری بنگلہ موجود ہے۔ جنگل میں اپنی حفاظت کیلئے کیا کروں گا، حفاظتی دستہ تمہارے لئے موجود ہوگا، گھر کے اخراجات کیلئے کیا ہوگا، تم کو ماہانہ تنخواہ کے طور پر ایک معقول رقم دی جائیگی۔ اسی طرح ملازم کو ہر سوال کا ایک اطمینان بخش جواب حکومت کی طرف سے موجود ہوگا۔

اسی طرح اللہ نے اپنے خادم کی تمام ضروریات کا انتظام کردیا ہے۔ آپ خدمت دین کا ارادہ کر لیجئے، اس کے بعد سوچئے کہ اس کام میں آپ کی کیا کیا ضرورتیں ہوسکتی ہیں۔ جتنی معقول ضرورتیں اور واقعی مسائل آپ کی سمجھ میں آئیں، ان سب کی ایک فہرست بنائیں۔ اس کے بعد خدا کی کتاب کھول کر، اس کو ابتدا سے پڑھنا شروع کیجئے۔ بالکل اسی طرح، جیسے ایک سرکاری ملازم اپنی ملازمت کے مسائل سے متعلق جاننے کیلئے حکومت کے قوائد وضوابط کا مطالعہ کرتا ہے۔

موجودہ دور میں داعی کے سامنے سب سے پہلا جو سوال آتا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ بڑا مشکل کام ہے۔ میں نہایت کمزور اور علم وعمل کے اعتبار سے تہی دست ہوں۔ زبان اور قلم کی صلاحیت میں بہت پیچھے ہوں۔ یہ مسئلہ ذہن میں رکھ کر جب ہم قرآن کے صفحات پر نظر ڈالتے ہیں تو بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک واقعہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ بنی اسرائیل کی ایک شخصیت کو اللہ تعالیٰ کوہ طور پر بلا کر پیغمبری عطا کرتا ہے اور اس کو یہ خدمت سونپتا ہے کہ وہ فرعون اور مصر کی قبطی قوم کے پاس جاکر اس کو اللہ کا پیغام پہنچائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام، محکوم قوم سے تعلق رکھتے تھے،ان کو ملک کی حکمران قوم کو خطاب کرنے کا کام سونپا جارہا تھا، اس تقرر کو سن کر وہ بے اختیار پکار اٹھے کہ خدایا، میں اپنے اندر اس کام کی ہمت نہیں پاتا اور میری زبان میرا ساتھ نہیں دیتی۔

قَالَ رَبِّ إِنِّىٓ أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ۝ وَيَضِيقُ صَدْرِى وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِى. (سورۃ الشعراء ۱۲.۱۳)

میرے رب مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیگے۔ میرا سینہ تنگ ہورہا ہے اور میری زبان نہیں چلتی۔

اللہ کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ تمہاری ضرورت کی سب چیزیں تم کو ہماری طرف سے دیدی گئی ہیں۔

قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ یہ مانگنے اور دیئے جانے کا واقعہ، جو قرآن میں نقل کیا گیا ہے، وہ بنی اسرائیل کی تاریخ کے ایک واقعہ کی شکل میں ہماری اسی قسم کی مانگ کا جواب ہے۔ امت محمدیہ کے افراد جو ختم نبوت کے بعد نبوت کے کام پر مامور کئے گئے ہیں اور جن کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ علما امتی کالانبیاء بنی اسرائیل میری امت کے اہل علم اپنی ذمہ داریوں کے لحاظ سے بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں، ایک پیشگی بشارت ہے۔

دوسری ضرورت، جس کا اس سلسلہ میں سوال پیدا ہوتا ہے،وہ معاش کا مسئلہ ہے، آدمی دین کی طرف جھکے تو اس کے ذاتی کاموں میں کمی آتی ہے اور ذاتی کاموں میں توجہ صرف کرنے لگے تو دین کا خانہ خالی رہ جاتا ہے، یہ دوسرا سوال ہے جو داعی کے سامنے پیش آتا ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب اللہ ہمیں ان آیتوں کے ذریعہ یقین دلاتی ہے۔

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً .

جو تقویٰ اختیار کرتا ہے ہم اسے (مشکلات سے) نکالنے کے رستے پیدا کرتے ہیں۔

وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُه.

اور اللہ اس کی ضرور مدد کریگا جو اس کی مدد کرے۔

وَكَانَ حَقّاً عَلَيْنَا.

اور ایمان والوں کی مدد کرنا ہم پر حق ہے۔

وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيراً

اور اللہ کافی ہے مدد کیلئے۔

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ.

اور ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی، جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔

اپنی لاعلمی کے احساس کا ہونا ہی اصل دانائی ہے

ایک بار سقراط کو القاء ہوا کہ تم دنیا میں سب سے زیادہ عقلمند ترین انسان ہو، اس پر وہ سوچنے لگا کہ وہ کیسے عقلمند ہو سکتا ہے، جب کہ اسے بہت ساری چیزوں کا علم ہی نہیں۔ بہت غور وخوض کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ چونکہ اسے اپنی لاعلمی اور کم علمی کا احساس ہے، اس لئے یہی اس کی دانائی ہے۔

کسی سے بُرائی کرنا اسے
بدتر حالت میں دھکیلنا ہے

کسی سے بُرائی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو موجودہ حالت سے بدتر حالت میں دھکیل دیا جائے۔ اسی طرح بھلائی کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی حالت کو بہتر بنائے جائے۔

افراد کا فکری ڈھانچہ

آدمی جن خاص حالات میں پیدا ہوتا ہے اور جن افکار سے مانوس ہوتا ہے ان کے حق میں اس کے اندر ایک طرح کی عصبیت پیدا ہوجاتی ہے، اس کے مطابق اس کا ایک فکری ڈھانچہ بن جاتا ہے، جس کے تحت وہ سوچتا ہے، یہی فکری ڈھانچہ صحیح بات کو قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔

دعوت کا کام

جو لوگ دعوت کے ساتھ اپنے وجود کو مکمل طور پر شامل کر دیتے ہیں، ان پر ہی اس راہ کے بھید کھلنے لگتے ہیں، جن کو حکمت کہا جاتا ہے۔ دعوت کا کام صرف وہ لوگ کرتے ہیں، جو اس کی خاطر اتنا یکسو وبے نفس ہوچکے ہوں کہ وہ مدعو سے کسی

قسم کی مادی توقع نہ رکھیں۔

پیر ایرانی صاحب کے بیان کردہ کچھ اہم نکات

دنیا سے دلی رغبت کے نتائج

پس جو کوئی دنیا سے رغبت رکھے گا، ضرور نجاست سے آلودہ ہوجائیگا۔ اور اس کو (دنیا کے) کتے کاٹینگے اور اس پر دانت نکال کر بھونکیں گے، پھر بڑی مصیبت جھیلنی پڑیگی۔ دنیا اس بوسیدہ ہڈی کی طرح ہے، جس پر بہت سے کتے چھینا جھپٹی کررہے ہوں۔

تنقید سے خودداری کو ٹھیس پہنچنا

گھڑی کی ٹک ٹک گذرے ہوئے لمحات کو یاد دلاتی ہے اور آئندہ لمحات کو کارآمد بنانے کا شوق پیدا کرتی ہے۔

جب کسی کو عمل پر تیار کرنا چاہو تو اس کی نکتہ چینی نہ کرو، تاکہ اس کی خودداری کو ٹھیس نہ لگے، تمہاری عیب جوئی سے وہ گھبرائیگا اور خوش دلی سے کام نہ کریگا، کیونکہ نفسیاتی طور پر ہر شخص اپنی کمزوری کے اظہار سے رنجیدہ ہوتا ہے۔

اہل دوزخ کے بارے میں
بعض اہل اللہ کی تمنا

بعض اہل اللہ تمنا کرتے ہیں کہ انہیں تمام گنہگاروں کے بدلے میں جہنم میں ڈال دیا جائے اور سب کو بخش دیا جائے۔ لیکن دوزخ ایسے باہمہ مقدس وپاکباز اشخاص کے وجود سے خدا کی پناہ مانگتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے وجود کی سلامتی سے اسے محفوظ رکھے۔

دوزخ کے سات دروازے اعمال کی مناسبت سے

جہنم کے سات دروازے: جہنم کے سات دروازے اس طرح مشاہدہ میں آئے ہیں۔ باب نفاق۔ باب شرک۔ باب کفر۔ باب کذب۔ باب بداخلاقی۔ باب ترک حقوق العباد۔ باب ترک حقوق اللہ۔

دنیا میں جنت اور دوزخ کی کھڑکیاں کھل جانے کا عمل

سالک کو اپنے اہل خانہ، افراد خاندان اور ہمسایوں کے ساتھ حسن اخلاق، حسن سلوک اور رواداری سے کام لیکر، اپنے مکانوں میں جنت کے دروازے کھول لینا چاہئے۔ جس گھر اور جس محلّہ میں کسی کا وقار محفوظ نہ ہو، نکتہ چینی وعیب جوئی کے ذریعہ شیطانی چنگاریاں ڈالی جائیں تو ان کی دنیا میں ہی دوزخ کی کھڑکیاں کھل جاتی ہیں۔

روح انسانی فیضان الٰہی کا نتیجہ

انسانی روح فیضان الٰہی کا نتیجہ ہے اور اس کا تعلق عالم ارواح سے ہے۔ جب روح کو کامل تجرد اور علحدگی کا موقعہ ملتا ہے اور وہ عالم ارواح کی جانب پرواز کرتی ہے تو اپنے ساتھ بیش بہا معارف اور معلومات لاتی ہے، قلب جس قدر پاک اور مصفا ہوگا، اسی قدر معارف عالیہ کے اکتساب کی اس میں زیادہ استعداد پیدا ہوگی۔ (پیر ایرانی شاہ صاحب)

سلف صالحین کی درسگاہوں کا بین الاقوامی سبق

(صوفی برکت علی لدھیانویؒ)

تکمیل عرفان: ہر شے کی خیر ہو یا شر، اللہ کی طرف سے حکمت پہ مبنی سمجھ کر خندہ پیشانی سے تسلیم کرنا عرفان کا ابتدائی مقام ہے۔ کھانے کیلئے معمولی کھانا، پہننے کیلئے معمولی لباس اور رہنے کیلئے معمولی گھر کے سوا ہر قسم کے آسائش واستراحت کے مال واسباب سے کلیتا منہ موڑ کر اپنے کام میں ہمہ تن ومن محودومنہمک رہنا، عرفان کا میانہ مقام ہے اور اپنے کام کے سوا کائنات کی ہر شے کو بھول جانا اور کسی بھی شے سے کوئی دلچسپی نہ رکھنا عرفان کا انتہائی مقام ہے۔

شکر نعمت: حسن عبادت، راست بازی، قلب سلیم اور خُلق مستقیم سے

انسانیت کا مقام بلند ہوتا ہے، محض عبادات کی بدولت نہیں۔ اور یہی اسباق سلف صالحین کی درسگاہوں کا بین الاقوامی، جامع نصاب ہوا کرتا تھا۔ جب تک کوئی فاضل مذکورہ اسباق سے فیضیاب ہوکر فارغ التحصیل نہیں ہوتا، مقبول الاسلام دیندار نہیں ہوتا اور نہ ہی دین کو اس سے مطلوبہ تقویت پہنچ سکتی ہے۔ گزرے ہوئے دور کا صوفی بے شک ان اسباق سے آراستہ وپیراستہ ہوکر دنیا کے میدان میں قدم رکھا کرتا تھا۔ جو بھی دین کے اکھاڑے میں اترتا، یہی خصلتیں اس کا زادِ راہ ہوتیں۔

(سلف صالحین کی درسگاہوں کے جس سبق کا ذکر کیا گیا، وہ ایسا سبق ہے، جس کے بغیر صوفی حقیقی معنوں میں صوفی نہیں بن سکتا۔ جب تک اس کے کردار میں پاکیزگی، حسن سیرت اور اللہ کی مخلوق سے محبت کے جوہر پیدا نہیں ہوتے، (جو قلب سلیم کی علامت ہیں) اس وقت تک اسے راہ سلوک میں مسلسل چلنا پڑتا ہے، جب وہ کثرت ذکر کے نور سے نفس کی گندگی سے نجات حاصل کرکے تزکیہ کی استعداد کا حامل ہوجاتا ہے، اس کے بعد ہی وہ انسانی جوہروں سے بہرہ ور ہوتا ہے اور صحیح معنوں میں دینی خدمت کے کاموں کے اہل ہوتا ہے۔

گذرے دور کا صوفی انہی اسباق سے آراستہ وپیراستہ ہوتا تھا، جب کہ اس دور میں یہ روایت غالب ہوتی جارہی ہے اور طالبوں کو کچھ مجاہدوں کے بعد ہی خلافت کی مسند عطا کردی جاتی ہے۔ اگر خلافت یافتہ فرد علمی، ذہنی، تنظیمی اور خطابت کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہے اور لوگوں کو اپنے گرد جمع کرنے کی استعداد کا حامل ہے تو وہ جلد ہی مالداروں کے گھیراؤ میں آنے لگتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ فقر کے اجزاء سے بے نیاز ہوکر، مالداری کی روش پر گامزن ہونے لگتا ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ سلف صالحین کی درسگاہوں کے جدید علمبرداروں نے راستہ بازی اور خلق مستقیم کی صفات مستحکم ہوئے بغیر خلافت کی مسند عطا فرمادی۔ ورنہ قلب سلیم کی دولت عطا ہونے کے بعد یہ تغیر

پیدا نہیں ہو پاتا، اس لئے کہ قلب سلیم اس کی رہنمائی کر کے، اسے ملعون دنیا اور مالداروں کے اثرات سے بچانے کا موجب بنتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سلف صالحین کی درسگاہوں سے خلافت کی مسند طویل عرصہ کے غیر معمولی مجاہدوں کے بعد عطا ہوتی تھی تاکہ صوفی کی زندگی انسانیت کے لئے ہر اعتبار سے ماڈل بن سکے۔ مرتب)

لاالہ کا مفہوم لا حاکمیۃ الا اللہ لینا

(مولانا محمد طاسین صاحب)

جدید دور کے بعض مفکروں نے لاالـــــہ کے کلمہ سے لاحاکمیۃ الی اللہ مراد لی ہے اور پھر پورے اسلام کی تشریح خدا کی حاکمیت کی بنیاد پر کی ہے، جس کی وجہ سے خدا کی حاکمیت کا قیام مقصود بن کر رہ گیا۔

دوسری بات جو سمجھنے کی ہے، وہ یہ ہے کہ خدا کی جلالی اور جمالی صفات دونوں کے سلسلہ میں انسانوں میں شروع سے افراط وتفریط موجود رہی ہے۔ اس سلسلہ میں اہل یہود پر خدا کی حاکمیت کا زیادہ غلبہ رہا ہے، جب کہ عیسائیت کا رجحان خدا کے جمالی پہلو پر زیادہ رہا ہے، اس لئے عیسائیت میں رہبانیت آ گئی اور گرجا گھروں کی پیشانی پر یہ تحریر کیا جاتا رہا ہے کہ ''محبت'' خدا ہے، لاالـہ الا الـلـہ (نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے)، اس کی صحیح معنیٰ تو یہی ہے، لیکن جدیدیت سے متاثر مفکروں نے اس کی معنیٰ ''نہیں کوئی حاکم، سوائے اللہ کے'' لی ہے، جس کی وجہ سے اللہ کی محبت ومعرفت کا رنگ غالب کئے بغیر اللہ کی حاکمیت کے غلبہ کے لئے جدوجہد کے لئے زیادہ تگ و دو ہو رہی ہے، یہ تگ دو اس لئے ناکامی سے دوچار ہوئی کہ اللہ کو معبود بنا کر، اس معبود کے سامنے نفس کو پامال کئے بغیر سیرت وکردار کی تعمیر اور تزکیہ نفس ممکن نہیں۔ اور تزکیہ نفس کے بغیر اللہ کی حاکمیت کی جدوجہد بے نتیجہ ہی رہتی ہے۔ (ممتاز عالم دین مولانا محمد طاسین صاحب، ۱۵ جنوری ۱۹۸۶ء، ملاقات کے وقت بیان کردہ نکات)

اسلامی سیاست کا نقشہ

''جدید اسلامی مفکروں نے اسلام کے سیاسی اور حکمرانی کے تصور کو دین کے نصیب العین کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

میری تحقیق یہ ہے کہ یہ نقشہ اور خاکہ انہوں نے برطانوی مفکر جے کے بلنچلی کی کتاب ''نظریہ سلطنت'' سے لیا ہے۔ یہ کتاب جو پونے چھ سو صفحات کے لگ بھگ ہے، جس کا اردو ترجمہ قاضی تلمذ حسین صاحب نے کیا ہے۔ یہ کتاب اردو میں پہلی بار ۱۹۲۸ء میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے، اس میں سلطنت کی فیصلہ کن اہمیت اور انسانی زندگی پر اس کے غیر معمولی اثرات اور سلطنت کے حوالے سے پیش ہونے والے نظریات وتصورات اور دور جدید میں سلطنت کے خاکے اور مذاہب کا سلطنت سے تعلق و نوعیت جیسے موضوعات پر جامع بحث کی گئی ہے۔ جدید اسلامی مفکروں نے اسلامی سیاست کا جو نقشہ پیش کیا ہے، وہ اس کتاب سے متاثر ہوکر پیش کیا ہے، ورنہ اس سے پہلے امت میں اسلامی سیاست کی وہ جامع تصویر سرے سے پیش ہی نہیں ہوئی، جو اس دور میں پیش ہوئی ہے، اگرچہ قرآن میں حکومت واقتدار کو اسلام کے تابع کرنے اور ریاست کی اسلامی بنیادوں پر تشکیل پر بھی زور دیا گیا ہے، لیکن اس کام کی حیثیت ایک فریضہ کی سی ہے، یہ دین کا نصب العین کام نہیں ہے، کہ اس کی ساری تعلیمات کا مرکز ومحور یہ نصب العین ہو۔ اس کام کو دین کی ساری تعلیمات کا محور قرار دینے کی وجہ سے تعمیر سیرت کا کام بُری طرح متاثر ہوا ہے۔ تعمیر سیرت کے بغیر معاشرہ کی اسلامی خطوط پر تشکیل اور منکر کے خلاف باطن میں مدافعانہ قوت کی تیاری کا کام ممکن نہیں۔ (مولانا محمد طاسین صاحبؒ)

انسانی شخصیت کے بارے میں
تصوف وجدید نفسیات کا تجزیہ

(عبدالکریم عابد)

صوفیا شعور کی بجائے آدمی کے تحت الشعور اور لاشعور کو متاثر کرتے ہیں اور

اس میں تبدیلی پیدا کرتے ہیں، جب کہ عام مذہب صرف شعور اور عقل سے اپیل کرتا ہے۔ تصوف میں لاشعور میں تبدیلی لانے کے لئے مختلف مشقیں اور پریکٹس کرائی جاتی ہیں، جن کو سلوک کہا جاتا ہے۔ دوسرا محرک جنس کا ہے، جن کو نفسیات اہمیت دیتی ہے۔ یعنی لاشعور کے بعد جنسی جذبے کی اہمیت نفسیات تسلیم کرتی ہے۔ یہ جذبہ اپنی تسکین کے لئے مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ صوفیہ بھی اس کو مانتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ عشق مجازی نہ ہوتو عشقِ حقیقی تک نہیں پہنچا جا سکتا، اس کو یوں سمجھے کہ عشق یا جنس آدمی کی طبیعت کو بے چین کردیتی ہے، اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے انسان ادب، آرٹ، شاعری اور مذہب میں پناہ تلاش کرتا ہے۔ اس طرح ان چیزوں کا ارتقا عمل میں آتا ہے۔ اگر انسان داخلی اور نفسیاتی طور پر مطمئن ہو تو اسے نہ تو شعر کہنے کی ضرورت ہو اور نہ ہی مذہب کی۔ یہ انسان کی داخلی بے چینی ہی ہے، جس کی وجہ سے مذکورہ چیزوں کی تلاش رہتی ہے اور ان سے بے چینی رفع ہوتی ہے، جب کہ مادی چیزوں سے یہ بے چینی دور نہیں ہوتی۔

صوفیہ مزید کہتے ہیں کہ انسان کے نفس کے اندر مختلف طبقات ہیں اور علم طبقات النفس ہی کا دوسرا نام ''ماڈرن سایکالوجی'' ہے۔ اس سایکالوجی کی رو سے انسانی ذہن کی مختلف پرتیں ہیں۔ صوفیاء بھی کہتے ہیں کہ انسان، نفسِ امارہ اور نفسِ لوامہ سے عبارت ہے اور نفسِ مطمئنہ کی تلاش میں ہے۔ نفسِ امارہ وہ لاشعور ہے، جس میں بُرائی موجود ہے، جو بُرائی پر اکساتا رہتا ہے۔ نفسِ لوامہ وہ نفس ہے، جو انسان کو اس کی بری خواہشات یا حرکتوں پر لعنت ملامت کرتا رہتا ہے اور روک ٹوک کرتا رہتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر یہ انسان کا ضمیر ہے۔ ان دونوں کی کشمکش چلتی رہتی ہے۔ ایک انسان کا شیطانی وجود ہے۔ دوسرا رحمانی اور ملکوتی وجود ہے۔ اس کشمکش میں روحانی اور ملکوتی وجود کو غالب کرنا، اس کے بغیر ممکن نہیں کہ انسان مخصوص قسم کی نفسیاتی مشقیں اور ریاضتیں کرے۔

جدید نفسیات کی رو سے انسان کی تمام حسیں ایک ہی حس لامسہ (چھونے کی

حس) سے پیدا ہوئی ہے۔ ایک چیز جب آنکھ کے پردوں سے چھوتی ہے تو بصارت کی حس وجود میں آتی ہے، کان کے پردوں سے چھوتی ہے تو سماعت پیدا کرتی ہے، زبان سے چھوتی ہے تو ذائقہ کو پیدا کرتی ہے، اگر ایک حس ارتقاء کرکے پانچ حسیں پیدا کرسکتی ہے تو دس پندرہ حسیں بھی پیدا ہوسکتی ہیں۔ جس طرح انسان کے اندر ظاہری حسیں ہیں، اسی طرح باطنی حسیں بھی ہیں، ان کا بھی ارتقاء ہوسکتا ہے۔ مثلا یہ کہ میں اپنے ذہن کی قوت سے آپ کے ذہن وقلب کی تسخیر کرلوں، ایک بات جو میرے ذہن میں ہے، وہ آپ کے ذہن میں ڈالدوں، یا ہپناٹائز کرکے اپنے پسند کا کام آپ سے کرالوں۔ اس قسم کی باطنی حسیں پیدا کرنے کے لئے نفسیاتی اور روحانی مشقیں کرائی جاتی ہیں۔ مرشد کا اثر اپنے مریدوں پر وہی ہوتا ہے، جو ہپناٹزم کا ہوتا ہے اور مرشد اس قوتِ باطنی سے مریض میں نئی قسم کی عادات پیدا کرسکتا ہے اور پرانی عادات چھڑا سکتا ہے۔ ان باطنی قوتوں یا حسوں کو مشقوں کے ذریعہ بیدار کرلینے کے بعد غلط مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور صحیح مقاصد کے لئے بھی۔ صحیح مقاصد یہ ہیں کہ آدمی کو اس کی سفلی اور شیطانی خواہشات پر قابو پانے کی طاقت دے اور اس کے روحانی، نورانی اور ملکوتی وجود کو سفلی وجود پر غالب کردے۔

صوفیاء اس بات کے قائل ہیں کہ اگر ہم اپنی ذہنی قوت کو ترقی دیدیں تو ہم ان شخصیتوں کو خواب یا بیداری میں مجسم دیکھ سکتے ہیں، جو انتقال کر چکی ہیں، ہماری ذہنی قوت کی وجہ سے وہ مجسم ہوکر نہ صرف ہمارے سامنے آتی ہیں، بلکہ ہماری رہنمائی بھی کرتی ہیں۔ اس میں فنا فی الشیخ کا مقام وہ ہے، جہاں شیخ کی شخصیت سے مستقل رابطہ رہتا ہے۔ فنا فی الرسول کا مقام وہ ہے، جس میں ایک مسلمان کا ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے تعلق قائم ہوجاتا ہے۔''

مولوی سے خوف زدگی کی فضا کا ہونا

معاشرہ میں ایک طرف مولوی کا احترام پایا جاتا ہے تو دوسری طرف اس سے خوف بھی لاحق ہے کہ یہ زندگی کو آسان بنانے کی بجائے مشکل بنا دیگا۔ اتحاد کی

بجائے تفرقہ پیدا کریگا، آگے لے جانے کے بجائے پیچھے لے جائیگا، اس خوف کو دور کرنے کی طرف مولویوں نے توجہ نہیں دی۔ بلکہ اپنے رویہ سے اس خوف کو اور بڑھایا، اس کی وجہ سے ہر اہم موڑ پر مسلم عوام نے مولوی کی قیادت کو مسترد کیا۔ اور جدید طبقہ کو اس کی تمام خرابیوں کے باوجود اپنا قائد بنا لیا۔ برصغیر میں سرسید کی تحریک کی کامیابی، پھر قائداعظم کی کامیابی اور ذوالفقار علی بھٹو کی کامیابی اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ مسلمان، مولوی کو سیاسی قائد اس طور پر نہیں بنانا چاہتے کہ وہ تخت اقتدار پر بیٹھ کر حکومت کرے، مسلم عوام کے خیال میں اقتدار کیلئے مغربی تعلیم یافتہ طبقہ ہی موزون ہے، کیونکہ مولوی میں اخلاصِ فکر وعمل کے باوجود ایک طرح کی جمود پسندی، تنگ نظری، اور فرقہ واریت کا ماحول پایا جاتا ہے، جو باقی تمام چیزوں پر غالب آجاتا ہے۔

جب جماعت اسلامی کی تحریک اٹھی تو مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کے ایک گروہ نے خیال کیا کہ یہ مولوی سے مختلف چیز ہے۔ اور اسے ہم قبول کر سکتے ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ چلنے کے بعد عوام کے سامنے جماعت اسلامی قدیم مولیانہ رنگ پر آئی، اس بنا پر اس تحریک سے بھی لوگ اسی طرح دور رہے، جس طرح مولویوں کی دوسری تحریکوں سے دور رہے، جماعت اسلامی مولویوں سے اپنا الگ تشخص ظاہر نہ کر سکی۔

(واضح ہو کہ عبدالکریم عابد صاحب پاکستان کے دانشور صحافیوں میں صف اول کی شخصیت تھے۔ ان کا جماعت اسلامی سے ہی فکری تعلق قائم تھا، لیکن وہ ذہنی طور پر جماعتوں وتحریکوں سے بہت بلند ہوگئے تھے، ان کی شخصیت میں درویشی کے اجزاء بہت گہرے تھے۔ مرتب)

انسان کے مخصوص اخلاقی وروحانی شعور کا مرکز دل کا ہونا

(صوفی نذیر احمد)

تمام الہامی کتابیں لفظا ومعنا اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کے مخصوص اخلاقی وروحانی شعور کا مرکز ''قلب سلیمہ'' ہے اور کوئی مرکز نہیں، رگ وید، پرانا عہد نامہ،

نیا عہد نامہ، قرآن مجید وغیرہ سب کتابوں میں قلب سلیم کو جو مرکزی مقام ہدایت وشقاوت انسانی کے معاملہ میں دیا گیا ہے، وہ محتاج بیان نہیں۔ پروفیسر رادھا کرشنن نے رگ وید کے حوالے سے اپنی کتاب ''انڈین فلاسفی، میں نقل کیا ہے کہ انگوٹھے کے سر سے ملتا جلتا گوشت کا یہ لوتھڑا ہے، جسے دل کہتے ہیں اور جو روح انسانی کا محل ہے۔ یہ عبارت حدیث کی ایک اس عبارت سے قریب ہے۔

قرآن مجید کا بیان ہے،: نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِکَ۔ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِکَ بِإِذْنِ اللّٰهِ. أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا. وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا.

معاشی کشمکش پر ساری توجہ کے مرکوز ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ چونکہ صرف معاشی سوال کو معاشرے کا اجتماعی نصب العین بنا کر، انسانیت کے تقدیری چارٹر کی حیثیت سے لاتعداد منصوبوں کی شکل میں چلانے کی مساعی جاری ہیں۔ تعلیم کا شعبہ جو انسان کی تربیت کا واحد شعبہ تھا، اسے انسانیت کو صرف معاشی کشمکش میں فٹ کرنے کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا ہے۔

مرد وعورت کا ایک دوسرے کی طرف لپکتے رہنے کا عمل

سائنسی اصطلاح میں انسانوں کا باہمی صنفی تعلق ''برقی رو'' ہی کا نام ہے، جو لوگ علم برق کے اصول سے واقف ہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ برقی اور مثبت منفی دونوں قسم کی ہوتی ہے، یہ دونوں قسمیں باہم ملنے کیلئے ہمہ وقت تیار اور بے تاب رہتی ہیں۔ جب تک ان دونوں کے مابین خاصا فاصلہ رہتا ہے یا دونوں کو علیحدہ رکھنے والی چیز موجود ہوتی ہے، اس وقت تک یہ دونوں اپنے اپنے خول میں دوڑتی رہتی ہیں۔ لیکن جوں ہی علیحدہ رکھنے والی چیز ہٹا دی جاتی ہے یا باہمی فاصلہ ایک خاص حد تک کم کر دیا جاتا ہے، فورا دونوں ایک دوسرے کی طرف لپکتی ہیں۔ اور شعلہ پیدا ہوجاتا ہے، اس موقعہ پر چاہے ساری دنیا مل کر شعلہ نہ اٹھنے کی دعا کرے، تب بھی اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

مغرب پرستی

حدیث رسول کی نظر میں

صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے پہلی چیز ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی جانب ہانکا لے جائے گی۔ رسول کریم کی نگاہ کشفی ...... مشاہدہ بیان ہورہا ہے کہ جب نظم کائنات کے زیرو زبر کا ہونے کا وقت قریب آنے لگے گا تو اس کی ایک ابتدائی علامت یہ ہوگی کہ ایک ایسی آگ لگی گی جو لوگوں کو مشرق سے ہانکا مغرب کی جانب لے جائے گی، آگ جس لفظ ''نار'' کا ترجمہ کیا گیا ہے، وہ مجازا بہت سے معنیٰ میں آتا ہے۔ نار الحرب (آتش جنگ) نار العداوت (آتش علاوت) وغیرہ بھی، شارقین حدیث نے یہاں سے فتنہ مراد لیا ہے اور اس آگ کو فتنہ کی آگ قرار دیا ہے۔''

آپ کے کانوں نے یہ سنا، آپ کی آنکھیں آج دیکھ رہی ہیں، مشرق آپ کی آنکھوں کے سامنے کس تیزی اور کس قوت کے ساتھ مغرب کی جانب ہانکا جارہا ہے۔ (صفحہ ۶۴۹ مولانا عبدالماجد دریا بادی)

اصلاح نفس، اللہ کی محبت اور ذکر وفکر کے حوالے سے نکات

(محمد موسیٰ بھٹو)

انسان کا جذبات محبت سے عبارت ہونا اور اس کی تسکین کی صورت

انسان، انس ومحبت سے عبارت ہے، یہ محبت اس کی فطرت کا سب سے طاقتور داعیہ (تقاضا) ہے، پاکیزہ فطری محبت کی راہ میں جب رکاوٹیں ڈال دی جاتی ہیں تو یہ محبت یا تو ذاتی اغراض کی محبت میں تبدیل ہوجاتی ہے یا پھر کسی مادی تصور کی صورت اختیار کر جاتی ہے یعنی وطنیت یا قومیت کے نظریے سے محبت یا کسی صاحب حسن و صاحب صلاحیت شخص کی صلاحیتوں کی وجہ سے اس سے محبت وغیرہ میں تبدیل ہوجاتی ہے۔

جب کہ فطری اور حقیقی محبت وہی ہے، جو فرد کی محبوب حقیقی یعنی اللہ سے ہوتی ہے۔ یہ محبت اللہ کی ذات سے اس کی ذات کے تقدس اور برتر وبالا ہستی، اس کی اور ساری کائنات کی خالق ہستی اور سارے حسن کی منبع ذات ہونے کی وجہ سے یہ ذاتی نوعیت کی محبت ہے، جو انسان کے خون میں گردش کرتی رہتی ہے اور یہ فطرت کا ایسا ناگزیر داعیہ ہے، جس سے انسان کے سارے جذبات، ساری حسرتیں، اور سارے ارمان وابستہ ہیں۔ اللہ کی ذات سے فرد کی یہ محبت ایسی ہے، جو غالب ہونے کی صورت میں فرد کے دل کو دوسری محبتوں سے فارغ کردیتی ہے، ذات کی اس محبت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ محبّ، محبوب اور محبت تینوں کے درمیاں سارے فاصلے ختم ہوکر، وہ یکساں ہوجاتے ہیں من کان اللہ کان اللہ لہ (جو اللہ کا ہوجاتا ہے اللہ اس کا ہوجاتا ہے) کی صورت ہوجاتی ہے۔ یہ وہ مقام ہوتا ہے، جہاں محبوب کی مرضی بندہ کی مرضی بن جاتی ہے۔ محبوب کی اطاعت، دل وجان کا حصہ بن جاتی ہے۔ وہ یہی وہ محبت ہے، جس سے انسانی شخصیت کی ساری

خوشیاں وابستہ ہیں اور یہی طاقتور محبت، فرد کو اللہ کے بندوں سے بہتر اور بے غرضانہ محبت کے تعلقات استوار کرنے کا ذریعہ بنتی ہے، توحید کا استحکام اسی محبت سے وابستہ ہے، دین وشریعت کی عمارت بھی محبوب حقیقی کی اسی محبت پر قائم ہے۔

اللہ کی ذات سے یہی محبت فرد کو دنیا میں خلافت کا استحقاق عطا کرتی ہے۔

قرآن میں مومنوں کی یہی علامت وخصوصیت بیان کی گئی ہے وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰه.

اللہ کی جس ذاتی محبت سے دین ودنیا کی جملہ سعادتیں وابستہ ہوں، اس محبت کا حصول اور اس کے ارتقائی مراحل طے کرنا، ایسا کام ہے، جو دین وشریعت کے لئے نصب العین کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لئے اللہ کی محبت کے رازدانوں کا کہنا ہے کہ سارے انبیاء کرام کی بعثت کے مقصد کو اگر مختصر الفاظ میں بیان کرنے کے لئے کہا جائے تو یہی کہا جائے گا کہ انسانی فطرت میں محبوب حقیقی سے ودیعت شدہ پاکیزہ محبت، جسے گھر کا ماحول اور تعلیم وتربیت کا ماحول دبا دیتا ہے، اسے بیدار کرکے محبوب حقیقی کی اطاعت کے ذریعہ اسے ارتقائی صورت دی جائے۔

اللہ نے دل کی بناوٹ اپنے نام پر رکھی ہے، اس لئے محبوب حقیقی کے لئے دل کی چاہت بے پناہ ہے، بلکہ نہ ختم ہونے والی ہے۔ جب دل کو اللہ کے نام کے تکرار کے ذریعہ اس کے انوارحسن کی خوراک دی جاتی ہے تو دل کی ایک حد تک تشنگی دور ہونے لگتی ہے، اس کی تشفی ہونے لگتی ہے۔ دوسری صورت میں دل، نفس کے تابع ہوکر، مادی حسن پر فریفتہ ہونے لگتا ہے، اورنفس اسے مادیت کی دلدل میں پھنسا دیتا ہے۔ مادیت کی وہ دلدل ایسی ہے کہ اس سے پھر نکلنے کی صورت کا پیدا ہونا انتہائی دشوار ہوجاتا ہے۔

دنیا میں پیدا ہونے والا سارا فساد دل کی اس تشنگی کی وجہ سے ہی پیدا ہوتا ہے، جو اس کے حقیقی وپاکیزہ جذباتِ محبت کی تسکین کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے اور اسے مادی محبت کی راہ پر لگانے کی صورت میں رونما ہوتا ہے۔

دل چونکہ ایک جوہری چیز ہے، یعنی وہ مادہ سے ماورئی چیز ہے، بلکہ وہ محبوب حقیقی کے ساتھ عشق ومحبت کا ایک نہ ختم ہونے والا شعلہ ہے، جو عشق سے ہی

فروزاں رہتا ہے، محبوب کے ساتھ دل کا یہ عشق دنیا اور موت کے بعد اور قیامت میں مسلسل ارتقائی مراحل طے کرے گا اور عشق کے اس شعلہ کی تسکین جنت میں محبوب حقیقی کے دیدار کے علاوہ کسی اور چیز سے ہونا ممکن ہی نہیں۔

وہ لوگ جو محبوب کے ساتھ دل کے عشق کو بیدار کرکے ذکر وفکر اور مخلصانہ عبادت کے ذریعہ اسے ارتقائی صورت دینے کے کام سے غافل ہیں، جو سراپا مادی زندگی میں مستغرق ہیں، وہ ہر اعتبار سے قابل رحم ہیں، ان کی رحم کی یہ حالت ایسی ہے، جس پر جس قدر صدمہ وتاسف کا اظہار ہو، وہ کم ہے، اس لئے کہ محبوب حقیقی کے بغیر دل کی حالت مفلس وقلاش کی سی ہوجاتی ہے، ایسا دل زندگی کے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے سلسلہ میں حوصلہ، ہمت اور خوداعتمادی سے محروم ہوتا ہے، وہ قدم قدم پر یاس کا شکار ہوجاتا ہے، وہ اعتدال اور ٹھہراؤ جیسی صفات سے بے بہرہ ہوتا ہے، ایسے دل کی حالت اس شخص کی سی ہوجاتی ہے، جو تنکہ اور پتہ لگنے سے ہل کر رہ جاتا ہے، موت کے وقت، موت کے بعد اور قیامت میں اس دل کی جو حالت ہو سکتی ہے، وہ ناقابل بیان اذیت کی حالت ہے۔

اللہ کی محبت کی بات کو سادگی سے لینا اور اسے اہمیت نہ دینا اور اس سلسلہ میں سنجیدگی اختیار نہ کرنا، اپنے اوپر ظلم عظیم ہے، اور قیامت خیز حالات سے گذرنے کے مترادف ہے۔

نفسی قوتوں کو شکست دے کر محبوب حقیقی کا قرب حاصل کرنے اور عشق ومحبت کے انعام اور فیضان کا مصداق ہونے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے، وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) اسلامی شریعت پر پوری ہمت واستقامت سے گامزن ہونے کی کوشش کی جائے، خوداحتسابی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر اس عادت کو چھوڑنے کی سعی کی جائے، جو شریعت کے خلاف ہے اور ہر سنت پر عمل کرنے کے لئے فکرمندی اختیار کی جائے۔ شریعت کی یہ راہ بظاہر جتنی بھی دشوار نظر آئے، ساری قوتیں مجتمع کرکے اس دشواری پر قابو پانے کی کوشش کی جائے۔ ایسا کرنے سے اللہ کی محبت کا رنگ آہستہ

آہستہ غالب ہوتا جائے گا۔

(۲) اللہ کی غریب، بے کس اور محتاج مخلوق کی مدد وخدمت کو وظیفہ بنایا جائے، اس خدمت کے لئے اپنے آپ کو ہر ممکن طریقہ سے آمادہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ خدمت کا یہ کام ایسا ہے، جس کی وجہ سے محبوب کی طرف سے عطا ہوتی ہے اور فرد وافراد کی یہ ادا اللہ کی محبت کا ذریعہ بننے لگتی ہے۔

(۳) ذکر وفکر، عبادت اور قرآن سے اپنا تعلق مستحکم سے مستحکم تر کیا جائے جب تک محبت کی راہ وانہ ہوجائے اور ایک حد تک اصلاح نفس کا عمل نہ ہوجائے، تب تک دوسروں کی اصلاح کا کام ہاتھ میں نہ لیا جائے۔ اس لئے کہ حکیمانہ صلاحیت پیدا ہونے اور نفس کی کچھ تہذیب ہونے سے پہلے دوسروں کی اصلاح کے کام کو وظیفہ بنانے سے دعویٰ اور تکبر پیدا ہونے اور اس سے امت میں تقسیم پیدا ہونے کا خطرہ لاحق ہے۔

ایک اہل اللہ کا یہ قول بہت اہم ہے کہ جب تم مخلوق کو دعوت دینے کا عزم کرو تو پہلے خود کو دعوت دینا، اس لئے کہ جب تمہیں کوئی دوسرا دعوت دے تو تم اس کو ناپسند کرتے ہو، جب تک تم خود کو دعوت دینے والے نہیں ہوگے، اس وقت تک دعوت دینے والے نہیں بن سکتے۔

(۴) اہل اللہ کی صحبت اختیار کی جائے اور اس صحبت اختیار کرنے کو وظیفہ بنایا جائے۔ اس صحبت کے ذریعہ ذکر وفکر کی مشق بھی پختہ ہوتی جائے گی تو ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ پرانی فاسد عادتوں سے نجات کی صورت بھی پیدا ہوتی جائے گی، اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونے کی استعداد بھی آتی جائے گی۔ باطنی بُرائیوں کا ادراک اور ان کے ازالہ کے صورت بھی پیدا ہوتی جائے گی۔

اہل اللہ کی صحبت سے اللہ کی محبت کا رنگ غالب سے غالب تر ہوتا جائے گا۔

فرد کو یہ نکتہ اچھی طرح سمجھنا چاہئے کہ وہ اللہ کی جس محبت کی خاطر مادی ترقی اور دولت کو ترجیح دے رہا ہے، یہ دولت آفت ہے آفت، جب فرد میں دولت کی

محبت اور اس کی کشش پیدا ہوجاتی ہے تو یہ وقت کو اس طرح برباد کرتی ہے کہ موت تک فرد ہوش وحواس میں نہیں رہتا، فرد پر حالت جنون طاری رہتی ہے، نت نئی مادی سرگرمیوں اور مادی زندگی کی ترقی کے نئے نئے امکانات کی ہوس اسے مجنون وار بنا دیتی ہے۔

دولت کا یہی جنون دوسروں کی حق تلفی، قساوت قلبی، سنگ دلی اور دولت پر سانپ بننے کی نفسیات، بلند سے بلند تر معیار زندگی اور آخرت کی زندگی سے بے فکری جیسی بہت ساری خرابیاں اپنے ساتھ لاتا ہے۔

اگر قناعت، سادگی اور تھوڑے پر راضی رہنے کی زندگی اختیار کرکے، اللہ کی راہ محبت اختیار کی جائے تو اللہ، سکون وسکینت کے ساتھ رزق، وقت، اور علم وغیرہ ہر چیز میں برکت عطا فرماتے ہیں۔

ویسے بھی فرد کو جو روزی ملنی ہے وہ تو مل کر رہے گی۔ دولت کی فکر کو مسلط کرکے زیادہ روزی کے لئے ساری توانائیوں یا بیشتر توانائیوں کا استعمال لاحاصل ہے، اس لئے کہ روزی کی ایسی جدوجہد اپنے ساتھ نئی نئی آفتیں لاتی ہے۔

دل کی تشفی وتسکین کی واحد صورت اللہ کی محبت کی راہ ہے، دوسری صورت میں اگر دل کو کائنات میں موجود سارے حسن کے مناظر ومظاہر بھی عطا ہوں اور ساری دنیا کا خزانہ بھی حاصل ہو تو اس سے اس کی حسرت ناتمام ہی رہے گی اور موت کے بعد دل کو مادی جسم کو جائز وناجائز ذرائع سے آسائشیں فراہم کرنے اور مادی حسن پر فدائیت کی وجہ سے آتش کے شعلوں سے گذرنا ہوگا اور اس سے بچاؤ کی صورتیں مسدود ہوجائیں گی۔ تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ (آگ دل کا گھیراؤ کرے گی)۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ سے محبت کی زندگی سے جو لذتیں اور مسرتیں وابستہ ہے، اگر افراد کو ان لذتوں کا معمولی سا ادراک بھی حاصل ہوجائے تو وہ مادی زندگی کی ان ساری خوشیوں کو اللہ کی اس محبت پر نشاور کرسکتا ہے۔ بلکہ مادی زندگی کی ساری خوشیاں اس کے لئے اللہ کی محبت کے مقابلہ میں ذرہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی، اللہ ہمیں اپنی محبت سے آشنا دل عطا فرمائے، تاکہ ہم اس کی محبت کی راہ پر

ہر چیز کو نثاور کرتے ہوئے تیز رفتاری سے چل سکیں، تاکہ اس محبت میں آخرت میں ارتقا پر ارتقا کی سعادت حاصل ہو سکے۔

اللہ کی محبت سے محروم دل کو جہاں اس دنیا میں ہزارہا صدموں سے گرنا پڑتا ہے، وہاں آخرت میں اس سے ہزار ہا گنا صدموں سے گذرنا پڑے گا، غفلت سے بیدار ہونے اور سنبھلنے کی ضرورت ہے۔

ذہنی دباؤ اور بے یقینی سے
بچاؤ کی واحد صورت

جب دل وروح بے چین ہوتے ہیں تو خطرات، وسوسے، خدشات، بے یقینی اور اپنے معاشی مستقبل کے خطرات لاحق ہونے لگتے ہیں۔

ان خطرات کی دوری کی صورت ایک ہی ہے، وہ ذکر وفکر کے ذریعہ دل وروح کو محبوب حقیقی کے انوارحسن کی خوراک دیتے رہنا اور اخلاص اور پوری توجہ سے اس کی اطاعت بجالانا ہے، خطرات، بے یقینی اور وسوسوں سے بچنے کی اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں ہے۔

صوفیاء، جونفسی قوتوں کا ہمالیہ پہاڑ طے کر چکے ہوتے ہیں اور جو نفسی بیماریوں کے حکماء ہیں۔ خطرات کے بارے میں ان کا تجزیہ یہی ہے۔ طالب کو ہر طرح کے خطرات ووسوسوں کے بارے میں ان کے تجویز کردہ نسخہ کو استعمال کر کے تشفی کا یقین رکھنا چاہئے۔

طالب پر جس وقت بھی بے چینی اور مستقبل کے حوالے سے خطرات لاحق ہوں اور وہ سخت دباؤ کا شکار ہو، اسے حوصلہ وہمت سے کام لے کر، ذکر وفکر کے نسخہ کو استعمال کر لینا چاہئے، ان شاء اللہ، سارے خطرات جو اس کی نفسیات میں بگاڑ اور اس کے دماغ کو مفلوج کر دیتے ہیں، دور ہو جائیں گے، اس لئے کہ ذہن، نفسیات اور انسانی مزاج سب دل وروح کے تابع ہیں۔ اور دل وروح، وہ جوہری حقیقت ہیں، جو محبوب حقیقی سے رابطہ کے لئے ہمہ وقت مضطرب رہتے ہیں۔ انہیں جب محبوب حقیقی کے ذکر کی خوراک ملنے لگتی ہے تو ان کے اضطراب میں کمی واقع ہونے لگتی ہے۔ اور ان میں ٹھہراؤ آ جانے سے ذہن، اعصاب اور نفسیات میں بھی

ٹھہراؤ اور توازن آ جاتا ہے۔ فردوافراد لاکھوں تجربے کر کے دیکھ لیں، بے یقینی اور خطرات سے نجات کی صورت کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔

اضطراب ایسی چیز ہے، جو فرد وافراد کو نفسی قوتوں کی گرفت سے آزادی دلا کر محبوب حقیقی تک پہنچانے کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے روح اور دل کا اضطراب اس اعتبار سے فرد کے لئے نعمت ہے۔ یہ اضطراب ہی اسے ذکر وعبادت کے ذریعہ محبوب کی راہ پر مستقل مزاجی سے چلنے پر اکساتا ہے۔ اس لئے اس اضطراب کی قدر کرنی چاہئے، نہ کہ اسے سستی اور محبوب سے دوری کا ذریعہ بنانا چاہئے۔

ذکر، بندہ مومن کی ایسی ناگزیر ضرورت ہے کہ اس کے بغیر اس کی زندگی کی کوئی کل درست نہیں ہو سکتی، ذکر کی مطلوبہ تعداد میں خوراک کے بغیر اسے زندگی کے بنے بنائے معاملات بگڑتے ہوئے نظر آتے ہیں، وہ جس چیز میں بھی ہاتھ ڈالے گا، اس میں خیر کے بجائے بگاڑ واقع ہوگا۔ اشتعال، چڑچڑاپن، آپے سے باہر ہو جانا، زندگی سے بے زاری کی کیفیات، ہر معاملہ کے منفی پہلو کا غالب آنا، نیکی کی راہ میں ہمت وحوصلہ کا فقدان، تکبر اور احساس کمتری واحساس برتری خودنمائی جیسی ساری چیزیں ذکر وصحبت سے محرومی کا نتیجہ ہی ہوتی ہیں۔ ذکر کی بجائے مادی کوششوں اور زمانہ سازی کے ذریعہ بگڑے ہوئے معاملات کے حل کی کوششیں یا تو عارضی ثابت ہوں گی یا پھر وہ ناکامی سے دوچار ہوں گی۔

یاد رکھنا چاہئے کہ انسان کے اندر بے تابی کی ایسی آگ رکھی گئی ہے کہ اگر ذکر وفکر اور مخلصانہ عبادت کے ذریعہ اسے بجھاتے رہنے کی راہ اختیار نہ کی گئی تو فرد وافراد کا دل اس آگ میں جلتا رہے گا، جس کے نتیجہ میں زندگی عذاب بن جائے گی۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ذکر وفکر اور مخلصانہ عبادت سے محرومی کے نتیجہ میں فرد کی حیثیت اس شخص کی سی ہو جاتی ہے، جو آگ کی شدید تپش اور جلن کا شکار ہو جائے، وہ سراپا دکھ، غم اور اذیت سے سرشار ہو جاتا ہے۔

اے غافل انسان، جس ہستی نے تجھے وجود بخشا ہے، جس نے تجھے روزی عطا کی ہوئی ہے تو چوبیس گھنٹوں میں دل کی گہرائیوں سے اس کے ذکر کے لئے ایک گھنٹہ بھی نہیں نکال سکتا اور اس کے لئے مختلف بہانے بناتا ہے، یہ بہانے مادی مصروفیات کے سلسلہ میں کہاں چلے جاتے ہیں یعنی دنیا بھر کے کاموں اور مصروفیات

کے لئے وقت حاصل ہے، اگر وقت نہیں ہے تو محبوب کے ساتھ مصروفیت کے لئے وقت نہیں، اس سے بڑھکر محبوب حقیقی (جو اس کی سب سے بڑھکر محسن ہستی ہے) اس کی بے قدری اور کیا ہوسکتی ہے۔ حالانکہ اسباب کی ہستی وہی ذات ہے، اس ذات سے ذکر وفکر کے ذریعہ تعلقات کے نتیجہ میں وہ اسباب کو خود ہی سازگار بنا لیتی ہے، یہ وہ اہم بات ہے جو اغوائے شیطانی کے نتیجہ میں سلب کر لی جاتی ہے۔

یاد رکھیں، ذکر سے محرومی اپنے ساتھ سینکڑوں مسائل ومصائب لاتی ہے، جس میں ہمت وحوصلہ کا فقداں، غفلت وکاہلی کا غلبہ، فکری انتشار، اللہ کی بجائے بندوں کی رضا جوئی سے مسائل کے حل کی نفسیات، اپنے معاملات کے بگاڑ میں دوسروں کو مورد الزام ٹھہرانا، ہمہ وقت دنیا کے مستقبل کی فکر کا لاحق ہونا۔ موہوم خیالات کی وجہ سے دوسروں سے شکوک وشبہات میں مبتلا ہونا، افراد سے کام لینے اور ان کی دل جوئی وخوش دلی کی صلاحیت سے محروم ہونا، دل اور زبان پر کنٹرول کا نہ ہونا۔ دوست احباب عزیز واقارب سے بدگمانی کا ہونا، یاس کی کیفیت کا غالب ہونا، بحران سے نکلنے کے لئے مادی وسائل کو حرف آخر سمجھنا اور نئی نئی مادی تدبیروں سے کام لیتے رہنے پر اکتفا کرنا وغیرہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جو دل کی، ذکر سے محرومی کا نتیجہ ہیں۔ دل وروح کو جب اس کی حقیقی غذا ملنے لگتی ہے تو وہ توانائی سے سرشار ہوجاتے ہیں، وہ یہ توانائی سارے اعضا کو منتقل کرتے رہتے ہیں، جس سے فرد جملہ مصائب سے نجات پاکر حوصلہ وہمت سے زندگی کے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوجاتا ہے اس وقت فرد کو احساس ہوتا ہے کہ میں جن مسائل ومصائب کی شدت سے دبا جارہا تھا، وہ تو ذکر سے محرومی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا تاریک احساس تھا، اور احساس کی پاکیزگی کی وجہ سے سارے مسائل کی احساس شدت ختم ہوگئی اور مسائل، مسائل باقی نہ رہے۔

ذکر سے محرومی سے روش ہی ایسی چیز ہے جو فرد کو زندگی کے دوراہے پر کھڑا کر دیتی ہے جس سے وہ زندگی بھر نئے نئے بحرانوں میں مبتلا ہوتا رہتا ہے، اور اس کے تفکرات ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے اور اس کے لئے زندگی انگاروں پر لیٹنے کے برابر ہوجاتی ہے۔

اہل اللہ، جو اللہ کی محبت کے رازدان اور اس کے ذکر کا ذخیرہ جمع کئے ہوئے

ہوتے ہیں، ان کی صحبت ہی ایسی چیز ہے، جس سے فرد کو ذکر کی مسلسل یاد دہانی بھی ہوتی رہتی ہے تو ساتھ ساتھ ذکر کے لئے ہمت وحوصلہ بھی پیدا ہوتا رہتا ہے۔

پاکستانی ملت کی حالت زار
اور ذکر کے اہتمام کے ذریعہ اس کے تدارک کی صورت

آج مسلم امت کی جو حالت زار ہے، اس پر ہرحساس فرد خون کے آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا، مسلم امت کی زندگی کا کوئی شعبہ اور کوئی محاذ ایسا نہیں رہا، جس پر وہ عالمی کفر کے ہاتھوں شکست وریخت سے دوچار نہ ہو۔ تہذیبی محاذ ہو یا ذہنی آزادی کا محاذ، معاشی خود کفالت کا محاذ ہو یا تعلیمی وتربیتی اور عسکری وسیاسی آزادی کا محاذ، ہر اعتبار سے وہ مادہ پرست عالمی طاقتوں کی محتاج ودست نگر ہے۔ ان محاذوں میں سب سے خوفناک محاذ ذہنی غلامی اور تہذیبی یلغار کا محاذ ہے، جس نے عالم اسلام کو کفر کی طاقتوں کا لقمہ تر بنا دیا ہے۔

ان محاذوں پر شکست کا نتیجہ ہے کہ ہماری سیاسی آزادی ختم ہے، ہماری سیاست کا سارا نقشہ عالمی قوتوں اور عالمی شاہوکار کی طرف سے بن کر آتا ہے اور ہمارے حکمراں اس پر عمل پیرا ہونے کے پابند ہوتے ہیں، ہماری معیشت آزاد نہیں، ساری معاشی پالیسیاں، عالمی مالیاتی اداروں کی طرف سے تیار ہو کر آتی ہیں اور نافذ ہوتی ہیں۔

ہمارا تعلیمی وتربیتی نظام آزاد نہیں، عالمی کفر ہمارے تعلیمی وتربیتی نظام پر پوری نگاہ رکھتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے باغیرت اور مسلمان ذہن کے افراد تیار ہونے کی بجائے نفس پرست اور تہذیب جدید پر فریفتہ افراد تیار ہو کر سامنے آئیں، اس سلسلہ میں ہمارے پرائمری سطح کے نصاب سے لے کر ایم اے کے نصاب کی سطح تک ایک ایک چیز کی نگرانی کی جاتی ہے۔ ہماری میڈیا کو مختلف طریقوں سے خریدا گیا ہے، چنانچہ اس کی طرف سے مسلم معاشرہ کو دیوس بنانے اور مادر پدر آزاد فضا پیدا کرنے کی کاوشیں عروج پر ہوں۔

پاکستان کی مسلم ملت عرصہ سے امن وامان کی نعمت سے محروم ہے۔ اس لئے کہ عالمی شاہوکار نے ہمارے ہی افراد کو خرید کر، انہیں مختلف نعرے دے کر، ان کی ذہن سازی کر کے، انہیں قتل وغارت گری کی راہ پر گامزن کیا ہوا ہے۔ حکمراں چونکہ عالمی شاہوکار کے مراعات یافتہ ہیں، اس لئے وہ قتل وغارت گری کو روکنے کی سنجیدہ کوششوں

کے لئے تیار نہیں، کراچی شہر ایک عرصہ سے بے گناہ افراد کا قتل گاہ بن گیا ہے۔

مغربی نظام تعلیم کی تباہ کاریاں اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ ہمارے ملک کا لگ بھگ ہر ذہین اور جدید تعلیم یافتہ فرد، فروخت ہونے کے لئے تیار ہے، ہزارہا سے زیادہ افراد ہیں، جنہیں این جی اوز کے ذریعہ خرید کر، سیکولرزم کی فضا پیدا کرنے کے مقصد کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔

یہ صورتحال ایسی ہے، جسے کسی سیاسی یا کسی ہنگامی انقلابی طریقہ سے تبدیل کرنا ممکن نہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ مادہ پرست اور نفس پرست قوتوں کے خلاف افراد کے اندر مزاحمانہ قوت پیدا کرنے اور ان کے ضمیر کو بیدار کرکے، ان کی باطنی حسوں کو طاقتور بنایا جائے، تاکہ وہ ذاتی مفادات کی خاطر ملت فروشی کے کردار سے اندرونی ایمانی قوت اور ایمانی نور کے زور سے انکار کرسکیں اور ملت اسلامی کے تحفظ کے لئے دینی حمیت کے جذبات کے تحت کردار ادا کرسکیں۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ. (بے شک اللہ تعالٰی کسی قوم کی حالت میں تغیر برپا نہیں کرتا جب تک وہ خود اپنے اندر میں تغیر برپا نہیں کرتی۔)

انسانی نفس کی نوعیت کو سمجھنے والے مسلم ماہرین نفسیات (جنہیں اصطلاح میں اہل اللہ اور علمائے ربانیین کہا جاتا ہے) ان کا کہنا ہے کہ انسانی نفس کی قوت بے انتہا خوفناک ہے۔ یہ قوت سارے درندوں کی قوت سے بڑھکر خطرناک ہے۔ یہ قوت ایٹم بم سے زیادہ خوفناک ہے۔ نفس کی اس قوت کو اللہ ورسول کے تابع بنانے، اسے مہذب بنانے اور اس قوت کو اسلام اور ملت کے مفادات کے لئے استعمال کرنے اور نفسی قوت کی طرف سے خارجی دشمن کی ساری مالی مراعات سے انکار کرنے کی نفسیات پختہ کرنے کی صورت ایک ہی ہے کہ مسلم معاشرہ میں رجوع الی اللہ کی تحریک شروع ہو، رجوع الی اللہ کی یہ تحریک اللہ کے ذکر کے حلقوں کو مستحکم کرنے سے ہی مستحکم ہوسکتی ہے۔ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۔ اللہ کے ذکر کو معمولی چیز نہ سمجھیں، یہ بہت بڑی چیز ہے، بہت بڑی طاقت ہے۔

اللہ کے ذکر کی کمی سے روح ودل بیمار ہوجاتے ہیں، جس سے نفسانی خواہشات طاقتور ہوجاتی ہیں، اس سے افراد کی نفسیات میں فساد برپا ہوجاتا ہے اور معاشرہ میں وہ ساری بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں، جس کا ہم رونا روتے ہیں اور جس کا اس وقت ہمیں

سابقہ درپیش ہیں۔

حب جاہ وحب مال کی دوڑ، دشمن سے پیسے لے کر اپنی ملت کو پامال کرنے کی سرگرمیاں، کرسی کے حصول کے لئے ایک دوسرے سے دست وگریباں ہونا، گروہی، جماعتی تعصبات، فرقیواریت اور قومیتی جذبات کا بڑھنا اور اس کی وجہ سے قتل وغارت گری کی روش پر گامزن ہونا، حکمرانوں وافسروں کی طرف سے لوٹ مار کا سلسلہ شروع ہونا، مذہبی طبقات کی طرف سے حسد وجلن کی خاطر ایک دوسرے کو گرانے کی کاوشوں کا ہونا، ڈپریشن کی بڑھتی ہوئی بیماریاں، سیاست سے لے کر گھروں تک کو میدان جنگ بنانے کی صورت کا ہونا، دولت ودنیا کو مقصد بناکر اللہ کی دی ہوئی ساری توانائیاں دولت کے لئے صرف کرنے کے جنون کا ہونا، زیادہ سے زیادہ املاک بنانے، بڑی بڑی گاڑیوں اور بنگلوں کے نہ ختم ہونے والے خواب وغیرہ یہ ساری بیماریوں باطن میں موجود ایک زبردست خلا کا نتیجہ ہیں، یہ خلا دراصل دل وروح کی کثرت ذکر کے ذریعہ محبوب حقیقی کے انوار حسن سے عدم بہرہ وری کا خلا ہے۔ اس خلا کو ذکر وفکر اور اللہ ورسول کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعہ ہی پورا کیا جا سکتا ہے اسے پُر کرنے کا دوسرا کوئی طریقہ نہیں۔

جب تک معاشرہ میں ذکر وفکر اور مخلصانہ اطاعت اور رجوع الی اللہ کے ذریعہ زندگی کے رخ کو بدلنے کی تحریک شروع نہ ہوگی اور ذکر وفکر کے حلقے مستحکم نہ ہوں گے۔ ہماری قومی زندگی میں بڑھتے ہوئے زوال وفساد سے بچاؤ کی ساری صورتیں مسدود رہیں گی۔

اللہ کے ذکر میں وہ توانائی اور نور موجود ہے کہ وہ فرد وافراد کو مادی دنیا، مادی جذبات اور نفسی قوتوں سے اوپر اٹھاکر، جوہر انسانیت سے بہرہ ور کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اللہ کا کثرت ذکر اور اس کی مخلصانہ اطاعت اپنے ساتھ اللہ کی مدد ونصرت، اور معیت لانے کا موجب بنتا ہے، اللہ کا کثرت ذکر افراد کو جوڑنے، امت کے تصور کو پختہ کرنے اور افراد کے درمیاں موجود دشمنیوں اور اختلافات کو ختم کرنے اور وحدت امت پیدا کرنے کی خاصیت رکھتا ہے، کثرت ذکر، دنیا کے حوالے سے افراد کے سارے خیالات، احساسات وجذبات کو پاکیزہ بناکر، ان کی ساری حسرتوں اور ارمانوں کی تکمیل کا ذریعہ بنتا ہے۔

کثرت ذکر کا نور فرد کے مزاجی سانچہ کی اس طرح تشکیل کرتا ہے، جس سے دل میں اللہ کی محبت کے علاوہ دوسری محبتوں کے لئے گنجائش موجود نہیں ہوتی، اگر ہوتی بھی ہے تو وہ اللہ کی محبت کے تابع اور اس کے احکامات کے مطابق ہوتی ہے، کثرت ذکر کی ایک خاصیت یہ ہے کہ ایسا فرد وافراد اللہ کے ہوجاتے ہیں اور اللہ ان کا ہوجاتا ہے، حدیث کے مطابق من کان اللہ فھو للہ. ملت کے جس گروہ کے ساتھ اللہ کی طاقت شامل ہوجائے، وہ فساد سے دوچار ہو، اس میں قتل وغارت گری کا سلسلہ شروع ہو، دشمن اسے سازشوں کے ذریعہ پامال کرے، یہ ممکن ہی نہیں۔

کثرت ذکر کا نور اپنے ساتھ حکمت، فراست وبصیرت بھی لاتا ہے۔ اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور اللہ. مومن کی فراست سے ڈرو، اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

رسالمآب ﷺ نے ذکر کے حلقوں کو جنت کے باغوں سے تعبیر کیا ہے، فرمایا ہے کہ جنت کے باغوں سے گذرا کرو تو جنت کے میوے کھایا کرو، صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ، جنت کے باغ کیا ہیں، آپ نے فرمایا۔ ذکر کے حلقے۔ اللہ کے رسول نے ذکر ہی کو زندگی قرار دیا ہے اور ذکر سے محرومی کو موت سے تشبیہ دی ہے۔

ذکر تقویٰ پیدا کرتا ہے، جو سارے گناہوں سے بچاؤ کی صورت ہے۔ جس تقویٰ کے نتیجہ میں دین ودنیا اور آخرت کی جملہ سعادتوں کی خوشخبری ہے۔

یاد رکھیں، یہ دنیا، اللہ کے ذکر سے ہی قائم ہے۔ جب اللہ کے ذکر کی فضا ختم ہوجائے گی، دنیا کا بوریا بستر لپیٹ دیا جائے گا۔ حدیث شریف ہے کہ دنیا اس وقت تک قائم ہے، جب تک اس میں ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا فرد موجود ہے۔

ذکر اپنے ساتھ اللہ ورسول کی مخلصانہ اطاعت، حمیت دین، اشاعت دین، غلبہ دین اور کفر اور کفر کی قوتوں کے خلاف جہاد کے جذبات بھی ساتھ لاتا ہے۔ یہ ساری چیزیں ذکر کی خصوصیات میں شامل ہیں۔

جب اللہ کی مخلصانہ اطاعت والی زندگی حاصل ہوجاتی ہے تو اللہ کی طرف سے درج ذیل بشارتیں ملتی ہے۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ. (اور اگر یہ

دیہات والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کے لئے زمین وآسمان کی رحمتوں کے دروازے کھول دیتے)۔

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ. (اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھے گا مومنوں قول ثابت یعنی (کلمہ لاالہ) کی برکت سے دنیا کی زندگی میں بھی تو آخرت کی زندگی میں بھی)۔

لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ (نیکوکاروں کے لئے اس دنیا میں بھی بہتری ہے تو آخرت میں تو مزید بہتری ہے)۔

ڈپریشن کا بڑھتا ہوا مرض

علاج وتدابیر

دور جدید میں دوسری بیماریوں کے ساتھ ساتھ ڈپریشن کی بیماری غیرمعمولی طور پر بڑھ گئی ہے اور عالمگیر صورت اختیار کر چکی ہے۔ دنیا کا کوئی کو نہ، کوئی گوشہ اور کوئی گاؤں اور شہر کا کوئی محلہ ایسا نہیں ہے، جہاں ڈپریشن کا مرض عمومی صورت اختیار نہ کر چکا ہو۔ چونکہ جدید نفسیات کے فلسفۂ زندگی کی بنیادیں خالص مادی نوعیت کی ہیں، اس لئے وہ انسانی شخصیت کی گہرائیوں میں موجود حقیقی جذبات واحساسات اور اس کی اصلیت ونوعیت کو سمجھکر، اس کے علاج کی صحیح فکر کرنے کی بجائے مادی نوعیت کے طور طریقوں اور حکمت عملی سے ڈپریشن کا علاج کرنے کی راہ پر گامزن ہے۔ مسلم معاشرہ میں صدیوں سے لوگوں کی ذہنی تربیت اس طرح ہوتی ہے کہ اول تو یہ بیماری ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھتی تھی، اگر بڑھتی بھی تھی تو اس کے علاج کی آسانی سے صورت پیدا ہوجاتی تھی، ذیل میں ڈپریشن کے سلسلہ میں مسلم نفسیات کا موقف پیش کیا جارہا ہے۔

مسلم نفسیات، جس کی تاریخ چودہ سو سال پر محیط ہے، اس کا کہنا ہے کہ انسانی شخصیت دو طاقتور رجحانات ومیلانات سے عبارت ہے۔ انسانی شخصیت کو بنانے، بگاڑنے اور اس کے مزاج کو متوازن وغیرمتوازن بنانے میں ان دونوں طاقتور میلانات کا فیصلہ کن کردار ہے۔ ان دونوں کو نفسانی ورحمانی قوتوں سے عبارت کیا جاتا ہے، جو لاشعور یعنی باطن کی گہرائیوں میں موجود ہیں۔ طاقتور منفی جذبات واحساسات اور طاقتور مثبت میلانات ورجحانات کا مرکز یہ لاشعور یعنی باطن ہی ہے۔ نفسانی وشیطانی قوتوں اور

رحمانی قوتوں کے درمیاں ٹکراؤ کا عمل تخلیقی یعنی پیدائشی نوعیت کا ہے، فرد کی بچپن سے جس ماحول میں نشوونما ہوتی ہے، وہی ماحول لاشعور میں موجود ان احساسات ومیلانات ورجحانات کی فروغ پذیری اور غلبہ کا ذریعہ بنتا ہے۔ چونکہ عام طور پر فرد کو بچپن سے نفسانی جذبات کے مظاہرہ ومناظر اور نفسانیت سے عبارت ماحول ملتا ہے، اس لئے فرد کے لاشعور میں شروع سے مادی جذبات واحساسات کی فروغ پذیری اور ان احساسات کے مچلتے رہنے کے عمل کا غلبہ ہونے لگتا ہے، یہی جذبات آگے چل کر، فرد کی شخصیت کو حاسدانہ کارروائیوں، اپنی فوقیت کے لئے کاوشوں، جنسی جذبات کے بے لاگ مظاہرہ اور دوسروں کی تحقیر وغیرہ کی راہ پر گامزن کرتی ہیں۔ اس طرح یہ طاقتور منفی احساسات اور منفی نوعیت کی سرگرمیاں لاشعور میں ایسا تہلکہ برپا کردیتی ہیں،جس سے شعور، غیر معمولی تناؤ اور حالت دباؤ کا شکار ہوجاتا ہے اور فردوافراد مریض ہوجاتے ہیں۔

مسلم نفسیات کا کہنا ہے کہ اگر فرد وافراد کو بچپن سے لاشعور میں موجود طاقتور مثبت میلانات ورجحانات کے فروغ پذیری کا موقعہ ملتا رہے اور شخصیت کی تربیت اور تعمیر میں ان مثبت میلانات سے کام لے کر، ان کو طاقتور بنایا جائے تو لاشعور یعنی باطن کی دنیا ایسی روشن ہوجاتی ہے، جس سے نہ صرف باطن میں موجود منفی قوتوں پر غلبہ پاکر، شخصیت کے توازن کو قائم برقرار رکھا جا سکتا ہے، بلکہ اس سے فرد وافراد روشن کردار کے حامل بھی بن جاتے ہیں۔ ایسا روشن کردار، جس سے انسانی معاشرہ پاکیزگی سے عبارت بن جاتا ہے۔ اس طرح معاشرہ میں نفسیاتی مریضوں کی پیدائش ونشوونما کا عمل ازخود رک جاتا ہے۔

لاشعور یعنی باطن میں موجود پاکیزہ محبت کے جذبات (جو انسان کو دوسری مخلوق سے ممتاز بناتے ہیں) انہیں نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے کہ جدید نفسیات غلط رخ پر چلی گئی ہے، نفسیاتی ماہروں کی اس غلط تحقیق نے ہی تعلیمی وتربیتی اداروں اور میڈیا کے ذریعہ انسانی شخصیت کی صحیح نوعیت اور اس کے حقیقی تقاضوں کو سمجھنے اور اس کی تسکین کی راہ میں غیر معمولی رکاوٹیں پیدا کردی ہیں۔ اس طرح انسانی معاشرہ نفسیاتی مریضوں کے معاشرہ میں تبدیل ہوگیا ہے۔

مسلم نفسیات کے ماہروں کا کہنا ہے کہ انسان کی تخلیق کچھ اس طرح واقع ہوئی

ہے کہ اس میں محبوب حقیقی سے محبت کے لازوال جذبات کو بھر دیا گیا ہے۔ انسان کے دوسرے سارے جذبات اسی ایک جذبہ کے تابع کردیئے گئے ہیں۔ اگر پاکیزہ محبت کے جذبات کی تشفی وتسکین کا اہتمام کیا گیا اور ان جذبات کو نشوونما دے کر ارتقا کے آخری مقام تک پہنچایا گیا تو گویا انسان کے سارے جذبات کی تسکین کی صورت پیدا ہوگئی۔ اس کے بعد لاشعور سے منفی جذبات واحساسات یا اس کی پرانی یادیں اٹھکر فرد کے شعور کو تہہ وبالا کریں، یہ ممکن ہی نہیں، اس لئے کہ جب لاشعور یعنی باطن درندوں سے خالی ہوگیا، وہ پاک وصاف اور مہذب ہوگیا تو اس کی طرف سے پیدا شدہ دباؤ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس طرح لاشعور یعنی باطن کے تہذیب کے عمل سے بڑھتے ہوئے ڈپریشن کے مرض سے ازخود نجات کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔

افسوس ہے کہ انسانی لاشعور کی صحیح نوعیت کو نہ سمجھنے والوں کا تعلیم تربیت اور میڈیا پر اتنا غلبہ ہوگیا ہے کہ مسلم نفسیات کے ماہروں کے اس نقطہ نگاہ کو میڈیا سے شرح وبسط سے پیش کرنے کی صورتیں ہی مسدود ہوگئی ہیں، اسی کی یہ سزا ہے، جو انسانیت بھگت رہی ہے کہ بڑھتی ہوئی نفسیاتی بیماریوں سے بچاؤ اور اس کے علاج کی صورتیں ناپید ہوگئی ہیں۔ اور انسانی نفسیات میں پیدا کردہ ایک آگ ہے، جس میں آج انسانیت جل رہی ہے۔

مسلم نفسیات میں ڈپریشن کے بڑے سے بڑے مریضوں کا ایسا تسلی بخش انتظام موجود ہے کہ جدید نفسیات کے ماہروں کے ہاں اس کا تصور بھی دشوار ہے۔ مسلم نفسیات میں ڈپریشن کے مریض کو کہا جاتا ہے کہ وہ مسلم ماہر نفسیات (جسے روحانی استاد اور مربی کہا جاتا ہے) اس کی صحبت میں مسلسل آتا رہے، روزانہ نہیں تو کم از کم ہفتہ میں ایک بار ضرور آتا رہے، اور اپنے آپ کو مریض سمجھکر آتا رہے اور اپنی شخصیت کو مکمل طور پر روحانی استاد کے حوالے کردے، صحبت کے اس عمل سے روحانی استاد کے لاشعور یعنی باطن سے طاقتور مثبت شعائیں اٹھکر، مریض کے لاشعور کو بدل کر، اسے مثبت بنانے اور اس کے شعور اور اس کے رخ کو بدلنے میں کردار ادا کرتی رہیں گی۔ اس کے ساتھ ساتھ مریض کو اسم ذات کا ذکر بھی دیا جاتا ہے، اس ذکر کے اہتمام سے اس کے قلب میں لازوال ہستی کے انوار حسن کا ورود ہونے لگتا ہے، جس سے لاشعور میں موجود منفی قوتوں کے خلاف جنگ کا عمل شروع ہونے لگتا ہے۔

صحبت اور ذکر کے عمل سے ڈپریشن میں محسوس شدہ کمی آنا شروع ہوجاتی ہے اور نئی زندگی کا احساس مریض کو خوشیوں سے سرشار کرنے لگتا ہے۔

مسلم نفسیات کے ماہروں یعنی روحانی استادوں کا کہنا ہے کہ پاکیزہ صحبت اور ذکر کے عمل میں اصل نیت تہذیب نفس اور محبوب حقیقی کی رضامندی کی ہونی چاہئے، فرد اس نیت سے صحبت اختیار کرے گا تو اسے حیاۃ طیبہ یعنی، پاکیزہ زندگی اور لذیذ ترین زندگی کی نعمت عظمٰی حاصل ہوگی، اور آج انسانیت کا جو جوہر رخصت ہوگیا ہے، اس جوہر سے بہرہ وری کی صورت پیدا ہوگی۔

آج مغرب کے مادہ پرست انسان کی مادی نوعیت کی زندگی اور اس کے رنگ ڈھنگ اور طور واطوار کو دیکھکر مسلم معاشرہ بھی اسی مادی زندگی کی نقالی کی راہ پر گامزن ہے۔ اس خالص مادی زندگی کے لازمی نتائج جو وہاں ظاہر ہو چکے ہیں، وہ مادی چیزوں پر فدا ہونا، حرص و ہوس کے نہ ختم ہونے والے جذبات کا ہونا، بے لاگ جنسی جذبات کا اشتعال، مروت ووفاداری کے پاکیزہ جذبات کے خاتمہ جیسی چیزیں ہیں۔ ڈپریشن دراصل ان پاکیزہ جذبات واحساسات کے خاتمہ کے ذیلی نتائج ہیں۔ خالص مادی نوعیت کا کردار اور زندگی میں مادی نوعیت کی رونق اپنے ساتھ ڈپریشن لاتی ہے۔

مسلم نفسیات کے ماہروں کی نظر میں ڈپریشن جیسی بیماریوں سے بچاؤ کی واحد صورت یہی ہے کہ ہم علمائے ربانی کی صحبت اور ذکر کے ذریعہ لاشعور یعنی باطن کو صحتمند رخ دیں اور اس کی صحتمند خطوط پر تربیت کا اہتمام کریں۔ اس سے جہاں ہمیں ذہنی دباؤ جیسے جملہ بحرانوں سے نکلنے میں مدد ملے گی، وہاں اپنی پاکیزہ اقدار اور پاکیزہ تہذیب پر عمل پیرا ہونے کی صورت بھی پیدا ہوگی۔

مسلم ماہرین یعنی علمائے ربانیین کا کہنا ہے کہ ذکروفکر اور مخلصانہ اطاعت کے ذریعہ اللہ سے محبت کے جذبات سے محرومی کے نتیجہ میں فرد وافراد کو جو سزا ملتی ہے، وہ ناقابل برداشت اذیت اور بہت المناک ہوتی ہے۔

اس سزا کی نوعیت کچھ اس طرح ہوتی ہے۔

شخصیت میں ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہوتا ہے۔ اور احساسات کی دنیا بہت نازک ہوجاتی ہے۔ معمولی مادی نقصان اور معاشرتی نوعیت کے معمولی واقعہ معاملہ کے خلافِ مزاج ہونے سے دل کا نظام درہم ہونے لگتا ہے۔

خواعتمادی کا بحران واقع ہوجاتا ہے اور زندگی کے معاملات میں فرد، صحیح سمت میں مثبت فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوجاتا ہے۔

دل، ذہن اور نفسیات میں چند روزہ زندگی کے مستقبل کے سلسلہ میں خوف وہراس اور بے یقینی کی فضا پیدا ہونے لگتی ہے۔ اسی خوف وہواس سے ڈپریشن پیدا ہوتا اور فروغ پذیر ہوتا ہے۔

فرد پر اپنی بڑائی اور دوسروں کی تحقیر کے خیالات غالب رہنے لگتے ہیں۔

اشتعال، چڑچڑا پن، جھنجھلاہٹ اور عدم برداشت کا رویہ مزاج کا حصہ ہونے لگتا ہے۔

مادی حسن پر فدائیت کا رنگ غالب ہونے لگتا ہے۔

دل حسین تصویروں اور مادی نوعیت کی حسین چیزوں میں اٹکتا اور الجھا رہتا ہے۔

آخرت کی بہتری کے فکر کی بجائے دنیا کی فکر مسلط ہوجاتی ہے۔

عزیز واقارب اور افراد سے معاملات اور رویوں میں توازن اور سلیقہ کے بجائے اشتعال، جذباتیت اور عدم توازن کے میلانات کا غلبہ ہونے لگتا ہے۔

معمولی سے معمولی مادی نقصان اور مزاج کے خلاف رویوں سے قلب پر قیامت سے پہلے قیامت کا منظر قائم ہونے لگتا ہے۔

تفکرات ووسوسات گھیرے رہتے ہیں اور ان سے چھٹکارے کی ساری راہیں مسدود ہوجاتی ہے۔

اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا اتنا دشوار ہوتا ہے، جیسے ہمالیہ پہاڑ طے کرنا ہو۔

حیوانی وجبلی جذبات کے زیر اثر نہ چاہتے ہوئے بھی حیوانی وجبلی رویوں اور مظاہرہ کا صدور ہونے لگتا ہے۔

قربت کے رشتوں کا تقدس مجروح ہونے لگتا ہے۔

فرد وافراد، ذہنی طور پر مفلوج، قابل رحم اور آدھے مجنوں کی حالت تک پہنچنے لگتے ہیں۔

مذہب کے نام پر تعصبات، گروہ بندی اور دوسرے مذہبی گروہوں کے خلاف مارا ماری کی حالت طاری ہونے لگتی ہے اور جو قوتیں نفس اور مادیت کے خلاف جہاد میں صرف ہونی چاہئے، وہ قوتیں اپنے مخالف مذہبی گروہوں کو کمزور کرنے میں صرف

ہونے لگتی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

کتنی بڑی سزا ہے، جو اللہ سے محبت سے محرومی کے نتیجہ میں ملتی ہے۔ بیدار ہونے اور سنبھلنے کی سخت ضرورت ہے۔ ورنہ حالتِ ڈپریشن کے غلبہ کے ساتھ ساتھ دنیا وآخرت دونوں کے خسارہ سے دوچار ہونا پڑے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ کامیابی کے سارے راستے لاشعور یعنی باطن کو مہذب اور منور بنانے سے ہی گزرتے ہیں۔ اسی سے نفس کی بے لاگ قوتیں تابع ہوتی ہیں۔ اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونا آسان ہوجاتا ہے، بلکہ لذت کا مسئلہ بن جاتا ہے، مادی حسن پر فریفتگی سے بچاؤ اور مادی مفادات سے بلندی کی صورت پیدا ہوتی ہے، انسانیت کے سلیقہ سے بہرہ وری ہوتی ہے۔ توحید کے عقیدہ پر رسوخ کا ملکہ حاصل ہوتا ہے۔ اور ہر طرح کے ذہنی دباؤ سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے، لاشعور یعنی باطن کو مہذب بنانے کے سارے راستے ذکر وفکر کے ذریعہ محبوب حقیقی سے محبت کے جذبات کو فروغ دے کر، انہیں ارتقائی صورت دینے سے وابستہ ہیں۔ اور ذکر وفکر کے مزاجی سانچہ کی تعمیر کا کام اہل اللہ کی صحبت کے ذریعہ ہی سرانجام ہوتا ہے۔ یہی امت کا تسلسل ہے، اب تک مسلم امت اگر اپنے تہذیبی تسلسل کو قائم رکھنے میں کامیاب ہوئی ہے تو وہ قرآن وسنت کی موجودگی کے ساتھ ساتھ دنیا سے بے نیاز اور شریعت پر گامزن اہل اللہ کی صحبت ہی کا ثمرہ ہے۔ اس وقت ہم اگر اپنی نسلوں کو دینی، اخلاقی اور تہذیبی اعتبار سے سنبھالنے میں ناکام ہیں اور انہیں عالمگیر مادیت پرستی کی طوفانی لہروں کے زیر اثر ڈپریشن کے نذر ہونے سے بچانے میں ناکام ہیں تو اس کا بنیادی سبب اللہ کی محبت کے رازدانوں یعنی اہل اللہ سے دوری، بلکہ انہیں غیراہم اور حقیر سمجھنے کی روش ہی ہے۔

اس سارے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈپریشن ایک جزوی نتیجہ ہے،لاشعور کی مادی قوتوں پر فریفتگی، مادی زندگی کو درپیش خطرات اور نفس پرستی کے بتوں کی پرستش کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی تاریکی وظلمات کا۔ بدقسمتی سے لاشعور کی مادی قوتوں کے ساتھ ساتھ مادہ پرستی کی عالمی قوتوں نے میڈیا، روزگار کے جملہ ذرائع ووسائل پر قبضے اور ذہن سازی کے سارے ذرائع پر تسلط کی وجہ سے لاشعور کی قوتوں میں شدید اشتعال پیدا کرکے صورتحال کو سنگین سے سنگین تر کر دیا ہے۔

المیہ یہ ہے کہ تہذیب جدید اور اس کے علمبرداروں نے میڈیا کے تیز ذرائع اور

مادی زندگی کے مظاہر ومناظر کے ذریعہ لاشعور کی قوتوں کو مشتعل کرکے افراد کی زندگی میں سرایت شدہ زہر کے ازالہ کا جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ خالص مادی نوعیت کا ہے۔ یعنی مادی نوعیت کی مشقوں کے ذریعہ لاشعور کے جذبات میں پیدا شدہ تلاطم کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرنا، اس کوشش کی مثال ایسی ہے، جیسے شیر کو مشتعل کرنے کے بعد معمولی ہتھیار یا لکڑی کے ذریعہ اس کے خونخوار حملہ سے بچنے کی سعی کرنا۔

اصلاح نفس کے بغیر
دعوتی کام پر ایک نظر

(دعوتی کام کے حوالے سے دھائی صفحات کی یہ تحریر ۱۹۸۸ء کی ڈائری سے ماخوذ ہے۔ یعنی آج سے ۲۷ سال پہلے یہ نکات ذہن میں آئے تھے اور لکھے گئے تھے، اب اس میں اتنا تغیر کرنا چاہتا ہوں کہ دعوت کا کام اگر ذکر وعبادت کے ملکے کو راسخ کرنے، خود احتسابی سے کام لینے، عاجزی وانکساری اور دوسروں کی تکریم کے جذبہ واہتمام کے ساتھ کیا جائے تو یہ کام خیر وبرکت کا باعث بنتا ہے، ایسے کام سے باطنی خرابیوں کی دوری کی وجہ سے امت کی تقسیم اور امت کے دوسرے طبقات کی تردید وتکذیب نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ ذکر وعبادت، خوداحتسابی اور دوسروں کی تکریم کے چیزیں باطن کے ان خرابیوں کی اصلاح کا ذریعہ بنتی ہیں۔ مرتب)

صحبت صالحہ اور کثرت ذکر کے ذریعہ انا اور کبر کے بتوں کو توڑے بغیر، دین کی خدمت کا جو کام ہوگا، اس سے عملا دین کی خدمت کم انتشار زیادہ پیدا ہوگا، اس لئے کہ ایسی صورت میں دین کیلئے ہونے والے کام سے فرد کی جو دلچسپی ہوتی ہے، وہ زیادہ تر اس لئے ہوتی ہے کہ دین کا وہ فہم اور دین کا وہ موقف اور نقطہ نگاہ اور دین کا وہ کام، جو اسے پسند ہے اور جس کو وہ چاہتا ہے، اس کی اشاعت اور تبلیغ ہو۔ اس طرح انا اور کبر جو پہلے کھلا ہوا ہوتا ہے، وہ اب چھپ کر دینی کام اور دینی جدوجہد کے نام پر سامنے آتا ہے۔اب دینی جدوجہد کے نام پر فرد کی انانیت کی تسکین سامان ہوتا ہے، یقیناً بظاہر کام دین ہی کا ہوتا ہے، لیکن درپردہ فرد کو یہ خوشی ہوتی رہتی ہے کہ دین کے اس کے اپنے کام اور اپنے موقف کی تقویت کا سامان

ہورہا ہے، چونکہ فرد کو اپنے ذاتی کام سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے، اس لئے اب فرد کو اسلام کے سارے کام اور مجموعی کام کی بجائے اسی کام سے دلچسپی ہوتی جو وہ کر رہا ہوتا ہے، اگرچہ یہ بات ایک حد تک فطری ہے، لیکن اس کام کو دین کے سب سے اہم کام کی حیثیت سے پیش کرنا اور دین کے لئے ہونے والے دوسرے کاموں کی تغلیط وتردید کرتے رہنا، یہ نفسی قوتوں کے غلبہ کی علامت ہے، چنانچہ اس طرح کی دینی جدوجہد میں اکثر تشدد، سختی اور دوسرے دینی موقف والوں کیلئے مخالفت اور دشمنی کی فضا پائی جاتی ہے۔

یہی علامت ہے، اس بات کی کہ اس طرح کا دینی کام انا کی تسکین کیلئے زیادہ ہوتا ہے، خالص اللہ کیلئے کم ہوتا ہے، اگر خالص اللہ کیلئے ہوتا تو اس کام میں لوگوں سے کدورت اور دوسروں کی تغلیط کی فضا نہ پائی جاتی، بلکہ اپنے موقف کو اس طرح پیش کیا جاتا اور دین کا کام اس طرح ہوتا کہ دینی حلقوں اور صفوں میں انتشار پیدا نہ ہونے پائے۔

دراصل صحبت صالحہ اور کثرت ذکر سے علم، ذہانت، زہد اور شخصیت کا بت پاش پاش ہونے لگتا ہے۔ اس کے بعد دین کی خدمت کے لئے جو کام ہوتا ہے، اس میں سختی کی بجائے محبت اور شفقت کا انداز نمایاں ہوتا ہے۔ اس شفقت سے فرد کی دینی جدوجہد اور دینی موقف (اگر وہ زیادہ جاندار ہے) کیلئے بھی حالات سازگار ہوجاتے ہیں۔ گہری اصلاح کے بغیر چونکہ فرد میں انا کا بت چھپا ہوا موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ جوں ہی فرد، داعی کی حیثیت سے سامنے آتا ہے، شیطان اس پر حملہ آور ہوتا ہے۔ دینی کام کے نام پر جہاں بھی شفقت اور محبت کے بجائے سختی اور تشدد کا استعمال ہوگا، وہاں تعصب، گروہ بندی، مخالفت اور دشمنی کی فضا ضرور پیدا ہوگی، فرد کتنی ہی کوشش کریں کہ ایسا نہ ہو، لیکن عملا ایسا نہ ہونا دشوار ہوتا ہے، کیونکہ داعی کیلئے اصلاح ذات اور مزاج میں نرمی اور حکیمانہ اسلوب سے کام لینے جو شرط ہے، اسے پورا نہیں کیا گیا۔ اب فرد چاہے یا نہ چاہے اس طرح کی دینی جدوجہد سے معاشرہ

میں للّٰھیت، تقویٰ اور دینی اخوت ومحبت کی فضا پرواں چڑھ سکے، ممکن نہیں، اس لئے کہ درپردہ فرد میں موجود انا کا بت اسے مجبور کر رہا ہوتا ہے کہ دین کے جس کام سے ذاتی طور پر تمہارا تعلق خاطر ہے، اس کے فروغ کا کام ہوتا رہنا چاہئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ پہلے علم، ذہانت، اور شخصیت کے طلسم اور اس کے بت کو توڑنا ضروری ہے۔ اس کے بعد دعوت کا کام برکت کا باعث بنتا ہے، دوسری صورت میں دعوت کا کام کبر کے ماحول میں ہوگا، جو اپنے ساتھ توڑ پھوڑ لائے گا، جس سے دین ومذہب کے نام پر معاشرہ، فساد سے اس طرح دوچار ہوگا کہ آخر وقت تک پتہ ہی نہ چل سکے گا کہ معاشرہ میں اس کی دینی جدوجہد کا یہ حشر کیوں ہورہا ہے۔

حدیث شریف ہے جو نرمی سے محروم کیا گیا، وہ سارے خیر سے محروم ہوا۔

اسلامی تاریخ کا گہرا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کی تاریخ میں داخلی طور پر جتنے بھی فتنے پیدا ہوئے ہیں، جنہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا، وہ زیادہ تر کبر، انا اور خودنمائی کے جذبات کی وجہ سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ اس جذبے نے اہل اقتدار اور اہل ثروت کو مجبور کیا کہ وہ ذاتی خودنمائی کیلئے قومی وسائل کو اختیار کریں۔ اس جذبے نے اہل علم اور اہل دانش کو مجبور کیا کہ وہ قرآن وسنت کی ایسی تعبیر کریں، جو اسلاف کی متفقہ تعبیر سے مختلف ہو، چنانچہ اس سے اسلام میں مختلف فرقے پیدا ہوئے اور طاقتور ہوئے، تاکہ ان کی اپنی علمی وجاہت قائم ہو، اس جذبے نے واعظوں اور خطیبوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے علم کی نمائش اور داد وستائش کی خاطر معاشرے میں مناظروں اور مباحثوں کی آگ گرم کریں اور جزوی اختلافات کو بنیادی اختلافات کی حیثیت سے پیش کرکے، ایک دوسرے کے خلاف دست وگریبان ہوں۔

اس طرح سے تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلم معاشرہ، اہل اسلام کی انا اور خودنمائی کے جذبات کے ہاتھوں کمزور ہوتا رہا، اس طرح دشمنوں کو اسے مزید کمزور

کرنے اور حملہ آور ہونے میں آسانی رہی۔

نفس، دوسروں کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھنے کا روادار نہیں

نفس کی مثال کچھوے کی سی ہے کہ کچھوے کو جب بھی ضرب کاری لگائی جائے تو وہ منہ چھپا لیتا ہے، جب کہ اس کی جسمانی صورت ایسی ہے کہ اس کے جسم پر لگائی جانے والی کوئی ضرب اس پر کارگر ثابت نہیں ہوتی۔ البتہ اس کے منہ پر لگنے والی ضرب اسے مارنے کا موجب بن سکتی ہے، لیکن منہ کو چھپانے کی اس میں ایسی مہارت حاصل ہے کہ ہر ضرب کے موقعہ پر وہ بہت فن کاری اور تیزی سے منہ کو چھپا کر ضرب سے بچ جاتا ہے، یہی حال نفس کا ہوتا ہے کہ اس پر کوئی وار کارگر ثابت نہیں ہوتا، سوائے ذکر، عبادت، نیکوکاری وغیرہ کے، لیکن غلط عادتوں، ماحول کے اثرات بد کی وجہ سے ذکر وعبادت اور نیکوکاری کے لئے اس میں نہ صرف یہ کہ طبع مناسبت موجود نہیں ہوتی، بلکہ وہ نفس پرستی کی آخری حدود پھلانگنے لگتا ہے، رسمی نیکوکار افراد کے نفس کی حالت بھی عام طور یہی ہوتی ہے کہ حرص وہوس اور حسد وجلن کے جذبات انہیں بے قابو کردیتے ہیں۔ اور نہیں تو یہ جذبات ان کے دل کو فاسد اور بے چین ضرور کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً نفس، سیاست، معیشت، معاشرت اور اجتماعی زندگی میں اپنے ساتھیوں اور جاننے والوں اور معاصر شخصیتوں کو آگے بڑھتے ہوئے، ترقی کرتے ہوئے اور معاشرہ میں اپنا مقام بناتے ہوئے ہرگز دیکھنا نہیں چاہتا۔ حتیٰ کہ مذہبی دائروں اور دعوتی محاذ پر کام کرنے والے افراد کے نفس کی بھی عام طور پر یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کا نفس بزبان حال کہرہا ہوتا ہے کہ میرے ہوتے ہوئے دعوتی محاذ پر دوسروں کی پیش قدمی اور لوگوں کا دوسرے داعیوں اور شیوخ کی طرف رجوع یا دوسرے داعیوں اور شیوخ کی، افراد معاشرہ میں مقبولیت، یہ ایسی بات ہے جو میرے لئے تشویش کا موجب ہے، اگرچہ فرد بظاہر اپنے وقار، اپنی داعیانہ حیثیت اور اپنے تقدس کو قائم رکھنے کی خاطر عملی طور پر اس کا اظہار نہ

کرسکے اور ایسی شخصیتوں کی مخالفت نہ کرسکے، لیکن اس کا نفس انہیں آگے بڑھتے ہوئے دیکھکر کروٹ ضرور لیتا ہے۔ نفس کی ان خطرناک شرارتوں اور فریب کاریوں کی وجہ سے ہی بزرگوں نے طالبوں کے لئے یہ تجویز کیا ہے کہ وہ عرصہ تک صحبت اور ذکر وفکر کا خصوصی اہتمام کریں اور عرصہ تک لوگوں سے غیرضروری تعلقات کو قطع کریں، نفس کی فریب کاریوں سے بچاؤ کی یہی مؤثر صورت ہے۔

سالک کے حالات

سالک جب ذکر وفکر کی دنیا میں داخل ہوتا ہے تو باطن کی وسیع تر دنیا میں رحمانی اور شیطانی ونفسانی قوتوں کے درمیاں شدید ٹکراؤ شروع ہوجاتا ہے۔ اس ٹکراء میں کبھی شیطانی قوتیں غلبہ پاجاتی ہیں، کبھی رحمانی قوتیں۔ اپنے ہیچ اور سیاہ کار ہونے کا شدید ترین احساس ہونا، کبھی گناہ صغیرہ کو بھی گناہ کبیرہ کی حیثیت سے تصور کرنا، ادلتی بدلتی کیفیات کا ہونا، دل کا دنیا سے اچاٹ ہوجانا، دنیاوی کاموں کو بجبر سرانجام دینا، دنیا دار افراد سے تعلقات وروابط میں اذیت محسوس کرنا، غیرضروری چیزوں میں مشغولیت سے تکلیف محسوس کرنا، کبھی حالت غم کا ہونا، کبھی غیرمعمولی مسرت کا ہونا، کبھی دل میں ذکر کی غیرمعمولی چاہت کا ہونا، کبھی ساری کوششوں کے باوجود دل میں آمادگیٔ ذکر کا نہ ہونا، کبھی اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کے احساس کا غالب ہونا اور دوسروں کی تحقیر کے خیالات کا پیدا ہونا، کبھی معمولی سی معمولی بات پر مشتعل ہونا کبھی مزاج کے خلاف بڑے سے بڑے واقعہ اور نقصان کے باوجود خوشی کا غالب ہونا، کبھی نگاہوں کی ازخود حفاظت کی صورت کا پیدا ہونا، کبھی نگاہوں کی حفاظت میں ناکام ہونا، کبھی نماز کے لئے دل کا آمادہ ہونا اور کبھی نماز کے لئے نفسی قوتوں کی طرف سے شدید مزاحمت کا ہونا، کبھی دوست واحباب واہل وعیال کی سخت سے سخت باتوں کے رنج وغم کا کوئی احساس نہ ہونا، کبھی ان باتوں سے شدید مشتعل وبے قابو ہونا، وغیرہ یہ سارے حالات راہ سلوک کا حصہ ہیں اور نفسی اور رحمانی قوتوں کے ٹکراء کا نتیجہ ہیں۔

طالب کو رنج وغم اور قبض وبے چینی کے ہر موڑ پر اس بات کا استحضار کرنا چاہئے کہ محبوب حقیقی نے اس کے لئے راہ محبت وراہ معرفت کا دروازہ کھول کر، اس پر فضل عظیم فرمایا ہے، بلکہ اسے دین ودنیا کی جملہ سعادتوں سے بہرہ ور فرمایا ہے۔ یہ سعادت ہزار لوگوں میں سے کسی خوش نصیب فرد ہی کو عطا ہوتی ہے، یقیناً محبوب کو طالب کی کوئی ادا پسند آئی ہے، جس کی وجہ سے مادہ پرستی کے سمندر میں ڈبکیاں کھانے والے حالات میں اس نے اس پر اپنا فیضان فرمایا ہے اور اسے نفس کو مہذب بنانے کی راہ پر گامزن کیا ہے۔ اصلاح نفس کی راہ میں حائل دشواریوں سے خوف زدہ ہوکر، راہ فرار اختیار کرنے کے خیالات کا غلبہ، یہ دراصل محبوب کے انعام عظیم کی ناقدری شمار ہوگی۔

اگرچہ یہ حالات بظاہر سالک کے لئے بہت بڑا امتحان ہوتا ہے، اس کے لئے ایک ایک لمحہ قیامت خیز ہوتا ہے، لیکن یہ قیامت خیز حالات واحساسات ہی اس بات کی علامت ہیں کہ سالک کا سفر جاری ہے اور وہ سعادت دارین کی راہ پر گامزن ہے۔

راہ عشق دراصل نام ہی محبوب سے وصال کے لئے مصائب کی زندگی اختیار کرنے کی ہے۔

ایک بزرگ مولانا فخر الدین عراقی فرماتے ہیں۔

بہ عالم ہر کجا رنج وملامت
بہم ہر رند عشقش نام کرند

(جہاں میں جہاں جہاں رنج وملامت موجود تھے، ان سب کو یکجا کرکے ان کا نام عشق رکھدیا گیا)۔

سالک کو ذکر میں وقفہ سے بچنا چاہئے۔ صحبت کا مسلسل اہتمام کرنا چاہئے، اگر ذکر اور صحبت کا تسلسل قائم ہے تو اسے بڑے سے بڑا خوف وحزن بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جس طرح مردہ غسالوں کے ہاتھ میں ہوجاتا ہے، وہ اس کے ساتھ جو کچھ کرتے ہیں، وہ چوں چرا کرنے سے قاصر ہوتا ہے، یہی حالت سالک

راہ طریقت کی ہونی چاہئے، کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر محبوب حقیقی کے حوالے کرنا چاہئے۔ وہ اس کے حسب حال جو باطنی کیفیت اور جو حالات اس کے لئے مناسب، مفید اور بہتر سمجھے گا، وہ اس پر طاری فرماتا رہے گا۔

طالب کو اس بات کا ہر وقت دھیان رکھنا چاہئے کہ وہ نفس کی گہرائیوں میں موجود نفس پرستی کے انگاروں کو بجھانے کی راہ پر گامزن ہے، جب تک نفس کے یہ انگارے اخلاقی رزائل اور بداطواری کی صورت میں شعلہ زن ہیں، تب تک طالب کو آرام، سکھ اور طمانیت کی نیند سونا اور ذکر وفکر سے بے نیازی کی روش ہونا، اس کے لئے روا نہیں۔

مبتدی ومتوسط طالب نفس کشی کی دشوار گذار مشکلات کو نہ جاننے یا اس کا احاطہ نہ کرنے کی وجہ سے غم زدہ رہتا ہے کہ نہ معلوم وہ راہ سلوک میں چل بھی رہا ہے یا نہیں، اس کی اصلاحِ نفس کی صورت پیدا بھی ہورہی ہے یا نہیں، کہیں اس کا سفر رک تو نہیں گیا ہے یا ایسا تو نہیں ہے کہ وہ راندہ درگاہ ہوگیا ہے۔ مبتدی ومتوسط طالب اس طرح کے احساسات میں گھرا رہتا ہے، جو بعض اوقات طالب کو یاس کی طرف لے جاتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کیفیات کے ادلنے بدلنے کے یہ حالات، راہ سلوک کا بنیادی حصہ ہیں، بڑے بڑے اہل اللہ کو انہی حالات سے گذرنا پڑا ہے، آج جو اولیائے کرام ہمارے لئے قابل فخر ہیں، جن کا ذکر ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں، وہ سب اضطراب کے انگاروں سے گذر کر اس مقام پر فائز ہوئے ہیں۔

سالک کی تربیت کے لئے اس کے ساتھ خاص معاملہ کیا جاتا ہے۔ ایک طرف تو اس پر وقفہ وقفہ کے ساتھ خوف وحزن اور ہیبت طاری کردی جاتی ہے، تاکہ اس کے قلب میں حسن کے نئے احساسات کے تحمل کی صلاحیت ابھر سکے، دوسری طرف سالک کے لئے ابتدا میں کافی عرصہ تک غیرضروری میل جول اور معاشی خوشحالی کے لئے زیادہ توانائیاں صرف کرنے کے راستے مسدود کردیئے جاتے ہیں۔

اگر وہ غیرضروری میل جول میں وقت صرف کرے گا یا معاشی جدوجہد کے

لئے ضرورت سے بہت زیادہ مصروف ہوگا تو اس کے دل کے نظام کو درہم برہم کردیا جاتا ہے، دل میں شدید ترین قبض کی کیفیت کا پیدا ہوجانا، بظاہر سالک کے لئے ناقابل برداشت اذیت اور دکھ کا موجب ہوتا ہے، لیکن بباطن وہ اس کے لئے رحمت ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے ایک تو اس کا رشتہ اسباب ووسائل سے منقطع کرکے، محبوب سے استوار کیا جاتا ہے، دوم یہ کہ اس طرح سے اس کے روحانی ارتقاء کے راستے کھول دیئے جاتے ہیں، قبض وبسط کے ذریعہ سالک کو روحانی ارتقاء کے راستے اس طرح طے کرائے جاتے ہیں، کہ اسے اس کا علم اور شعور بھی نہیں ہوپاتا۔ بالکل اس طرح جس طرح بچے کو اپنی عمر کے ساتھ اپنی قدر وقامت اور عمر میں اضافہ کا علم نہیں ہوپاتا۔

سالک کا نفس مطمئنہ کا سفر قبض واضطراب کے ذریعہ جلد طے ہونا شروع ہوتا ہے، اس لئے کہ ذکر میں تو لذت ہوتی ہے، جس سے نفس محظوظ ہوتا ہے، لیکن خوف وحزن کی کیفیات میں سالک سے اس کی ساری لذتیں اور باطنی کیفیات چھن جاتی ہیں، وہ اپنے آپ کو زندگی کی شاہراہ پر یک وتنہا اس طرح پڑا ہوا محسوس کرتا ہے کہ گویا اس سے سب کچھ چھن گیا ہے اور وہ دنیا میں سب سے زیادہ قابل رحم حالت میں ہوتا ہے۔ اسے مال اسباب، جائیداد اور اہل وعیال کے ضیاع سے وہ اذیت نہیں ہوتی، جو قبض کی خاص حالت سے ہوتی ہے۔

جو نکتہ سب سے زیادہ اہم ہے، جسے سمجھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ قبض اور خوف وحزن کی واردات کے ذریعہ سالک کے نفس کا اس طرح تزکیہ کیا جاتا ہے کہ اس کے اندر کا سارا گند نکال دیا جاتا ہے۔ نفس کی خاصیت دراصل جہنم کے انگاروں سے مشابہت رکھتی ہے۔ ذکر وفکر، صحبت اور قبض کے ذریعہ جوں جوں نفس کا تزکیہ ہونے لگتا ہے، اسی مناسبت سے سالک کو جہنم کے انگاروں (جو نفس کی بہیمت کی صورت میں اس کے داخل میں یعنی نفس کی گہرائیوں میں موجود ہوتے ہیں) اسے نجات ملنا شروع ہوجاتی ہے۔ قبض کی ہولناک واردات کی صورت میں سالک کو جو غیر معمولی اذیت اور تکلیف ہوتی ہے، وہ دراصل نفس کی ان بہیمانہ خاصیتوں کے

اخراج اور جہنمی انگاروں کے بجھ جانے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جس کی تپش اور گرمائش سے سالک کا دل ودماغ تھوڑی دیر کے لئے معطل سا ہوجاتا ہے اور وہ اذیت کے پہاڑ محسوس کرنے لگتا ہے۔ وہ جو فرمایا گیا ہے کہ اس دنیا میں نفس کا تزکیہ نہ ہونے کی وجہ سے نفس کی خرابیاں جب کردار بد صورت میں ظاہر ہوتی ہیں تو ایسے افراد کا تزکیہ آخرت میں جہنم کی آگ سے کیا جائے گا۔

آگ سے تزکیہ اور آلائشوں سے پاک ہونے کے بعد ایمان کی صورت میں اسے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔ سالکِ راہ حق کے نفس کا تزکیہ دراصل اس دنیا میں ہی ہونا شروع ہوجاتا ہے اور خوف وحزن کی صورت میں وہ تزکیے کے ان اثرات کے جہنمی انگاروں کو دہشت کی صورت میں محسوس بھی کرتا ہے۔

سالک پر جب بسط کی کیفیت طاری ہوتی ہے (جو ابتدا میں وقفہ وقفہ سے ہوتی ہے، آخر میں مستقل طور پر ہوتی ہے) تو اس کا دل خوشی سے اس طرح لبریز ہوجاتا ہے، گویا اسے دین ودنیا کی جملہ سعادتوں سے نوازا گیا ہے۔ یہ خوشی دراصل جنتی زندگی کا عکس ہوتی ہے، جو انوار الٰہی کے ورود سے سالک کو مشاہد ہوتی ہے۔ جسے قرآن میں حیاۃ طیبہ سے بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ مومن کے لئے جنتی زندگی اس دنیا سے ہی شروع ہے، آخرت میں اس کی تکمیل ہوگی۔ اسی طرح کافر کے لئے بھی جہنمی زندگی اسی دنیا سے شروع ہوجاتی ہے۔ آخرت میں اس کی تکمیلی صورت میں ظاہر ہوگی۔

اس دنیا میں سالک کو آخر میں سب سے بڑی کامیابی جو حاصل ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ خوف سے مامون ومحفوظ ہوجاتا ہے اور خوف کی زندگی سے اوپر اٹھ جاتا ہے۔ خوف کیا ہے؟ فرد پر اکثر اوقات دنیا کی ہیبت کے بارے میں مایوسی کے جو احساسات غالب ہوتے ہیں، خوف انہی احساسات کا نام ہے۔ خوف کی حالت میں فرد کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں جو کچھ چاہتا ہوں، مبادا، مجھے وہ کچھ حاصل نہ ہو اور اس کی وجہ سے میری زندگی محرومیوں سے دوچار ہو۔ دنیا میں افراد کی ناکامیوں کی

ساری داستان خوف کے احساسات سے ہی وابستہ ہے۔ جب افراد پر خوف کا غلبہ ہوتا ہے تو اس سے مکر، فریب جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت، بدعہدی، رشوت، لوٹ مار، ظلم، استحصال اور قتل جیسے گناہ سرزد ہونے لگتے ہیں، اس لئے کہ خوف کی نفسیات افراد کو مادی مستقبل کی زندگی کو لاحق خطرات سے بچانے کے لئے اس طرح کی حرکات اور جرائم میں پناہ لینے پر مجبور کرتی ہے۔ خوف کی یہ زندگی دراصل جہنمی زندگی کا عکس ہوتی ہے، معاشرہ کا سارا فساد (جس سے اجتماعی زندگی زیر و زبر ہوجاتی ہے) خوف ہی کا نتیجہ ہوتا ہے اور معاشرہ کی اکثریت عام طور پر خوف کی اس بیماری میں مبتلا ہوتی ہے اور خوف کی یہ بیماری ہزاروں صورتوں اور شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے، راہ حق کا طالب، صحبت، ذکر وفکر اور مخلصانہ طور پر اطاعتِ رسول کے ذریعہ آہستہ آہستہ خوف کی زندگی سے بلند تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ صحبت اور ذکر وفکر کی ہر نئی خوراک کے ذریعہ اللہ کی محبت کا طالب، جہاں حسن کے نئے جلووں سے فیضیاب ہوتا ہے وہاں اس کے کردار میں بلندی اور علم میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس طرح صحبت اور ذکر وفکر کا مسلسل تکرار فرد کے حسن کے احساسات کے حقیقی محبوب سے محبت کے رازدان فرد پر اللہ کا ایک بڑا فیضان یہ ہوتا ہے کہ وہ علم کے سمندر میں غوطہ زن ہوکر علم کا وافر ذخیرہ اپنے ساتھ لاتا ہے، جس سے اسے ''فرقان'' کی دولت عظمٰی حاصل ہوتی ہے، جسے قرآن میں '' یجعل لکم فرقان'' سے بیان فرمایا گیا ہے، علم کے اس سمندر میں غوطہ زنی کا عمل بیک وقت نہیں ہوتا، یہ لگاتار ریاضتوں سے ہوتا ہے۔ لیکن اس عمل کے آغاز سے ہی عاشق کو اس جوہر علم سے کچھ حصہ ملنے لگتا ہے، اس کے نتیجہ میں رضائے الٰہی اس کا مطلوب بن جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں عاشق کو محبت ومعرفت کے نتیجہ میں وہ ملکہ حاصل ہوتا ہے، جس سے زندگی کا ہر عمل محبوب کے عین رضا کے مطابق ہونے لگتا ہے۔ اس علم کی کچھ خاصیتیں یہ ہیں۔

مادی حسن سے دستبرداری کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے، ایسی خوشحال زندگی جو محبوب کی رضا کے برعکس ہو، اس سے تنفر پیدا ہوجاتا ہے۔ استغنا اور فقر کا مزاج راسخ ہونے لگتا ہے، زندگی کے معاملات میں صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے، یہ فراست عطا

ہوجاتی ہے۔ افراد کی نفسیات سے آشنائی حاصل ہوجاتی ہے۔ اور واسطیدار افراد کے بے وفایانہ کردار کا پہلے سے اندازہ ہوتا ہے، اس لئے ان کی بے وفائی اور دھوکہ دہی پر اسے زیادہ دکھ نہیں ہوتا۔

ایک اور بات جس کا سالک کو دورانِ سلوک مشاہدہ ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ مصیبت اور اذیت نام ہے محبوب کی عبادت اور اس کے ذکر سے اعراض اور غفلت کا۔ محبوب سے دوری اور جدائی کا احساس (جو ذکر وفکر سے غفلت کا لازمی نتیجہ ہے) غم کے پہاڑ اپنے ساتھ لاتا ہے، مصیبت دراصل عبادت کی پریشانی اور محبوب حقیقی کی یاد کی دبی ہوئی خواہش کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جو نفس کی فطرت کا حصہ ہے۔ انسانی فطرت کی تکمیل رفیق اور دائمی رفیق کے بغیر کسی صورت میں تسکین نہیں ہوتی ارتقا کا ذریعہ بنتا ہے۔

وہ اپنی تشفی کے لئے پر آں مضطرب اور بے چین ہے، بظاہر مصیبت کا ظاہری سبب چاہے کچھ بھی ہو، لیکن یہ مصیبت کے اظہار کا ذریعہ ہوتا ہے، جب کہ اس کا بنیادی اور حقیقی سبب فطرت میں موجود جذبہ عبادت سے اعراض اور غفلت ہوتا ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ جوں ہی فرد عبادت اور ذکر وفکر میں پوری توانائی اور خشوع وخضوع کے ساتھ مصروف ہوتا ہے۔ اس سے غم کے بادل چھٹنے لگتے ہیں اور تکلیف، مصیبت اور اذیت کے احساسات کالعدم ہونے لگتے ہیں۔